پیراہن آتشیں

خالدہ ادیب سابق وزیر تعلیم انگورہ گورنمنٹ کا بہترین ناول

جسمیں اناطولیہ کی تحریک آزادی و استقلال کی داستان نہایت پر لطف طریقہ پر بیان کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ جس تحریک نے دنیا کو حیرت میں ڈالدیا تھا وہ ابتدا میں بچون کا کھیل تھا قدرت کے فضل نے اس تحریک کو بار آور کیا اور اناطولیہ نے سارے یورپ پر فتح پائی

مترجمہ

مولانا آغا رفیق صاحب بلند شہری

حسب فرمائش قاضی محمد رفیق
مالک و اڈیٹر اخبار نجات و پرنٹر نجات مشین پریس بجنور

نجات مشین پریس بجنور میں چھپی

قیمت ۱۲

پیراہن آتشین

مشہور

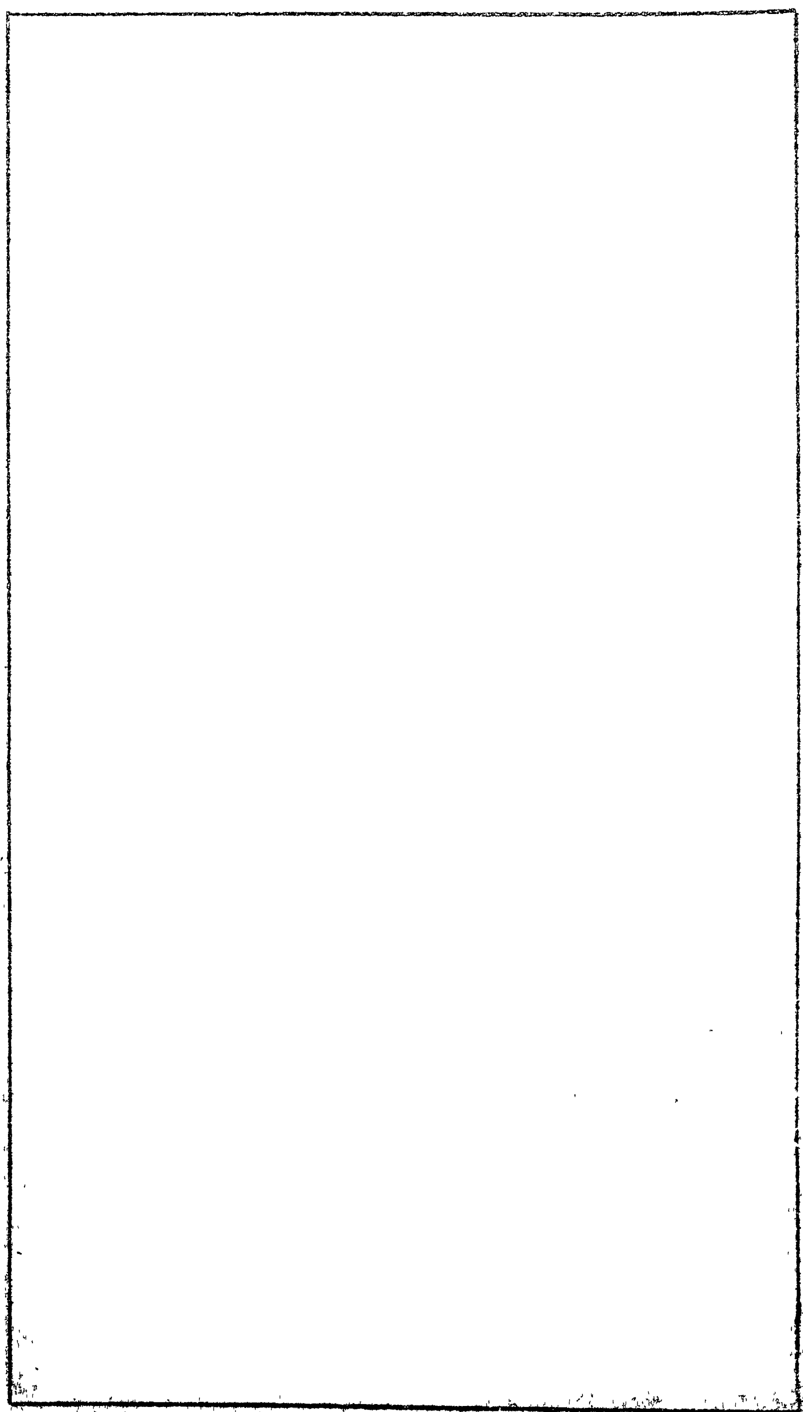
ترکی اہل قلم خاتون خالدہ ادیب خانم سابق وزیر تعلیم انگورہ گورنمنٹ

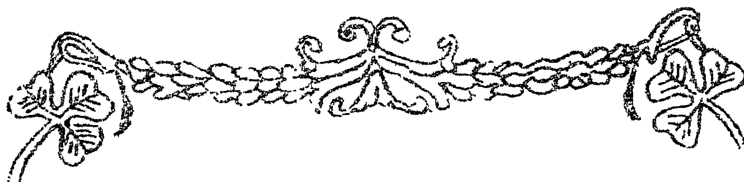
کے

تازہ ترین ناول کا ترجمہ

از

مولانا آغا رفیق صاحب بلند شہری

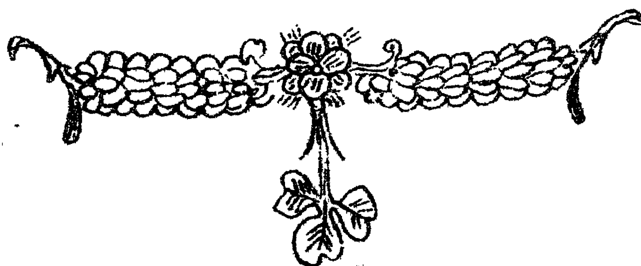


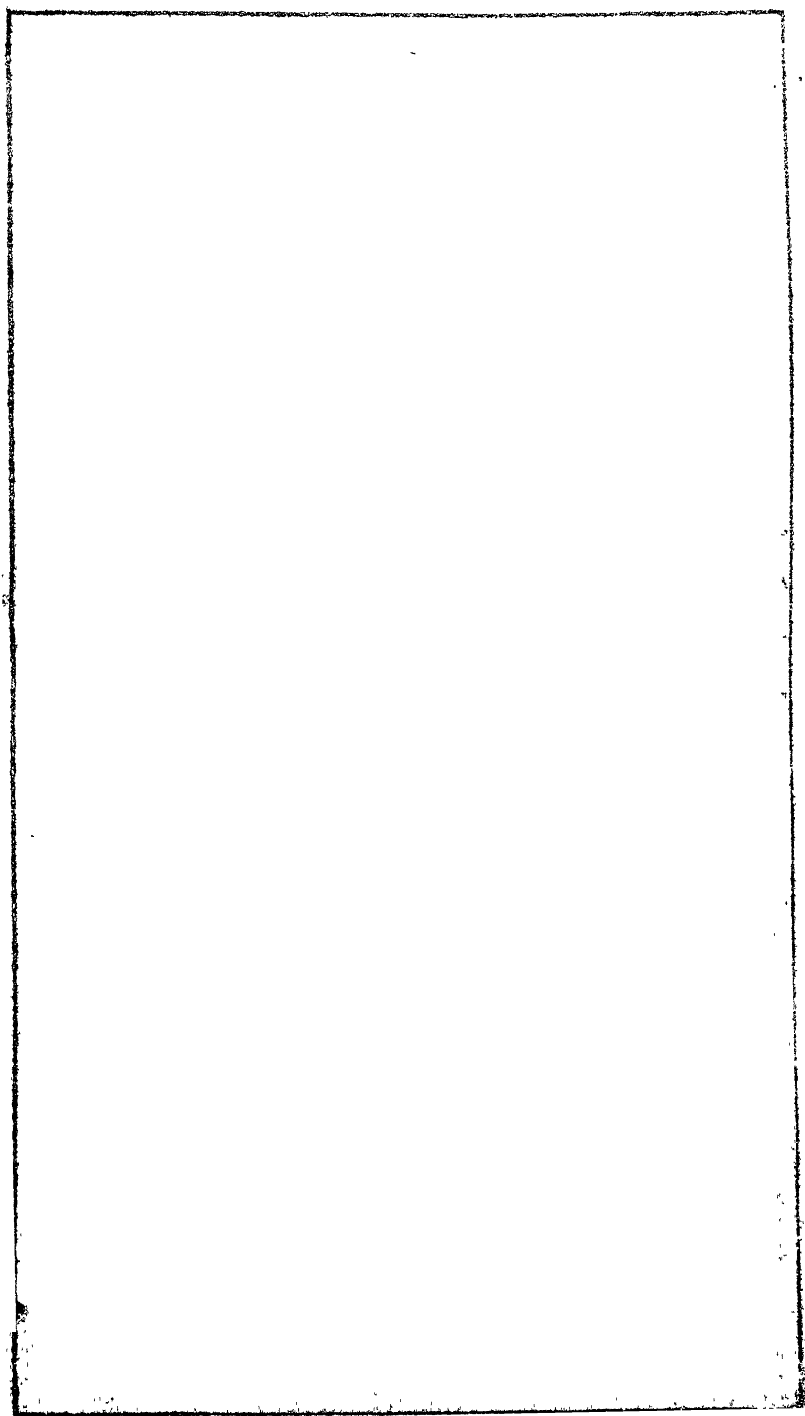


ایک مجروح ترک فوجی افسر کی یادداشتین

سقاریہ کے زبردست فوجی معرکے کے بعد ایک ترک فوجی افسر "پیامی" نام انگورہ کے فوجی شفاخانہ مین اس حالت مین داخل ہوا کہ اُس کی دونون ٹانگین کٹی ہوئی تھین اور سر مین بندوق کی گولی کا زخم تھا۔ گولی سر کے اندر رہ گئی تھی اور "پیامی" نے زخم کو خطرناک پاکر یہ رائے قائم کرلی تھی کہ اُس کا آخری وقت قریب آگیا ہے۔ موت کو قریب پاکر "پیامی" نے ارادہ کیا کہ جنگ یورپ کی ابتدا سے اسوقت تک جو واقعات اُس کے اور اُس کے دوستون کی زندگی سے متعلق پیش آئے ہین وہ اُن کو یادداشتون کے طور پر مرتب کردے۔

یہ کتاب "پیامی" کی یادداشتون کا مجموعہ ہے جسمین اُسنے اپنی ذات کو مخاطب کرکے تمام اُن دردناک واقعات کو بیان کیا ہے جو تحریک اناطولیہ کے سلسلہ مین پیش آئے ہین۔





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



جمال اور احسان

۲۰ر نومبر ۱۹۳۱ء

جس زمانہ سے اس قصہ کی ابتدا ہوتی ہے اُس زمانہ میں۔ میں "دولت عثمانیہ" کی "وزارت خارجہ" کا ایک معمولی عہدہ دار تھا۔ ان یادداشتوں میں جو واقعات میں لکھ رہا ہوں وہ میری شخصیت سے اتنا تعلق نہیں رکھتے جتنا کہ اُن لوگوں کی شخصیتوں سے اُن کا تعلق ہے جن کو میں اپنی ذات سے زیادہ عزیز و محبوب رکھتا تھا۔ میں نے ان لوگوں کے درمیان جن کا قصہ میں لکھ رہا ہوں اور جن کی معیت میں میں نے اپنی حقیقی زندگی کا دور شروع کیا ہے اپنی زندگی کو جس حال میں وہ گذری عیش و مسرت کے ساتھ بسر کیا اور خوش رہا۔

ان اوراق میں۔ میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حالات لکھنا شروع کرتا ہوں لیکن ہر لمحہ مجھے اس کا خطرہ لگا ہوا ہے کہ کہیں اس قصہ کے ہاں "خون اور آگ" کی اس کہانی کے ختم ہونے سے پہلے میری روح جسم عنصری کو خالی نہ کر دے کیونکہ سانس کی آمد و شد پہ ہر وقت نفس واپسیں کا دھوکہ ہوتا ہے اور زندگی کی بقا کا اعتماد قطعاً جاتا رہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ میرے زخم کے سُرخ و گرم خون نے چونکہ زمانہ گذشتہ کی کثافتوں کو دھو کر مجھے پاک صاف کر دیا ہے اس لئے اب میرے جسم سے دفتر کے ناپاک کاموں اور پریشان کُن کاغذات کے جھگڑوں کی بو نہ آئے گی کیونکہ میرا ارادہ اب اپنی سابقہ زندگی کے مشاغل اختیار کرنے کا نہیں ہے۔ یا اللہ کیا میری یہ آرزو پوری ہوگی کاش ایسا ہو۔

مین اس امر کا اعتراف کرتا ہون کہ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ مین اُن حوادث و آلام کو بھی حوالۂ قلم کرون جو مجھ پر گذرے ہین اور جن سے مجھکو خاص روحانی تکلیف پہنچی ہے لیکن مین اس قصہ مین اپنے آلام کا ذکر نہین کرونگا کیونکہ مین اس قصہ مین صرف اُن ہی لوگون کے حالات لکھ رہا ہون جن سے اس عالم مین مجھے خاص تعلق رہا ہے اور اب مین صرف اس امر کا خواہشمند ہون کہ خداوند تعالیٰ مجھے کوئی ایسا انیس و ہمدرد عنایت فرمائے جو میرے بعد دنیا مین رہے کیونکہ مین محسوس کر رہا ہون کہ اس عالم فانی مین میری سیاحت کی مدت بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ مین اس امر کا بھی بہت متمنی ہون کہ مجھے ایک ایسی روح عطا ہو جو میرے قائم مقام ہو اور میری باتین دوسرون کو سنائے۔ میرا یہ خیال اس امر پر مبنی ہے کہ مین ایک معمولی انسان ہونے کی حیثیت سے اس امر کا اعتقاد رکھتا ہون کہ عالم آخرت کا وجود عالم موجود کی طرح ہے اور عالم آخرت مین ارواح بھی پائی جاتی ہین ممکن ہے قبر کے دروازہ سے گذر کر مجھے کوئی ایسا رفیق مل جائے جو مجھ ہی جیسا سادہ لوح ہو اور وہ مجھے اپنے آلام و ہموم سے آگاہ کر کے میرے لئے اس کا موقع بہم پہونچائے کہ مین بھی اپنا راز دار بنا کر اسکو اپنے دل کی کیفیت سے آگاہ کرون اور ایک لطف تازہ اُٹھاؤن۔

مین اسوقت انگورہ کے شفاخانہ ”جبہ جبہ“ کے ایک چھوٹے سے کمرہ مین پڑا ہون اور کھڑکی سے اُن مناظر کو دیکھ رہا ہون جو میرے سامنے ہین کہین بلندی ہے اور کہین پستی۔ اس منظر کے آخری کنارہ پر آسمان کے افق مین سرخی چھائی ہوئی ہے ہان وہ شوخ سرخی جو اُن حوادث کو بتلاتی ہے جو افق کے نیچے زمین پر وقوع مین آئے ہین اس منظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ افق کے نیچے کی زمین پر جو چیز موجود ہے وہ سُرخ اور نہایت سُرخ ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ خون ہو ہان وہ خون..................

نہین۔ نہین اس خیال کو مجھے اپنے دل مین جگہ نہ دینی چاہئے ڈاکٹر نے مجھے بتلایا ہے کہ جو گولی میرے سر مین پیوست ہے وہ دل و دماغ مین اوہام و خیالات پیدا کرتی ہے۔ مین نے ڈاکٹر سے جب یہ کہا کہ وہ گولی کو میرے سر سے نکال دے تو وہ غور سے اپنی قمیص کی آستینون کو دیکھنے لگا اور دیر تک اُن کو دیکھتا رہا، کئی مہینے ہوئے ڈاکٹر نے میری دونون ٹانگون کو آلات جراحی سے کاٹ ڈالا ہے اور اب میری حالت یہ ہے کہ جب مین پلنگ پر پڑا پڑا زیرین حصۂ جسم کو دیکھتا ہون تو چادر کے نیچے اُس حصۂ جسم سے پلنگ کو خالی پاتا ہون، واللہ یہ منظر بھی کس قدر مضحکہ خیز ہے میرے سر مین جو گولی پیوست ہے ڈاکٹر اس اندیشہ سے اسکو نکالنے کی جرأت نہین کرتا کہ کہین میرا خاتمہ نہ ہو جائے ممکن ہے وہ گولی کو ہاتھ لگانے سے اس لئے بھی محترز ہو کہ جو یادداشتین میرے دماغ مین محفوظ ہین وہ کہین

گولی کے ساتھ باہر نکل آئین اور میرا دماغ خالی ہو جائے میرے سر مین جب زیادہ تکلیف ہوتی ہو تو ڈاکٹر تسکین دینے کے لیے مجھ سے کہدیتا ہے کہ ایک ماہ بعد انشاء اللہ مین اپریشن (عمل جراحی) کرونگا اور گولی کو سر سے نکال دونگا۔ ڈاکٹر بار بار مجھ سے اصرار کرتا ہے کہ آستانہ مین۔ مین اپنے عزیزون کو خط لکھ دون۔ مین اُن کو کیا لکھون۔ مین تو اُن سب کو بھلا چکا ہون۔ آستانہ مین ایک تو میری مان ہو جسکا گھُٹتا ہوا گندمی رنگ ہے موٹے اور سخت بال ہین اور جو ہرگز اس امر کو پسند نہین کرتی کہ بڑھاپا اُسپر طاری ہو مین نے جب اپنی نئی زندگی کو شروع کیا ہو تو میری مان نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ مین اپنی قدیم روش کو نہ بدلون۔ بہر نوع اب مین قصہ شروع کرتا ہون۔ مین اس قصہ کو شروع کرنے کے لیے بیچین ہون لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قصہ کو کہان سے شروع کرون، میری مثال ایک بچہ کی سی ہے جس کی خواہش یہ ہوتی ہو کہ کھانا کھانے سے قبل چاولون کو کھائے اس لیے مین بھی اس اندیشہ سے کہ کہین قصہ ختم ہونے سے قبل میری روح پرواز نہ کر جائے یہ چاہتا ہون کہ قصہ کے آخری حصہ سے کہانی کی ابتدا کرون تاکہ تکمیل داستان کا ارمان دل مین نہ رہ جائے۔

میری کہانی اُس روز سے شروع ہوتی ہو جس روز کہ "جمال" ہمارے گھر مین آیا ہے میری مان نے اُس روز مجھ سے کہا کہ۔ "بلغاریہ نے دول حلفا سے التوائے جنگ کر لیا ہو"

ان الفاظ نے اُس روز مجھ پر اضطراب طاری کر دیا تھا، مین پریشان کیون ہوا؟ اور بلغاریون کے التوائے جنگ نے مجھے مضطرب کیون بنایا؟ اس کا سبب مین نہین جانتا البتہ اتنا جانتا ہون کہ اس خبر کو سنکر مین کمرہ کے اندر جو یورپ کے طریقہ پر اعلیٰ قسم کے سامان اور فرش فروش سے آراستہ تھا بے ترتیب مضطرب حالت مین ٹہلنے لگا جس سے تمام فرش اور کمرہ کی چیزین اُلٹ پُلٹ ہوگئین۔ میری مان مجھ کو دیکھ رہی تھی اور مجھ سے کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن مین نے اُس کی طرف توجہ بھی نہ کی اور برابر اِدھر سے اُدھر پریشان حال ٹہلتا رہا۔

میرے لئے التوائے جنگ اور صلح دونون مساوی درجہ مین تھین اور ان سے تأثر کی کوئی وجہ نہ تھی، بلکہ اب سے پہلے تو مین یہ بھی نہ جانتا تھا کہ دنیا کی قومین ایک دوسرے سے کیون لڑتین اور دست و گریبان ہو کر ناحق خون کو بے دریغ کیون بہاتی ہین۔ جب ہماری حکومت (دولت عثمانیہ) جنگ مین شریک ہوئی ہو تو ایک خاص سبب سے مین نے اسکو منحوس خیال کیا تھا لیکن جنگ یورپ کے طویل زمانہ نے پھر میرے جذبات مین کوئی نئی تحریک پیدا نہین کی کیونکہ تب حکومت نے سرکاری کامون کی انجام دہی کے لئے مجھے برلن (جرمنی) بھیجا اور مین اپنی خدمات پوری کرکے پھر آستانہ واپس آگیا۔ میرے خیال مین جنگ یورپ نے کوئی نئی بات پیدا نہین کی تھی بجز اس کے

کہ سیاسی کاغذات کی مقدار و تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی، ہاں یہ صحیح ہو کہ جنگ لوگوں کے لئے ایک مصیبت و بلا تھی اور اس کی وجہ سے ہزاروں بھوکوں مر رہے تھے اور لاکھوں مفلس نان شبینہ کو محتاج تھے لیکن ہم اپنے گھر میں آسائش سے رہتے تھے اور جنگ کے مصائب کا اثر ہم پر نہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ میری ماں آستانہ کے ایک دو لتمند خاندان کی بیٹی تھی اور آستانہ میں اپنے ابتدا سے آسائش و راحت کی زندگی بسر کی تھی دیہات سے کافی پیدا آتا تھا اور بے دریغ خرچ ہوتا تھا اس لئے جنگ یورپ نے ہماری آسائش و راحت میں کوئی کمی نہ کی تھی اور ہم اطمینان کے ساتھ راحت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

اس ذکر نے اسوقت ماں کو یاد دلایا میری ماں ایک سن رسیدہ خاتون ہیں ذکی و ہوشمند اور یورپین فیشن کی دلدادہ محلہ "شیشلی" میں جہاں ہم رہتے ہیں تمام عورتیں یوروپین معاشرت کو پسند کرتی ہیں، اور یوروپین طرز کی زندگی بسر کرتی ہیں محلہ شیشلی اور جزیرہ امرا کے درمیان بہت سے تھیٹر اور تماشوں کے میدان ہیں اور اگرچہ میری ماں کا مکان بعض اوقات تفریح اور کھیل تماشوں سے خالی رہتا تھا لیکن پھر بھی ہر وقت یوروپین فیشن خواتین۔ اور کنواری لڑکیوں سے گھر بھرا رہتا تھا اور چہل پہل سے کوئی لمحہ خالی نہ گذرتا تھا۔ میری ماں نے جب دیکھا کہ بلغاریہ کے التوائے جنگ کی خبر نے مجھ پر غیر معمولی اثر کیا ہے، تو انھوں نے اپنے سگرٹ کو سلگایا اور ایک کوچ پر مغموم و مضطرب دراز ہو گئیں چند منٹ بعد میں نے گھنٹی بجائی اور "کیتھرائن"، خادمہ کو قہوہ لانے کا حکم دیا اور پھر جیب سے سنہری سگرٹ کو نکالا اور سلگا کر پینے لگا۔

سگرٹ کے شغل نے میرے تاثر کو دور کر دیا اور میں اُس شخص کی مانند جس کے مصائب آلام کا یکا یک خاتمہ ہو گیا ہو چاق و چوبند اور تازہ دم ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت "کیتھرائن" قہوہ کی پیالی لائی اور مجھ سے کہا کہ "جمال" تشریف لائے ہیں" بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ماں بلغاریہ کے التوائے جنگ کی خبر سننے کے بعد مجھ کو جمال کے آنے کی اطلاع دینا چاہتی تھیں۔ لیکن میں التوائے جنگ کی خبر سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ میں نے ماں کی طرف دیکھا بھی نہیں:۔

"کیتھرائن" نے جمال کے آنے کی خبر دی لیکن اس خبر نے میرے سکون پر کوئی اثر نہیں ڈالا اگر اسوقت شاہ جرمنی بھی میرے کمرہ میں آتا تو میرے اس سکون و طمانیت پر کوئی اثر نہ پڑتا جو سگرٹ نے پیدا کیا تھا۔

"جمال" میری ماں کے پھوپی زاد بھائی کا بیٹا تھا جنگ یورپ کے سارے زمانہ میں وہ ایک فوجی افسر کی حیثیت سے مختلف مواقع پر خدمات انجام دیتا رہا۔ کئی مرتبہ وہ جنگ میں زخمی بھی ہوا، لیکن عجیب اتفاق تھا

کہ جب کبھی وہ زخمی ہو کر میدان جنگ سے آستانہ آتا تھا تو میں جرمنی میں ہوتا تھا لیکن اگر میں آستانہ میں بھی موجود ہوتا تو بھی مجھے جمال کی پرواہ نہ ہوتی تھی کیونکہ جمال سے اب سے پہلے میرا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ میں جب کبھی جمال کا ذکر کرتا تھا تو اُس کی بہن کے ذکر کے سلسلہ میں یا جب کبھی مجھے جمال کا خیال آتا تھا تو اُس کی بہن کے خیال کے سلسلہ میں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اب سے بارہ سال قبل میری ماں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ میری شادی جمال کی بہن کے ساتھ کردیں چنانچہ میری ماں نے جمال کی بہن کو اس ارادہ سے آستانہ بلالیا۔ جمال کی بہن سمرنا کی ایک نوجوان لڑکی تھی جس کا نام عائشہ تھا، مجھے جب عائشہ کی آمد اور شادی کے ارادہ کا علم ہوا، تو فوراً بکس میں اپنے کپڑوں کو بند کرکے یورپ کو روانہ ہوگیا تاکہ اس شادی سے مجھے نجات مل جائے، یہ واقعہ چونکہ ترکی میں اعلان دستور سے پہلے کا ہے اس لئے اُس زمانہ میں بغیر پاسپورٹ کے میں بآسانی یورپ چلا گیا۔ چھ ماہ بعد مجھکو معلوم ہوا کہ عائشہ نے مقبل بک نام ایک شخص سے شادی کرلی ہے یہ معلوم کرکے میں یورپ سے آستانہ واپس چلا آیا میری ماں کا خیال تھا کہ میں انتہا درجہ کا بیوقوف ہوں کیونکہ میں نے ایک دولتمند خاندان کی لڑکی سے شادی نہ کرکے بڑی دولت کو ہاتھ سے گنوا دیا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد میری ماں اس واقعہ کو بھول گئیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میری طرح وہ بھی دیہاتی لڑکیوں سے نفرت رکھتی تھیں اور اُن لوگوں سے دور دور رہتی تھیں جو ترکی شہری معاشرت سے بیگانہ ہوں۔ پھر میری ماں نے ارادہ کیا کہ میری شادی تسیلی کی ایک یورپین فیشن لڑکی سے کردیں اُسوقت میری عمر چوبیس سال کی تھی لیکن یہ شادی بھی نہ ہوسکی اور وقت نکل گیا۔ اس وقت میری عمر چھتیس سال کی ہے اور میں ادھیڑ ہوچکا ہوں لیکن کنوارا ہوں۔

جمال اُس روز ہمارے ہاں آیا جس روز کہ بلغاریہ نے الٹو لائے جنگ کیا تھا چونکہ اُس کی بہن عائشہ کی شادی کو عرصہ گذر چکا تھا اس لئے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ عائشہ کی جوانی ڈھل چکی ہوگی اور اسکا وہ رنگ و روپ باقی نہ رہا ہوگا جو شباب میں تھا۔ عائشہ کا شوہر مقبل بک جو میرے والد کے عزیزوں میں تھا وزارت خارجہ کے دفتر میں ملازم تھا، شادی کے بعد اُس نے ملازمت چھوڑ دی اور سمرنا چلا گیا اور عائشہ کی جائداد کا انتظام کرنے لگا، گذشتہ آخری سالوں میں اُس نے انگور و انجیر کی تجارت بھی شروع کردی تھی جن کو وہ ریلوے کے ذریعہ باہر بھیجا کرتا تھا۔

"جمال" نے کمرہ میں داخل ہو کر میری ماں کے ہاتھوں کو چوما اور میں ارادہ ہی کر رہا تھا کہ جدید فیشن کے مطابق میں بھی تکلف کے ساتھ جمال کو سلام کروں لیکن جمال نے مجھے اس کا موقع نہیں دیا اور اپنا قوی ہاتھ

بڑھا کر میرے نرم و نازک ہاتھ کو جسمین ایک قیمتی انگشتری پہنے تھا اپنے ہاتھوں مین لے لیا اور اسقدر زور سے دبایا کہ مین آنکھین کھول کر جمال کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ اور اس دیہاتی کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ آہ .... میرے سر مین اب درد شروع ہو گیا ہے اور اب مین مجبور ہون کہ اس ذکر کو یہین چھوڑ دون، کیونکہ سر کا درد لکھنے نہین دیتا۔

۲ر نومبر ۱۹۲۱ء

میری زندگی کا نیا دور اُسوقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ جمال نے میری آنکھون مین آنکھین ڈالکر مجھے دیکھا جمال کی پیشانی کے نیچے دو سیاہ نیلگون آنکھین تھین جن سے وثوق و اعتماد چمکتا تھا اُس کا چہرہ آفتاب کی تپش نے نحاسی (تانبہ کی مانند) کر دیا تھا منہ کا دہانہ چھوٹا اور گول تھا ہونٹون پر مسکراہٹ نمایان تھی جسم تر و تازہ تھا جس سے اس امر کا اندازہ ہوتا تھا کہ اُس مین مصائب و مشکلات کی برداشت کی کافی قوت ہے اور خوف و خطرہ کا اُس پر کوئی اثر نہین ہوتا۔

مجھ سے ہاتھ ملا کر جمال نے اپنی ٹوپی کو پشت کی جانب ہٹایا اور جیب سے رومال نکال کر پیشانی کو اس طرح پونچھا جس طرح کوئی پسینہ کو پونچھتا ہے۔ مین نے کہا۔

جمال تمھاری پیشانی پر تو پسینہ نہین ہے کیا چیز پونچھتے ہو؟ جمال مسکرایا اور کوچ پر بیٹھ کر سگرٹ کو سُلگایا اور پھر مجھ سے کہا۔

مین یہان ٹریم پر آرہا تھا کہ راستہ مین ایک دوست سے ملاقات ہوئی اور دیر تک اُس سے بلغاریہ کے التوائے جنگ پر بحث جاری رہی اس گفتگو نے ہیجان پیدا کر دیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا میری پیشانی پسینہ سے تر ہے۔

پھر جمال نے متانت کا پہلو اختیار کیا اور میری آنکھون مین آنکھین ڈالکر بچون کی مانند سادہ لوحی سے دریافت کیا۔

بلغاریون کے التوائے جنگ کے معنی یہ ہین کہ انھون نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا ہے اب ہماری حالت کیا ہوگی، تم چونکہ وزارت خارجیہ کے عہدہ دار ہو اس لئے بہت ممکن ہے کہ تم اسکا شافی جواب دے سکو۔

مجھے یاد نہین کہ اُسوقت مین نے کیا جواب دینے کی کوشش کی تھی لیکن اتنا مجھے یاد ہے کہ اُسوقت جمال

کی محبت کو مین نے اپنے قلب مین محسوس کیا۔ جمال پہلا شخص ہے جس نے مجھکو اس امر پر آمادہ کیا تھا کہ مین اپنی زندگی کو تبدیل کر دون۔ روش کی تبدیلی کا یہ ارادہ اُس وقت میرے عقیدہ مین خواب و خیال سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا۔ پھر جمال نے میری طرف دیکھکر کہا۔

میری خالہ۔ اور عائشہ اور مقبل بک آستانہ آنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اُن کا بچہ حسن خسرہ مین مبتلا ہے اس لئے وہ آستانہ کا سفر نہین کر سکتے۔

اس کے بعد جمال نے عائشہ کے بچہ حسن کی خوبیان بیان کرنی شروع کین اور اُس کے حسن و جمال اور صحت کو تشریح کے ساتھ بیان کیا۔

میری قدرت سے یہ امر باہر ہے کہ مین جمال کی دوستی کی تاریخ اس موقع پر لکھون اگرچہ مین جمال کی دوستی کے لطف سے اچھی طرح واقف ہون۔ مین نے اپنی زندگی مین پہلی مرتبہ اس امر کو محسوس کیا کہ جمال میرا مخلص دوست بلکہ حقیقی بھائی کی مانند ہے اور مین ایک ساعت اُس کی جُدائی کو برداشت نہین کر سکتا۔ ہم دونون روزانہ ایک دوسرے سے ملتے اور دیر تک گفتگو مین مشغول رہتے تھے جہان دن کے چار بجے اور جمال وزارت خارجہ کے دروازہ پر پہونچا اور مجھکو ساتھ لے کر "فندق مسرۃ" نامی قہوہ خانہ مین داخل ہوا قہوہ خانہ مین جمال کے فوجی دوست بھی جمع ہو جاتے تھے ان فوجی دوستون مین اکثر خوش اخلاق نوجوان تھے اور اُن سب مین جمال کو مین ترجیح دیتا ہون وہ بھی اگرچہ عام فوجیون کی طرح سادہ فوجی لباس مین رہتا تھا لیکن مجھ پر اُسکو ایک خاص قدرت حاصل تھی۔

اُس زمانہ مین آستانہ کی حالت یہ تھی کہ گویا وہ میدان جنگ ہے کوئی رات اور کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا جسمین انگریزی ہوائی جہاز آستانہ کی آبادی مین ہمارے سرون پر پرواز نہ کرتے ہون اور گولے نہ برساتے ہون، انگریزی ہوائی جہازون کی گولہ باری نے آبادی کے اعصاب مین ہیجان پیدا کر دیا تھا اور ہر شخص غضبناک نظر آتا تھا۔

"فندق مسرت" مین جو فوجی افسر جمع ہوتے تھے وہ عموماً جنگ اور صلح کے مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے اور جنگ مین ترکی حکومت کی شرکت کے اسباب پر بحث ہوتی تھی، بعض فوجی افسر جنگ مین شرکت کی ساری ذمہ داری انور پاشا پر ڈالتے تھے اور انور پاشا سے سخت نفرت رکھتے تھے بعض علی الاعلان جرمنی کو گالیان دیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ ہم مین کسی ذمہ داری کے کام کی کوئی صلاحیت ہی نہین ہے ان

لوگون مین ایک اور نوجوان فوجی افسر بھی تھا جو سب سے جداگانہ رائے رکھتا تھا، اس کا نام "سیفی" تھا اس کا
اب تک یہ اعتقاد تھا کہ ہم فتح حاصل کرین گے اور عنقریب کامیاب ہونگے یہ نوجوان اپنے دوستون کو وقتاً فوقتاً
دانیال اور صحرائے سینا کی جنگون کے وہ فوق العادت کارنامے سنایا جو ترکون نے وہان دکھلائے تھے اور اسے
ظاہر کرتا کہ ترک کبھی اپنی شکست سے ہمت ہار کر نہ بیٹھین گے اور کامیابی حاصل کرنے کی دوبارہ کوشش کرین
گے ان تمام لوگون مین صرف مین ایک ایسا شخص تھا جو اس شجاعانہ بحث و گفتگو سے ہیجان کو محسوس کرتا
تھا اور قلب مین ایک الجھن سی ہوتی تھی اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مین ترکی شکست کے اسباب سے ناواقف
تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ ابتدا مین تمام مواقع پر ترکون نے فتوحات حاصل کرکے آخر مین شکست کیون پائی؟

جن دنون مین میری زندگی کا نیا دور شروع ہوا اُن ایام مین ایک عجیب دردناک واقعہ پیش آیا،
جو مجھکو ہمیشہ یاد رہے گا، جمال روزانہ مدرسہ ارکان حرب مین جایا کرتا تھا اور وہان سے واپسی مین دفتر
وزارت خارجہ سے مجھ کو ساتھ لے لیا کرتا تھا، ایک روز حسب معمول جمال آیا اور مجھ سے کہا،

آؤ آج میدان بایزید کی طرف چلین مطلع صاف ہے اور منظر دلفریب ہے۔

اُس روز جمال کچھ پریشان سا تھا چہرہ پر تکدر کے آثار اور پیشانی پر بل نمایان تھے گویا وہ ان امور پر غور
کر رہا تھا کہ جو مصائب ہم پر نازل ہوئے ہین اُن کا سبب کیا ہے۔ کچھ تامل کے بعد اُس نے کہا،

اگر ہماری حکومت جمہوری ہوتی تو کبھی ہم اس مصیبت مین مبتلا نہ ہوتے۔

جمال کی زبان سے اچانک یہ الفاظ سنکر مین حیران رہ گیا اور ظرافت کے طور پر کہا۔

اگر تم شاہی خاندان کے طلباء سے جو تمھارے ہم سبق ہین اس معاملہ پر مشورہ لو تو وہ تم کو کیا رائے دین۔

میرے الفاظ کا جمال نے کوئی جواب نہین دیا اور برابر آگے بڑھتا رہا یہان تک کہ جب ہم وزارت حربیہ کے
سامنے سے گذرے تو جمال رک گیا گویا وہ آگے جانا اب پسند نہین کرتا اور کہا۔

پیارے مین چاہتا ہون کہ مرجان کے نشیب سے ہم چلین۔

تھوڑی دیر جمال نے توقف کیا کیونکہ وزارت حربیہ کے اندر سے ایک فوجی افسر آرہا تھا اور جمال نے اُس کو
دیکھ لیا تھا یہ فوجی افسر ایک استنبولی جوان تھا جس کے پاؤن مین چکدار و چست، بوٹ جوتہ اور سر پر ترچھی ترکی
ٹوپی تھی، جمال کے قریب پہنچکر یہ فوجی افسر قدرے تعظیماً جھکا اور دستانہ اُتار کر جمال سے ہاتھ ملایا جمال نے دریافت کیا

احسان کہان سے آرہے ہو۔

احسان نے جواب دیا جمال اسوقت مین تیسرے فلیٹ (ڈبی سٹ یا ڈوڈیٹن) سے آرہا ہون۔

جمال نے احسان سے مجھکو ملایا اور تھوڑی دیر تک ہم کھڑے باتین کرتے رہے گفتگو کا موضوع وہی بلقاریہ کا التوائے جنگ اور صلح تھا چند منٹ کے بعد ہم نے ارادہ ہی کیا تھا کہ احسان سے رخصت ہو کر آگے بڑھین کہ جمال و احسان ایک طرف کان لگا کر کچھ سننے لگے اور بے طمانیت کے لہجہ مین دونون نے یکزبان ہو کر کہا۔

انگریزی ہوائی جہاز آرہے ہین آؤ وزارت جنگ کے منطقہ سے ہم دور نکل جائین تاکہ خطرہ سے محفوظ رہین۔

ترجمان کے راستہ پر ہم لوگ تیزی سے آگے بڑھے اسوقت میری عجیب حالت تھی تمام جسم کانپ رہا تھا دل دھڑک رہا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا میری پشت کی ہڈیان نکل رہی ہین لیکن تاہم مین نے اپنی حالت کو چھپایا اور تیزی سے اپنے ساتھیون کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دیر مین ہم نشیب سے گذر گئے مین نہین کہہ سکتا کہ ہم مین سے کون سب کے آگے تھا اور کس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے، لوگ تیزی سے راستون پر دوڑ رہے تھے۔ پھیری والے سراسیمہ اپنی اپنی گٹھڑیون کو لئے نشیب مین جا رہے تھے اور کچھ عورتین اپنے بچون کو گھسیٹتی ہوئی تیزی سے چلی جا رہی تھین، مختصر یہ کہ ایک ہنگامۂ محشر بپا تھا۔ تھوڑی دیر مین ہم نے دیکھا کہ لوگون مین اضطراب و پریشانی بہت بڑھ گئی اور بھاگ بھاگ کر وہ محفوظ جگہ مین جمع ہونے لگے یکایک ہم نے دیکھا کہ پانچ ہوائی جہاز آئے اور زمین سے قریب ہونے لگے اور پھر انھون نے گولہ باری شروع کی ان جہازون سے گولیان اس طرح برس رہی تھین جس طرح برف گرتی ہے یا بارش کے ساتھ اولہ گرتا ہے۔

تھوڑی دیر مین سارا میدان دھوئین سے سیاہ ہو گیا اور بہت سے آدمی آہین بھر کے آپس مین ٹکرا گئے اور دیر تک ٹھوکرین کھاتے رہے۔ مجھ پر بدحواسی طاری تھی اور جسم کی قوت جواب دے چکی تھی آخر مین ایک دوکان کے دروازہ سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا اور محسوس کیا کہ میری دونون ٹانگین اور پشت کی ہڈیان بیکار ہو کر رہ گئی ہین اور ان مین بالکل حس و حرکت نہین ہے۔

چند منٹ کے بعد مین نے آنکھین کھولین اور دیکھا کہ وزارت حربیہ سے ہوائی جہازون پر گولہ باری کی جا رہی ہے۔ پھر دیکھا کہ زمین پر شکستہ عمارات کے ڈھیر پڑے ہین اور بہت سے وہ آدمی جو بھاگ نہ سکے تھے زخمی پڑے ہین کہین کسی کے بازو پڑے ہین کہین سر اور ٹانگین ہین جن سے خون بہہ رہا ہے۔ یکایک میری نظر سڑک کے کنارے اس عورت کے بچہ کی نعش پر پڑی جسکو وہ گھسیٹتی ہوئی تیزی سے لئے جا رہی تھی بچہ خاک و خون مین آغشتہ زمین پر پڑا تھا اور عورت اس کے قریب کھڑی دونون ہاتھون سے اپنا منہ پیٹ رہی تھی۔ پھر مین نے

ایک بوڑھی ارمنی عورت کو دیکھا جس کے سفید بال تھے اور سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھی اس عورت کے جسم کا نصف حصہ سڑک پر پڑا تھا اور دوسرا نصف ایک چبوترہ پر۔ اس کے قریب ہی ایک قُلی پڑا تھا جسکا سینہ کھلا ہوا تھا اور سینہ پر بڑے بڑے بال تھے اور خون سینہ سے بہ رہا تھا ۔ مین آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور خاک و خون مین آغشتہ لاشون کا منظر میرے سامنے تھا اس منظر نے میری طبیعت پر بُرا اثر ڈالا اور مین نے محسوس کیا کہ مجھے استفراغ ہونیوالا ہے، کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ مین نے خون کی نہرین اس طرح جاری دیکھی تھین۔

جمال اور احسان مطمئن تھے اور ان مین سے ایک عورت کے بچہ کی نعش کے قریب کھڑا تھا اور دوسرا اُن لوگون کو مدد دے رہا تھا جو مجروح قلی کو اُٹھا کر طبی امداد پہنچانے کے لیے گاڑی مین ڈال رہے تھے۔ تھوڑی دیر مین جمال نے میرے شانہ پہ ہاتھ رکھا اور کہا۔

پیامی؟ دیکھو تمھارے کپڑے خراب ہو رہے ہین۔

مین نے آنکھین کھولین اور دیکھا کہ احسان بھی میرے قریب آ گیا ہو اُس کے چہرے سے استقلال نمایان ہے اور وہ ہماری جانب غور سے دیکھ رہا ہے مین نے جمال کی طرف دیکھکر کہا۔

جمال میرا خیال ہو کہ مجھ پر خوف طاری ہو گیا ہو۔

جمال نے مُسکرا کر کہا۔

اور یہی حالت میری بھی ہو۔

جمال کے الفاظ سُنکر میرے قلب مین جمال کی محبت بہت زیادہ ہو گئی کیونکہ مین نے زندگی کے اسباق مین پڑھا تھا کہ جو شخص بہت زیادہ ڈرپوک ہوتا ہو وہی سب سے زیادہ شجاعت کا دعویٰ کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ دونون سپاہیون (جمال اور احسان) نے میری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے اور مین اُن کو پکڑ کر آگے بڑھا پھر ہم سب گویا موت کے درمیان سے گذرے اور خدا خدا کر کے وہ راستہ طے کیا اس کے بعد ہم گاڑی پر سوار ہو کر آستانہ کے یورپین کنارہ پر آئے اور ہماری گویا جان مین جان آئی لوگ جمال و احسان کی طرف حیرت انگیز نظرون سے دیکھ رہے تھے اور جمال و احسان بشاشت و مسرت کے ساتھ لوگون سے ملتے تھے اگرچہ اُن کے چہرون سے کسی قدر تلخی و ناگواری محسوس ہوتی تھی۔ گاڑی سے اُتر کر احسان نے کہا چلو قہوہ خانہ توکاتلیان مین چلکر چاء پئین۔ رات کا کھانا ہم نے بک اوغلی مین کھایا اور تھوڑی رات تپہ باشی مین گذاری۔ پھر ہم رات ہی کو نیم بیہوشی کی سی حالت مین اپنے گھرون کو چلے آئے۔

مین ان باتون کو بیان کیون لکھ رہا ہون حالانکہ ان کا تعلق نہ اُن لوگون سے ہے جنکا تذکرہ مین لکھ رہا ہون اور نہ میرے واقعات زندگی سے یہ باتین کچھ تعلق رکھتی ہین؟

۴؍ نومبر ۱۹۲۱ء

آج صبح مین نے اُس سپاہی کی طرف جو میری خدمت پر متعین تھا دیکھکر کہا۔

سالم مین دھوپ مین بیٹھنا چاہتا ہون۔

سالم کی نیلگون آنکھون مین میرے الفاظ سنکر آنسو بھر آئے اور اُسنے کہا۔

میرے آقا مین آپکو دھوپ مین لیجاؤن گا۔

میرے لئے کس قدر یہ امر موجب مسرت و خوشی ہے کہ میری خدمت کے لئے ایک ہمدرد سپاہی مقرر کیا گیا ہے اسوقت بجز اس سپاہی کے نہ تو میرا کوئی یار و مددگار تھا اور نہ شناسا، میری دونون ٹانگین کاٹ ڈالی گئی ہین اور اب تھوڑے وقفہ کے بعد وہ (شفاخانہ کے ڈاکٹر) میرے دماغ پر بھی عمل جرّاحی کرینگے۔ مجھے خطرہ ہے کہ یہ عمل جراحی کہین میرا خاتمہ نہ کردے لیکن اگر مین عمل جرّاحی کے بعد زندہ بھی بچا تو زندگی میرے لئے کس حد تک خوشگوار ہوسکتی ہے کیونکہ اس وقت مین دنیا مین تنہا ہون نہ تو میرا کوئی انیس و ہمدرد ہے اور نہ کوئی شناسا البتہ میری ماں ہاں وزارت خارجہ کے ایک عہدہ دار کی ماں آستانہ مین موجود ہے لیکن اب تو مین وزارت خارجہ کے منصب دار کے بجائے ایک سپاہی ہون جس کی دونون ٹانگین نہر سقاریہ کے کنارہ ضائع ہوچکی ہین اور گولی نے جس کے سر کو توڑ دیا ہے اگر آج میرا سپاہی خادم مجھے چھوڑ کر چلا جائے تو پھر دنیا مین میرا کوئی پوچھنے والا بھی باقی نہ رہے۔

لیکن مین ان باتون کا خیال کیون کر رہا ہون؟ کیا سالم میری خدمت کے لئے موجود نہین ہے؟ مین اُسکی کالی کالی گردن مین اپنے دونون ہاتھون کو حمائل کر دیتا ہون اور وہ اسی طرح مجھکو اُٹھا کر جس طرح ایام طفلی مین میری ماں مجھے گود مین لیا کرتی تھی پلنگ پر لیجاتا ہے اور مجھے خواب راحت کا لطف اُٹھانے کے لئے لٹا دیتا ہے اگر خداوند تعالیٰ نے آیندہ مجھے دنیا مین زندگی کے مصائب برداشت کرنے کے لئے کچھ عرصہ باقی رکھا تو مین سالم کی گردن مین اپنے دونون ہاتھون کو حمائل کردونگا اور رو رو کر اُس سے کہونگا سالم؟ دنیا مین جو چیز میری ملکیت ہے وہ مین سب تیرے حوالہ کرتا ہون تو مجھے اپنے گاؤن کے جھونپڑے مین لے چل تاکہ مین تیرے ساتھ

رہون اور تجھ سے جُدا نہ ہون۔

پھر اگر میری زندگی نے زیادہ طوالت اختیار کی اور میرے دل و دماغ مین ایامِ قدیم کی باتون نے ہجوم کیا تو مین عالمِ آخرت کا انتظار نہ کرونگا اور جو اسرار میرے قلب مین محفوظ ہین اُن کو مین سالم سے بیان کر دونگا اور کیون اُس کو ان اسرار سے آگاہ نہ کرون کیا اُس سے زیادہ اسوقت میرا اور کوئی عزیز دوست ہے۔ ہان مین اُس سے بے تکلف عائشہ، جمال، احسان اور دوسرے لوگون کا قصہ بیان کر دونگا۔

مین انھین خیالات مین غلطان و پیچان تھا کہ سالم میرے کمرہ مین داخل ہوا اور میرا بستر ایک ایسے کمرہ مین بچھا دیا جسمین پتھر کا فرش تھا اور دھوپ خوب پھیلی ہوئی تھی پھر وہ مجھکو گود مین اُٹھا کر لے گیا اور دھوپ مین بستر پر مجھے لٹا دیا۔ دھوپ مین۔ مین دیر تک سوتا رہا پھر سالم نے مجھے میرے کمرہ مین پہنچا دیا۔ میرا کمرہ چونکہ بہت ٹھنڈا ہے اس لئے سالم نے مجھے گرم کپڑون مین لپیٹ دیا، جس طرح بچون کو لٹا کر گرم کپڑون مین لپیٹ دیتے ہین، اب مین اپنی خوابگاہ یا بستر استراحت پر ہون میرے سرہانے لیمپ جل رہا ہے قلم و کاغذ میرے ہاتھ مین ہے اور مین غیر معمولی سکینت و طمانیت کو محسوس کر رہا ہون۔

مین کہان سے کہان پہنچ گیا، ہان تو اُس روز سے جس روز کہ ہوائی جہازون کا واقعہ پیش آیا ہے میرے دل مین احسان کی محبت نے بھی جگہ کر لی، احسان اور جمال کے درمیان تعلقات محبت کچھ زیادہ گہرے نہ تھے لیکن دونون مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے اور یہ اتحاد ثلاثہ اتنا مضبوط ہوگیا تھا کہ کوئی ایک دوسرے سے جُدا ہونا نہین چاہتا تھا، احسان کا خاندان بھی شُشلی کے ممتاز و قدیم خاندانون مین سے تھا اور بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ احسان کے خاندان والون اور میری مان کے درمیان دوستانہ تعلقات ہین، احسان کی مان اگرچہ متمدن خاتونون مین سے تھی لیکن وہ مردون سے گفتگو نہ کرتی تھی گویا یون کہنا چاہئے کہ احسان کا خاندان اُن خاندانون مین سے تھا جن مین بالجائی کی قدیم روایات جاری تھین اور وہ نہایت صاف ستھرے رہتے تھے اور اخلاق اُن کا نہایت وسیع تھا۔

احسان اور جمال مین بڑا فرق یہ تھا کہ احسان بہت کم گو تھا، جمال کبھی کبھی اُسکو چھیڑنے کے لئے استنبول کے رہنے والون کی معاشرت و تمدن وغیرہ پر اعتراض کیا کرتا تھا لیکن احسان ان باتون کا کوئی جواب نہ دیتا تھا، احسان کا سکوت اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ خوش اخلاق اور چشم پوشی کر جانے والا شخص تھا بلکہ اسکا سبب یہ تھا کہ احسان کے قلب مین ایک خاص احساس تھا جس پر اس قسم کی باتین مؤثر نہ ہوتی تھین

احسان فطرتاً قوی الجثہ تھا منہ کا چھوٹا سا دہانہ اور رخساروں پر کہیں کہیں چھائیاں تھیں ناک لمبی اور خوبصورت تھی سفید خوشنما دانت تیز نظر اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھیں بالکل ایسی آنکھیں جیسی کہ بعض قدیم تصویروں میں دیکھی گئی ہیں میں محسوس کرتا تھا کہ یورپین فیشن نوجوان فوجی افسر (احسان) کی سی خاص نگہ میں نہاں ہے جہاں کسی ایسے خاص فکر میں جو اُس کی شخصیت سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کے متعلق احسان نے اپنی زبان سے کبھی ایک حرف بھی بیان نہیں کیا۔

مختصر یہ کہ احسان ان عثمانی افسروں کا ایک نمونہ تھا جو ہمیشہ اپنے قلب میں یہ آرزو رکھتے ہیں کہ وہ اپنے عزیزوں قریبوں اور دوستوں کو راحت پہنچائیں میں نے اس موقع پر عثمانی افسر کا لفظ استعمال کیا ہے اور ترکی افسر نہیں کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نوجوان ترک جس نے دنیا میں ابھی قدم رکھا ہے اور ترکی افسر بنا ہے لوگوں کی مزاحمت میں بہت زیادہ سخت ہوتا ہے اور اس کی یاد و مزاحمت کے لیے بہت طاقتور ہوتے ہیں وہ نہ تو متلاطم امواج کی پروا کرتا ہے اور نہ سخت حوادث کی بلکہ وہ نہایت بے خوف اور اپنے مطالب و خواہشات پر مضبوط ہوتا ہے۔

احسان کے ذمہ عثمانی سپاہ میں کوئی مخصوص کام نہ تھا بلکہ وہ محض بتقاضائے شرافت و غیرت سامان جنگ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا کرتا تھا اور کوئی نام و نمود کی خواہش یا اعزاز کی آرزو اسکو نہ تھی البتہ ایک حد تک وہ اپنے کام پر نازاں ضرور تھا۔ احسان باوجودیکہ نوجوانوں کے قہوہ خانہ کو پسند کرتا تھا لیکن باین ہمہ وہ ہماری خاطر سے روسر کیفے کے ہوٹل میں بھی جو جمال کو بہت پسند تھا اکثر چلا جاتا تھا اور ہم سب وہاں بیٹھکر قہوہ یا چاء پیا کرتے تھے پھر ہم وہاں سے اکٹھا بات چیت کرتے ہوئے غلطہ کے پل سے گذرتے تھے، میں دل سے اس امر کو چاہتا تھا کہ احسان اور جمال دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں اور ان کے دوستانہ تعلقات یگانگت کا رنگ اختیار کرلیں کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوتا تھا کہ احسان اور جمال صرف میری وجہ سے باہم ملتے ہیں اور یہ خیال میرے دماغ میں غرور کا جذبہ پیدا کردیتا تھا۔

میرا خیال ہے کہ اناطولی نوجوان یعنی جمال باوجود نوعمر ہونے کے احسان سے زیادہ ہوشیار اور بڑگو تھا، اور اُس نے اپنی دانشمندی و ذکاوت کی بدولت ایک حد تک احسان پر قابو پالیا تھا اگرچہ اسوقت تک اسکا ظہور نہیں ہوا تھا میرے قلب میں یہ خیال بھی پیدا ہوتا تھا کہ کیا جمال اور احسان اسقدر مختلف طبائع رکھتے ہیں کہ کبھی آپس میں اتحاد و یگانگت نہیں ہو سکتی یا وہ دونوں مینار کی طرح دو مختلف شکلیں رکھتے ہیں جن میں سے

جن کو ایک دوسرے کی سند ہے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ ایک دوسرے کا تتمہ یا کامل کرنے والا تھا کیا کوئی ایسی زبردست قوت اُن میں موجود نہ تھی کہ دونوں کو متحدہ طور پہ کام کرنے کے قابل بنا دیتی اور دونوں ایک دوسرے کے جذبات کو محسوس کرنے لگتے۔

مجھے یہ واقعہ خوب یاد ہے کہ التوائے جنگ کے تیسرے روز ہم تینوں بالیمانی کی سڑک سے گذر رہے تھے راستوں اور کوچہ و بازار میں سکوت چھایا ہوا تھا اور لوگوں کے چہروں سے ہم اُس حزن و ملال کو نمایاں طور پہ محسوس کر رہے تھے جسکو وہ اپنے قلوب میں چھپائے ہوئے تھے آخر اس کی کیا وجہ تھی کیا یہ لوگ جنگ کو منحوس خیال کر رہے تھے یا جنگ نے ان کو پژمردہ کر دیا تھا وہ کس چیز کے غم میں مبتلا تھے کیا اُن لوگوں کے ضائع ہونے کا اُن کو رنج تھا جن کا خون جنگ میں بے فائدہ بہایا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔

اُس روز شام کو ہم نے چار وغیرہ نہیں پی۔ اس احساس نے ہماری زبانوں پر قفل لگا دیا تھا اور ہم خاموش چلے جا رہے تھے جب ہم قصر بشکطاش کے سامنے پہنچے تو ہماری نظر دول حلفاء کے بڑے بڑے آہن پوش جہازوں پر پڑی جو نیلگوں پانی کی سطح پر محو خرام تھے جمال نے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا اُس کی ابروئیں تن گئیں اُس کے چہرہ پر زردی چھا گئی اور وہ ساحل دریا کی طرف بڑھنے لگا، احسان کے چہرہ کا رنگ بھی اسوقت زرد تھا اور جمال سے زیادہ زرد تھا، لیکن احسان میں ضبط کی طاقت جمال سے زیادہ تھی، وہ بھی جمال کے پیچھے ہو لیا اور میں بھی اُسکے نقش قدم پر ساحل پر پہنچکر ہم نے دیکھا کہ آہن پوش جہازوں پر غیر ملکی جھنڈے لہرا رہے ہیں، وہ باسفورس کی نیلگوں سطح پر محو خرام ہیں اور پانی کے جھاگ کناروں پر جمع ہیں آہ یہ وقت ہم پر کسقدر گران تھا اور ہم اس کی طوالت سے تکلیف پا رہے تھے۔

ہمارے گرد و پیش اس علاقہ میں نہ تو حس و حرکت تھی اور نہ کوئی آدمی نظر آتا تھا، ہم خاموش کھڑے تھے اور ہمارے کانوں میں ایک آواز سی گونج رہی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اطراف غلطہ یا توپخانہ سے یہ آواز آ رہی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی آواز نہ تھی بلکہ دل کی دھڑکن تھی جسکو میں اپنے کانوں سے سن رہا تھا یا میرے دوست فوجی افسروں کے زخم ہرے ہو گئے تھے اور میں اُن کے کراہنے کی آواز سن رہا تھا۔ پھر میں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا اُن شہداء کی روحیں میری نظروں کے سامنے پھر رہی ہیں جو یورپ کی جنگ عظیم میں مارے گئے ہیں۔

جمال نے اپنی حسرت بھری آنکھوں سے آہن پوش جہازوں کو دیکھا اور ایک ایسے شخص کی مانند جو خواب میں باتیں کر رہا ہو اُس نے کہا۔ "کیا ان جہازوں کو روکنے کے لئے ہم نے درہ دانیال پر جنگ نہیں کی تھی اور

کیا اس جنگ میں ایک ایک گھنٹے کے اندر پچاس پچاس سپاہی مارے گئے تھے۔

احسان نے جواب دیا نہیں تم کو اس دوران بیان اور واقعوں ہی کا علم ہو گا۔

یکایک ہماری نظر ایک بوڑھے سپاہی پر پڑی جو ایک بنچ پر بیٹھا ہوا تھا، بوڑھا سپاہی بڑی مونچھیں رکھے ہوئے تھا اس کی ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ نہ تھی اور جنگ کے نشانات اس کے بازوؤں میں تھے، سینہ پر جنگ کے تمغے لگے تھے جن کو دیکھ کر احسان اور جمال اس سپاہی کی طرف متوجہ ہو گئے، اتنے میں دو سپاہی اور آ گئے جو ایک ہی عمر کے معلوم ہوتے تھے اور وہ اگرچہ دیکھنے میں تو تین ہیں لیکن بلحاظ قوت ایک تھے اور اگرچہ اس وقت وہ متحد نہیں تھے لیکن ان کی نگاہیں اب بھی متحد تھیں۔

تینوں سپاہیوں نے فوجی قاعدہ سے اپنے سروں کو جھکا کر تعظیم کیا اور پھر باہم گفتگو شروع ہو گئی۔ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے کیا باتیں کیں میں اگرچہ قریب ہی کھڑا تھا لیکن ان کی باتوں کا مفہوم معلوم نہ کر سکا البتہ اتنا میں نے ضرور محسوس کیا کہ وہ تینوں کسی عجیب و غریب اور مقدس مذہب کے حلقہ بگوش ہیں جس کا نہ ظاہر ہے نہ منکر۔ ہاں پھر میں ان سے ہٹ کر ساحل کی طرف چلا گیا اور ایک بیگانہ شخص کی مانند ساحل پر ٹہلنے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اس وقت ان فوجی افسروں کی گفتگو میں شریک نہ ہونے اور ان کے مقدس فوجی کاموں سے محروم رہنے کا رنج و الم محسوس کیا اور اسی وقت سے مجھے زخموں، خون اور موت سے محبت ہو گئی، اور ان چیزوں کی عظمت نے میرے دل میں گھر کر لیا جس وقت یہ جذبات میرے قلب میں پیدا ہو رہے تھے اس وقت میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ فاتح فولادی جنگی جہاز جو باسفورس میں دول حلفاء نے کھڑے کر رکھے ہیں میری نظر میں ان تینوں فوجی افسروں کے مقابلہ میں کوئی حقیقت و وقعت نہیں رکھتے چند منٹ کے بعد میں نے پلٹ کر اپنے دونوں دوستوں کو دیکھا، تینوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے، اور باتیں کر رہے تھے۔

اس واقعہ کی یاد نے میرے قلب میں اس وقت جوش پیدا کر دیا ہے اور بے اختیار میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں جو میں نے جمال اور احسان کی روحوں کو مخاطب کر کے کہے ہیں۔

جمال اور احسان آؤ اور دیکھو کہ میری دونوں ٹانگیں کس طرح کٹ گئیں اور میرا دماغ کیونکر پاش پاش ہو گیا، تمہاری محبت کی بنا پر میں ایک کمزور شخص کی مانند تھا آہ! اس حالت سے تم مجھے اس حال میں چھوڑ کر کیونکر چلے گئے ہاں آؤ اور دیکھو کہ میں بھی قومی جھنڈے، شرف و عزت اور وطنی [illegible] کی یاد میں

زخمی ہو کر دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔

میرے خادم سالم نے جب مجھے بہت پریشان اور غم زدہ دیکھا تو کچھ تو بیا (ایک مسکن دوائی جو دماغی تکلیف میں استعمال کی جاتی ہے) کے عرق سے میرے سر کو تر کر دیا اور پھر میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جو گویا زبان حال سے یہ کہہ رہی تھیں۔

میرے آقا رو ؤ نہیں آپ کی آنکھیں نہایت مبارک ہیں کہ انھوں نے شہادت کی نعمت حاصل کی ہے۔

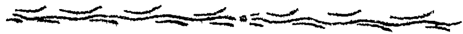
میں نے سالم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسکو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر میں نے دریافت کیا۔

سالم اگر تمھاری دونوں آنکھیں ضائع ہو جائیں تو کیا تمھاری منگیتر فاطمہ تم سے زیادہ محبت کرنے لگے گی۔

سالم نے میرے الفاظ سنکر حیرت سے میری طرف دیکھا گویا اس نے میرے سوال کو سمجھا نہیں لیکن فوراً ہی اس کی حیرت جاتی رہی اور اسنے کہا۔

کیا اسوقت جناب کو اپنی منگیتر کی یاد ستا رہی ہے۔

میں نے سالم کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا اور اسکو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور معاً میرا سر چکرانے لگا، قدرت نے جو آتشین پیراہن مجھے پہنایا ہے دیکھئے وہ کیونکر میری روح پر اثر کر رہا ہے۔ پھر اس پیراہن کی سرخی کیونکر میری آنکھوں اور زبان سے ظاہر ہو رہی ہے۔



۵ نومبر ۱۹۲۱ء

آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور آج میں اپنے سر میں تکان و تکلیف زیادہ محسوس کر رہا ہوں میرا دل دھڑک رہا ہے گویا بجلی کی ایک رو ہے جو میرے جسم میں ساری و جاری ہے اسوقت اگرچہ میں آرام و راحت کا خواستگار ہوں لیکن باین ہمہ میں اپنے قلب میں ایک خفیف سی گدگدی بھی محسوس کر رہا ہوں جس نے بے اختیار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پیدا کر دی ہے اسوقت مجھے آستانہ کے وہ ابتدائی ایام یاد آ رہے ہیں جو التوائے جنگ کے بعد گذرے ہیں انھیں ایام میں ایک روز ہمارے گھر میں قہوہ خانہ مسرۃ کے دوستوں کا اجتماع ہوا اور باتفاق لئے اس جماعت نے یہ قرار دیا کہ ہم لوگ بھی پروپیگنڈا (تبلیغ و اشاعت) کے کام میں اعانت کریں جمال ان سب لوگوں میں زیادہ سخت اور پروپیگنڈا کا سرگرم حامی تھا اور اس کا عقیدہ تھا

تھا کہ پروپیگنڈا بہت زیادہ مفید نتائج پیدا کریگا لیکن احسان کی رائے جمال کے خلاف تھی۔ وہ پروپیگنڈا کے کام کو زیادہ مفید خیال نہ کرتا تھا اور اس کے نتائج سے مایوس تھا لیکن باین ہمہ وہ کام مین اپنے دوستون کے ساتھ شریک رہنے سے انکاری نہ تھا اور اُن کے ساتھ یہ کام کرتا تھا، اُن ایام مین واقعی ہمارا یہ خیال تھا کہ پروپیگنڈا ہمارے قومی مرض کا بہترین علاج اور موثر دوا ہے اور اسپر ہمارا کامل اعتقاد تھا۔ اب مین اُن ایام کے واقعات لکھتا ہوں مجھے اسوقت وہ واقعات یاد آرہے ہین اور اُن کے اثر سے لرزہ میرے جسم پر طاری ہے اصل یہ ہے کہ ساری دُنیا کی انسانیت نے ہماری پیشانی پر ایک بدنما داغ لگا دیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم وہ ہین جنھون نے ارمنون کو ذبح کیا ہے۔ ہم تمدن و تہذیب کے دشمن ہین اور جرمنی کے حلیف ہین جو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے اور ہم ایسے وحشی ظالم و خونخوار ہین کہ ہمارے وجود کو صفحۂ ہستی سے معدوم کردینا تہذیب و انسانیت کا فرض ہے۔

اگرچہ ہر طرف مایوسی پھیلی ہوئی تھی لیکن اُس زمانہ مین ہم پر مایوسی طاری نہ تھی اور ہم اپنے آپ کو تازہ دم اور شگفتہ پھولون کی طرح سمجھتے تھے اور بچون کی مانند پاک و صاف اور بے فکر روح اپنے مین پاتے تھے ہمنے قرار دیا کہ ہم متمدن دُنیا کی غلط فہمیون اور سوءِ ظن کو دُور کرین گے اور دُنیا کی رائے کو پلٹ دین گے۔ ہمارا خیال تھا کہ جب ہم دُنیا کے سامنے اس قسم کے دلائل و شہادات پیش کرین گے کہ ہم ظالم و خونخوار نہین ہین اور یہ کہ ہماری نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے وہ بالکل کذب و افترا ہے تو یورپ ہمارے حق کو تسلیم کرلیگا۔ اور ہمکو اُن الزامات سے بری قرار دیگا جو ہم پر لگائے گئے ہین اور ہم اپنے حق کو بھی ایک ایسی معتدل صورت مین پیش کرین گے جسکا قبول کرلینا ممکن ہوگا۔ پھر ہمنے قرار دیا کہ ترکی اخبارات و رسائل اس موضوع پر زبردست مضامین لکھین اور ہم ان مضامین کا ترجمہ غیر مُلکی زبانون مین کرکے یورپ کے اخبارات کو اشاعت کے لئے روانہ کرین اور پھر ہم اُن غیر ملکی لوگون سے مل کر جو آستانہ مین آئین یورپ کے اخبارات کے اُن مضامین کو سُنائین۔

ہمارے نوجوانون مین سے ہر ایک غیر مُلکی اخبارات کے نامہ نگارون کی جستجو مین لگا رہتا تھا اور ترکی خواتین اُن غیر مُلکی لوگون سے جو آستانہ مین مقیم تھے اور جن سے اُن کے شوہرون یا بھائیون کی شناسائی و ملاقات تھی جا جا کر ملتی تھین اور اُن کو حقائق سے آگاہ کیا جاتا تھا اگرچہ آستانہ مین مختلف عناصر اور بہت سی مخالف پارٹیان تھین لیکن باین ہمہ پروپیگنڈا کے کام کو سب نے اپنا فرض قرار دے لیا تھا۔

میری ماں کا مکان محلہ شیشلی مین چونکہ سب سے زیادہ وسیع اور جائے وقوع کے لحاظ سے آبادی کے اندر تھا اور پروپیگنڈا کے کام کے لئے ہر طرح موزون و مناسب۔ اس لئے اُسکو پروپیگنڈا کا مرکز قرار دیا گیا تھا۔

تھے [illegible] اُن ایام میں [illegible] تمام [illegible] مشغول [illegible] یہی کام کرتے تھے وہ حسب ترتیب [illegible] پروپیگنڈا میں مشغول [illegible] میں مصروف تھے [illegible] فائدہ اٹھایا [illegible] کسی نہ کسی [illegible] جانا ہوتا۔

اُن ایام میں ہماری جماعت میں سے کسی ایک شخص کو بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ بچوں کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ہماری تمام جد و جہد تحریر پر ہے ہمارا ملک کے اخبارات بھی جو جائز و ناجائز طریقہ پر ہر ایک معاملہ میں مخالفت کیا کرتے تھے اس تحریک میں ہمارے ساتھ تھے اور ہم سے متفق الرائے۔ صرف وہ لوگ اس تحریک میں ہم سے علیحدہ تھے جن کو التوائے جنگ کے بعد اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ ترک نہیں ہیں یہ لوگ اس تحریک میں کسی حیثیت سے بھی ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ وہ اپنے آرمنی اور رومی بھائیوں کے ساتھ ایک اور تحریک میں شریک تھے یعنی ہماری تحریک کے خلاف تبلیغ و اشاعت۔ مختصر یہ کہ اُن ایام میں ہر گھر کے اندر اور ہر مجمع میں اسی قسم کی گفتگو ہوتی تھی اور ہر شخص پروپیگنڈا کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرتا تھا۔

آج میں اُن ایام کی تحریک پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہم اُن ایام میں جو کچھ کر رہے تھے وہ غیروں کو اطمینان دلانے کے لئے نہ تھا بلکہ صرف اپنے آپ کو خوش کرنے اور دل بہلانے کے لئے تھا جو جوش ہم میں پیدا ہوتا تھا اور ہم ہی میں ختم ہو جاتا تھا۔

فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں جو پروپیگنڈا ہم کر رہے تھے اُس کی کیفیت یہ تھی کہ جو امور ہمارے مفید مطلب ہوتے تھے وہ یورپ میں تو کجا خود آستانہ میں شائع نہیں ہو سکتے تھے بایں ہمہ آستانہ کے اخبارات میں اگر کچھ مضامین شائع ہو جاتے تھے تو وہ سنسر (محکمۂ احتساب) کے سخت گیر ہاتھوں سے نکل کر شائع ہوتے تھے اور اُن کی حالت ایسی ہوتی تھی جیسی کہ کسی بڑھیا کے سارے دانت گر چکے ہوں یعنی مضمون کے اندر سے سطروں کی سطریں غائب ہوتی تھیں اور نقطے لگے ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے مضامین سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ پروپیگنڈا کی وہ صورت جو ہم نے اختیار کی تھی زبردست وقار، متانت اور بلند درجہ کو چاہتی تھی اور ہم نہایت بلند پایہ اور سنجیدہ طریقہ پر پروپیگنڈا کرنا چاہتے تھے آخر ہم نے اس امر پر اتفاق کیا کہ ہم جمع ہو کر اُن اتہامات و الزامات اور جرائم پر نظر ڈالیں جو ہماری طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور ان اتہامات

ہیں سے اہم پر بحث کرتے اور پُر زور تقریریں کرتے تھے اور پھر منتشر ہو کر جا بیٹھتے وہاں چلے آتے تھے اور نتیجہ کے اجتماع بحث و گفتگو اور تقریروں کا اثر تھا۔ یہ فیصلہ کر لیتے تھے کہ گویا ہمیں سے دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے اور تمام دنیا نے ہمارے احتجاج کو سُن لیا ہے اور ہمارے اوراق کا اعتبار کر کے اُس نے ہمارے حقوق کو تسلیم کر لیا ہے اور جس قدر ہم کو امر کا زیادہ یقین ہوتا جاتا تھا کہ ہمارا مطالبہ حق ہے وہ درست ہے اور رسائل ہی میں ہم کو اپنے احساس و شعور کی قوت کا اندازہ ہوتا جاتا تھا۔ اُسی قدر ہمارے خیال میں پختہ ہوتا جاتا تھا کہ دنیا کو ہمارے جذبات کا کافی علم ہو گیا ہے اور وہ ہمارے حقوق کو تسلیم کر لے گی۔

یہ مختصر خاکہ ہے ہمارے اُس پروپیگنڈا کا جو اسکول ایک بچوں کا کھیل تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آزادی کی جنگ میں جو مصائب برداشت کئے ہیں اُن کا تحمل صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ ہم اپنے نفس کو بہت پہلے آمادہ کر لیتے اور نفس چونکہ موت پر بہت مشکل سے آمادہ ہوتا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اُس کو مضبوط بنایا جائے اور مضبوط بنانے کی صرف یہی صورت تھی کہ ہم اپنے حق اور اپنی قوت پر کافی اعتماد رکھتے۔ ہمارے پروپیگنڈا کی تحریک سے کم از کم یہ بات ضرور حاصل ہو گئی تھی کہ ہم کو اپنے حق اور اپنی قوت پر پورا بھروسہ ہو گیا تھا۔

اُس زمانہ میں آستانہ کے اندر دو قسم کے لوگ تھے، ایک جماعت تو عضوِ مفلوج کی مانند تھی اور مایوسی اُس پر طاری تھی، دوسرا گروہ تازہ دم نوجوانوں کا تھا جو اس قسم کے خیالات کا اعتقاد رکھتا تھا جن کا وجود میں آنا ناممکن تھا اور بچوں کی مانند خوش آیند باتیں بناتا تھا یہ گروہ آزادی کی ایک نئی دنیا کا خواب دیکھ رہا تھا اور مسرور تھا۔ خواتین میں تبلیغ و اشاعت کی جو تحریک جاری تھی اُس کی کیفیت یہ تھی کہ محلہ شیشلی کی خواتین کی تحریک کی امارت حملہ آور تندمزاج خواتین کے ہاتھوں میں تھی اور یہ سب یورپین تہذیب و تمدن اور جدید فیشن کی دلدادہ تھیں اور متعدد غیر ملکی زبانوں کی ماہر تھیں ان میں سے ایک جو سب سے بڑی تھی مجھے اچھی طرح یاد ہے اور میں اُس کو اس گروہ کے ابر آلود افق تک نہیں بھولا ہوں بلکہ اُسکو ہمیشہ یاد رکھوں گا، اس کا قد دراز تھا قوی جسم۔ جامہ زیب خوش پوشاک اور صاحب اثر و اقتدار تھی اس کی آنکھیں سیاہ تھیں چہرہ تر و تازہ اور شگفتہ رہتا وضع قطع با چال ڈھال دلفریب و دلکش تھی ناک اُس کی لمبی تھی جس کے نتھنے ہمیشہ اُن عطروں کی بو سونگھتے رہتے جو اُس کے گرد جمع ہوتی تھیں اور خصوصاً انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی رشتہ دار اور عزیز و قریب ضعیف القلب عورتوں کی بو وہ جلد پا جاتی تھی اور اُن کو اپنے تیروں کا نشانہ بناتی تھی وہ

انجمن اتحاد و ترقی اور اُس کے ممبروں کی سخت دشمن تھی۔ اور وہ اُن سے نفرت رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض وقت اُس کے بغض و عداوت کی جھلک نمایاں نظر آتی تھی اور اُس کے غضب و غصّے سے البانی اخلاص کا شربت ملتا تھا، وہ ہر وقت تقریر و گفتگو میں مشغول رہتی تھی اور اُس کی تقریر و گفتگو کا موضوع دین اسلام کے لئے جنگ اور انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کے کارنامے تھے وہ خواہ اسٹیج پر ہو یا ملاقات کے کمرہ میں یا اور کسی دوسری جگہ کہیں اُس کی زبان خاموش نہ رہتی تھی۔ وہ ہر وقت دعا پاٹھ کرتی رہتی تھی اُس کے چہرہ پر تو کبھی پریشانی کے آثار نظر آتے تھے اور نہ وہ کبھی مضطرب دکھائی دیتی تھی۔ بلکہ ہر وقت ہر جگہ اور ہر موقع پر اُس کی گفتگو، بحث اور تقریر میں وہی جوش، استقلال اور جلال نظر آتا تھا جو لوگوں نے کسی ایک دشمن موقع پر دیکھا ہوگا اُس کی آواز کا جوش و جلال کبھی تغیر ہوتا تھا وہ خواہ کمرہ میں دو شخصوں سے باتیں کر رہی ہو یا ایک بڑے اجتماع میں ہزاروں آدمی کے روبرو تقریر کر رہی ہو اُس کا ٹھاٹ ہمیشہ یکسان رہتا تھا کبھی کبھی میں اُسکو دیکھتا تھا کہ وہ تنہا موٹر پر جا رہی ہے اور میں نے اُس کے ہادی منظر خوبصورت چہرہ کو دیکھ کر یہ محسوس کیا ہے کہ وہ اسوقت بھی اپنے آپ کو مخاطب کر کے اپنے دل میں تقریر کر رہی ہو اور اسی جوش، روانی اور قوت و عزم کے ساتھ جو اُس میں پایا جاتا ہے وہ عموماً اپنی تقریروں اور گفتگو میں انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں پر لعنت بھیجا کیا کرتی تھی اور جب وہ اس موضوع پر آتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مشین ہے جو تیزی سے سیماب وار حرکت کر رہی ہے۔

ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ہمارے گھر میں اُسنے اُن اتحادی عورتوں کے مجمع میں جن کو اپنے اصول اتحادیت پر پورا اعتماد تھا تقریر کی اپنی تقریر میں اُس نے ایک ایک کو مخاطب کیا اور نہایت جوش کے ساتھ بلند آواز میں ایک عورت کو مخاطب کر کے اُسنے کہا۔

ہم تیرے شوہر پاشا کی ڈاڑھی پکڑ لیں گے پھر اُس کو درخت کے تنے سے باندھ کر زندہ جلا دینگے پھر دوسری عورت کو خطاب کر کے کہا اور تیرے خاوند کے اعضاء کو پارہ پارہ کر دیا جائیگا۔ پھر تیسری عورت کو مخاطب کر کے کہا اور تیرے شوہر پاشا کے منہ میں سیسہ بھر دیا جائیگا اس کے بعد عام خواتین کو مخاطب کر کے کہا۔

خواتین! تمہارا دور گذر گیا اب ہم بھی آستانہ پر ایک دفعہ مصائب نازل کر کے رہیں گے۔ میں کہاں تک لکھوں ہزاروں مرتبہ اس قسم کی باتیں انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی مسکین عورتوں کو محض اُنکے شوہروں کے اعمال و افعال کی بنا پر سنائی گئیں اور اُن کو سخت سے سخت دھمکیاں دی گئیں تشفی کی

متعصب عورتوں کی جماعت اس خاتون کی زبان سے ظالم دنیا کی داستانیں سنتی تھی اور متاثر ہوتی تھی۔ اسی طرح انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی عورتیں جو سکول کے ساتھ ان کی دھمکیوں کو نظر انداز کرتی تھیں اور بات یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس خاتون کی تقریر کے دوران ان میں سے کسی عورت کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ جلسے سے اٹھ کر چلی جائے اور اپنے جذبات کو مجروح ہونے سے بچائے کیونکہ ایسا کرنے میں اندیشہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں اُن کی نسبت یہ رائے قائم نہ کر لی جائے کہ یہ عورتیں انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی رشتہ دار یا بیویاں ہیں۔

میں نے اس امر پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان عورتوں کا مرکز صرف تحفظ شخصیت ہے۔ یہی اشتعال کی عورتیں وہ گویا ایک ایسی دنیا میں بستی ہیں جو اس عالم سے جداگانہ تھا یعنی ان کے پروپیگنڈا کا ایک جدید طریقہ تھا جو شخصی سے پروپیگنڈا کے بالکل برخلاف تھا۔ شخصی آزادی عورتیں مذکورہ بالا خاتون یعنی سیدہ سالمہ کی رہنمائی و سیادت میں نہایت سختی کے ساتھ ہر اس تحریک کا جو اشتعال کی عورتوں کی طرف سے شروع ہوتی تھی جواب دیتی تھیں اور اپنی پوری قوت سے اُن کی تحریک کو ختم کرنے پر تلی رہتی تھیں۔

میں اور احسان تو سیدہ سالمہ کے اثر و اقتدار سے بالکل آزاد تھے اور ہم پر اُس کا کوئی معنوی اثر نہ تھا البتہ جمال پر وہ کافی اثر و اقتدار رکھتی تھی۔ سیدہ سالمہ جب ہم تینوں سے باتیں کرتی تھی تو میں اور احسان تو سگرٹ پینے میں مشغول رہتے تھے اور جمال ہمہ تن گوش ہو کر مجنون کے سے اخلاص اور سادگی سے اُسکی باتوں کو سنتا تھا اور جب میں اپنے نفس میں سیدہ سالمہ کی پرجوش باتوں سے غضب و غصہ کو محسوس کرتا تھا تو دیکھتا تھا کہ جمال اُس کی باتوں سے بہت متاثر ہو رہا ہے اور کان لگائے اُس کے الفاظ کو متانت و سنجیدگی سے سُن رہا ہے، جمال گھنٹوں سیدہ سالمہ سے بحث و گفتگو کرتا تھا اور کبھی کبھی یہ بحث منازعت کی حد تک پہنچ جاتی تھی لیکن چند ہی منٹ بعد باہمی نزاع کا اثر زائل ہو جاتا تھا اور دونوں مصالحت کر لیتے تھے، انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں میں سے صرف جمال ہی ایک ایسا شخص تھا جس کی باتوں کو سیدہ سالمہ سُن لیتی تھی اور اُس کے سخت الفاظ کو برداشت کر لیتی تھی جمال اگرچہ انجمن اتحاد و ترقی کا کوئی سربرآوردہ ممبر نہ تھا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُس پر اتحادیوں کا رنگ چڑھا ہوا تھا اور ایک حد تک وہ اتحادی تھا۔

غلطہ کے پل کے اُدھر عورتوں کی ایک اور تحریک جاری تھی اور اس تحریک کا کام عورتوں کے ایک ایسے عنصر کے ہاتھ میں تھا جو نوجوان اور تازہ فکر تھیں، ان سے میری مراد مدرسہ دارالفنون کی معلمہ اور شاعرہ

عورتیں بھی عورتوں کے طبقہ سے ہوں جو عورتوں کی کچھ زیادہ پروا نہ کرتا تھا لیکن باوجود اس کے وہ اپنے بعض اجتماعات میں بعض غیر ریسورت عورتوں کو بھی بلاتا تھا اور یہ سمجھا ہوا تھا کہ اجتماعات کی ظاہری صورت محفوظ رہے اور عام اجتماع کی شکل پیدا ہو سکے۔

مدرسہ دارالفنون کے صحن اور جمعیت ترکیہ میں سرخ سرخ ترکی ٹوپی پہنے والے نوجوانوں اور بے قصور لوگوں کا اجتماع ہوا تھا اور ان اجتماعات میں ان نوجوانوں اور کم سن طلبہ کی اکثریت معقول تعداد میں ہوتی تھی جن کے سرخ سرخ چہرے ہوتے تھے اور جن کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوتے تھے۔ ان اجتماعات میں اکثر خواتین بالخصوص معلمات بھی ہوتی تھیں جو انجمن اتحاد و ترقی کا چوغہ پہنتی تھیں لیکن استنبول کے گروہ اور عورتیں اور دوسرے مقام کی خواتین جو کچھ کرتی تھیں وہ محلہ شیشلی کی خواتین کی نظر میں بچوں کا کھیل تھا اور وہ ان کو پست طبقہ کی عورتیں خیال کرتی تھیں اور ان کے خلاف پوری کوشش سے وہ کام کرتی تھیں چنانچہ جب دارالفنون کی خواتین کسی سفیر کو ترکی کے پروپیگنڈا کے مناسب کوئی یادداشت روانہ کرتیں تو فوراً شیشلی کی خواتین ایک جلسہ منعقد کر کے یادداشت مذکورہ کے خلاف اس سفیر کے پاس اپنی یادداشت بھیجتی تھیں اور اس یادداشت پر وزارت خارجہ کے ادنیٰ عہدہ دار کی بیوی سے لیکر فرانسیسی زبان کی ماہر خاتون تک سب کے دستخط ثبت ہوتے تھے اور دستخط ثبت کرنے سے انکا منشاء یہ تھا کہ یادداشت بھیجنے والی خواتین کی عظمت کا اظہار ہو سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ عورتیں ترکی کے شرفاء اور اعیان میں سے ہیں یہ خواتین دول حلفاء کی دوست تھیں اور جرمنی کی دشمن اپنی یادداشتوں میں یہ عورتیں ان امور کی تردید و تکذیب کرتی تھیں جو معمولی طبقہ کی عورتوں کی یادداشت میں ہوتے تھے۔

مختصر یہ کہ جانبین میں سخت عداوت و نفرت تھی ان میں سے جب کوئی جماعت اپنا جلسہ منعقد کرتی تھی تو دوسری جماعت بھی فوراً اپنا اجتماع کرتی تھی اور جب کوئی یادداشت لکھی جاتی تو فوراً اس کے مقابلہ میں اس کے خلاف دوسری جانب سے بھی یادداشت مرتب کی جاتی تھی۔ جماعت شیشلی میں غیر ترکی عنصر کی تعداد زیادہ تھی اور استنبول کی خواتین غیر ملکی لوگوں سے صرف یادداشت کو سفراء کی خدمت میں پیش کرتے وقت ملتی تھیں بہر حال آستانہ کی نوجوان خواتین کی مساعی صرف اپنے نفس کو مطمئن کر لینے کی حد تک محدود تھیں اور اگرچہ وہ نوجوان تھیں لیکن ان کی زندگی نہایت آسائش پسند تھی۔

استنبول کی خواتین احسان کی جانب مائل تھیں لیکن احسان ان کی جانب مائل نہ تھا اور یہ امر واقعہ ہے۔ استنبول کی خواتین جب غیر ممالک کے سفارت خانوں میں جانے کا ارادہ کرتیں تو وہ احسان سے خواہش

کو تحریک کی [illegible] واقعہ فیصلہ تحریک ہوگا۔ بعض
اوقات تو ایسا اتفاق پیش آتا تھا کہ [illegible]
جانب جماعت اسلامی کی [illegible]
میں نظر آتا تھا [illegible] مسئلہ [illegible] تھی
تھی لیکن اس قسم کی ملاقات میں دونوں [illegible] اس وقت تک
مختلف پارٹیوں کے افراد ہونے کی حیثیت سے [illegible] میں اختلافات پایا جاتا تھا
اور [illegible] ایک [illegible]
پر لائے اور اس میں خالص قومی روح پیدا کیے [illegible] تحریک میں دلچسپی
لیتا تھا، احسان کی بھی یہی حالت تھی اور [illegible] نوجوانوں کی جماعت میں [illegible] خلوص پایا تھا اس لئے
اس جماعت میں شرکت سے بہت ممکن ہے کہ اس کو بھی کوئی خاص لذت و کیفیت حاصل ہوتی ہو۔

آستانہ کے نوجوانوں کی جماعت جو ان ایام میں کام کر رہی تھی بلا شبہ قابل قدر تھی اس کا اخلاص اس کا جوش اور اس کی غیرت قابل رشک تھی۔ میں آج [illegible] کی کوشش پر نظر ڈالتا ہوں جو وہ اس زمانہ میں کر رہے تھے تو میرے دل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے وہ وطن عظمیٰ کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے تقریریں کرتے اور جلسے منعقد کرتے تھے اور علی کمال پاشا کے مخالفانہ مضامین کی تردید لکھتے تھے اور سیدہ سالمہ کی مساعی کو تباہ و برباد کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے، میں ان نوجوانوں کی کوششوں کا ذکر محبت و شفقت کیساتھ کرتا تھا اور رسالہ کہہ دیتا تھا کہ ان تمام باتوں سے کیا فائدہ ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آستانہ میں جو پروپیگنڈا تقریر کی صورت میں شروع ہوا تھا اُسنے کچھ عرصہ بعد خوفناک خونی میدان کی صورت اختیار کرلی۔

(۴)

شکستِ سمرنا!

۲۰ ستمبر ۱۹۲۲ء

جمال پہلا شخص تھا جس کو ہم نے سمرنا پر یونانی قبضہ کی سب سے پہلے خبر دی۔ اس خبر کو اس نے حیرت انگیز عزم کے ساتھ سنا اور اس کے بعد وہ دیر تک سادہ تبلیغی انجمنوں میں استقلال و طمانیت کے ساتھ کام کرتا رہا۔ لیکن ان دو دنوں میں جب اسکو اپنی بہن عائشہ کی کوئی خبر نہ ملی تو وہ گھبرا اٹھا وہ روزانہ تار گھر جاتا اور جب اپنی بہن کا کوئی تار نہ پاتا تو اس کا اضطراب بہت بڑھ جاتا۔

سمرنا پر یونانی قبضہ کے پانچ روز بعد صبح کے وقت احسان نے میرے سونے کے کمرہ کے دروازہ کو کھٹکھٹایا اور بغیر اطلاع کے کمرہ میں داخل ہو گیا اسوقت اس کا چہرہ غصہ سے تمتما رہا تھا کمرہ میں داخل ہو کر اس نے مجھ سے کہا۔

پیامی! یونانیوں نے مقبل بک کو قتل کر کے اس کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اس کے بچے حسن کو گولی ماردی ہے اور کہا جاتا ہے کہ محترمہ عائشہ زخمی ہے اور اپنے مکان سے سمرنا کے ایک اطالوی خاندان کے گھر میں جا کر پناہ گزین ہوئی ہے۔ یہ خبریں کل شام مجھے ایک نوجوان فوجی افسر سے ملی ہیں جو سمرنا سے بھاگ کر آیا ہے اب بتائیے یہ خبریں ہم جمال تک کیونکر پہنچائیں۔

یہ خبریں سنتے ہی میں پلنگ سے کود پڑا اور دروازہ کی طرف دوڑا اور فوراً دروازہ بند کر دیا یہ میں نے اس خیال سے کیا کہ کہیں جمال نہ آجائے، پھر میں نے سگرٹ کو سلگایا اور دل میں کہنے لگا۔ یا اللہ! اب ہم کو کیا کرنا چاہئے پھر میں نے احسان کو مخاطب کر کے کہا۔

ہمکو چاہئے کہ ہم فوراً مکان کو چھوڑ دیں اور جمال کے بیدار ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے چلے جائیں، کیونکہ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ جمال کو یہ خبریں کسی دوسرے شخص سے معلوم ہوں۔

شام کو جمال کا پلنگ میں اپنے کمرہ میں لے گیا اور اپنے پلنگ کے برابر بچھوا دیا اور جب ہم سونے کے لئے کمرہ

میں داخل ہوئے تو میں نے دروازہ بند کر دیا اور حفاظت کر دی کہ کوئی کمرے کے اندر نہ آئے یہاں تک کہ ماں بھی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ اس اضطراب و شدت فکر کی حالت میں جو جمال پر طاری تھی کوئی جمال کو نہ دیکھے میں جمال کے قریب بیٹھ گیا، جمال پر جو اضطراب و شدت اور خود رفتگی طاری تھی میں اُس کا کافی اندازہ نہ کر سکا، میں بے اختیار اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُس کے چہرہ پر میری آنکھیں جمی ہوئی تھیں، میں نے دیکھا کہ جمال کے ہونٹ نیچے لٹکے ہوئے ہیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا ہے، بڈھے آدمیوں کی طرح اُس کی ناک کے گرد شکنیں پڑ گئی ہیں اور اُس کے دونوں ہاتھ بے اختیار جس حالت میں اُس کے زانوؤں پر رکھے ہیں اور وہ اس طرح بیٹھا ہے گویا ایک بے جان پتھر کی مورت ہے۔ رات کو دو تین مرتبہ میری آنکھ کھلی اور میں نے پلنگ سے اُٹھ کر پنجوں کے بل اس خیال سے کہ جمال کی آنکھ نہ کھل جائے باہر نکل کر دیکھا کہ احسان اور میری ماں کمرے کے اندر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور میری ماں کی آنکھیں سرخ ہیں اور احسان گویا موت کا انتظار کر رہا ہے میں بھی آخر کمرہ میں داخل ہو گیا اور احسان نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا گویا وہ مجھ سے کہہ رہا ہے۔

پیارے بھائی میں یہاں ہوں۔

جمال اُس رات کو مستغرق نیند سویا اور صبح تک سوتا رہا گویا اُسنے بھنگ پی لی ہے اور مست خواب ہے چھ بجے صبح کو اُسکی آنکھ کھلی اور اُسنے ایکایک باتیں کرنا شروع کر دیں لیکن اپنی باتوں میں اُسنے نہ تو مقبل بک کا ذکر کیا اور نہ اُس کے شہید بچہ کا گویا وہ ایک خوفناک اندیشہ میں مبتلا ہے اور اس موضوع پر اُس کی زبان سے کوئی حرف نہیں نکلتا۔

میری طاقت سے یہ امر باہر ہے کہ میں اُن خیالات فاسدہ کا اس موقع پر ذکر کروں جو جمال کے قلب میں پیدا ہو رہے تھے اور اُنھوں نے اُسکو مضطرب بنا رکھا تھا البتہ جمال کی تسکین کے لئے جو الفاظ میں نے اُسکے خیالات سُنکر کہے وہ میں ضرور اس جگہ لکھوں گا۔ میں نے جمال کے ناپاک خیالات سُنکر جواب میں کہا۔

جمال اپنے قلب میں اس کا خطرہ بھی پیدا نہ ہونے دو عائشہ مرجائے گی لیکن اُس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوگا جو عصمت و عفت کے خلاف ہو گا ہاں وہ عصمت و عفت کو خطرہ میں پاکر اپنی جان دیدے گی اور کبھی اپنی عزت کو برباد نہ کرے گی میں نے جو الفاظ کہے ہیں ان پر مجھکو اتنا اعتماد ہے گویا میں عائشہ کیساتھ ہوں اور میں اسپر قسم کھا کر تم کو یقین دلاتا ہوں۔

خوش قسمتی سے اُسی روز شام کو سمرنا سے تار آگیا جسمیں ظاہر کیا گیا تھا کہ عائشہ آج سے تیسرے روز آتنا

پہنچ جائے گی۔

جمعرات کا دن عائشہ کے آستانہ پہنچنے کا دن تھا اور یہی وہ دن تھا جو مشہور مظاہرہ ہونے والا تھا جو میدان سلطان احمد میں ہونا قرار پایا تھا۔

وہ تحریک تبلیغ و اشاعت جو شروع شروع میں ایک تماشہ اور مذاق کا کھیل ہی کی صورت میں شروع ہوئی تھی کچھ عرصہ بعد اس نے دوسری شکل اختیار کر لی تھی یہ تحریک آخر کار مشتعل ہو کر ایک ایسے قومی میثاق کی شکل میں منتقل ہوگئی جس کو آگ و خون سے پورا کرنے اور پاک کرنے پر حلف اٹھایا گیا تھا۔ آستانہ کی تبلیغی کوششوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ یورپ کو یہ بتا دیا جائے کہ ترکی اور ترکوں پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ بے بنیاد ہیں لیکن پھر یہ تحریک دوسری صورت میں منتقل ہوگئی تھی اس کی صورت ایسی ہوگئی کہ گویا ایک مظلوم ظالم کے سامنے شور و فریاد کر رہا ہے۔

میدان سلطان احمد کا مظاہرہ ہوا اور گذر گیا، آستانہ کے یورپین حلقے مظاہرہ کے بعد اس تردد میں تھے کہ وہ ترکوں کے اس مظاہرہ کی نسبت کیا رائے قائم کریں، آیا ان کا یہ فعل سنجیدگی پر مبنی تھا یا محض ایک تفریح مذاق کیونکہ یورپین قومیں ایک ایسی قوم کے غم و غصہ سے کیا خائف ہو سکتی تھیں جس کے پاس نہ تو ہتھیار تھے اور نہ لشکر۔

جمعرات کے روز صبح کے وقت میں جمال کے ساتھ عائشہ کے استقبال کو اس جہاز پر گیا جو سمرنا سے آرہا تھا پلیٹ فارم پر غیر معمولی ہجوم تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پلیٹ فارم ایک میدان حشر ہے راستوں پر غیظ و غضب اور رنج و یاس کی ہوائیں چل رہی تھیں ہم پلیٹ فارم کے ہجوم ہی میں تھے کہ احسان کو ہم نے دیکھا جو ہم سے دور کھڑا تھا اس نے ہماری طرف سے منہ پھیر لیا تھا گویا اس نے ہم کو دیکھا ہی نہیں میں جانتا تھا کہ احسان اسوقت چونکہ ہم سے علیحدہ رہنا چاہتا ہے اس لئے وہ ہم سے دور دور ہے۔

آخر ہم جہاز پر چڑھ گئے میں نے دیکھا کہ بہت سے رومی (مسیحی) آپس میں ہنسی مذاق کر رہے ہیں، اور خوشیاں منا رہے ہیں ان کے قہقہوں کی آواز کو میں نے سنا اور مشکل سے ان کے استہزا کی نامراد حرکت کو برداشت کیا میں رومیوں کی جانب متوجہ تھا کہ جمال کی آواز نے مجھے متنبہ کیا جمال نے مجھ سے کہا۔

پیاری عائشہ آگئی تم کس فکر میں ہو اس سے ملو۔

میں نے مڑ کر جمال کی طرف دیکھا اس کے پہلو میں ایک عورت کھڑی تھی جس کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی

تھی اور اوسرتاپا سیاہ لباس مین ملبوس تھی مین نے اُچنبہ سے پہلے کبھی نہین دیکھا تھا آخرجب تسمرنا آگئی۔

معًا عائشہ نے اپنا سفید لمبا ہاتھ میری طرف بڑہایا۔ مین نے تپاک سے مصافحہ کیا پھر عائشہ نے اپنا سر اُٹھایا اور خاموشی جاسے ساتھ ہولی اسوقت اُس کی سیاہ آنکھون کے گرد ایک سیاہ حلقہ نمایان تھا شہر سمرنا کی طرح حزین وغمگین نظر آتی تھین یعنی جس طرح سمرنا اُس زمانہ مین زیتون کے درختون کے پتون کے آغوش مین ماتمی نظر آرہا تھا اسی طرح عائشہ سیاہ لباس مین ملبوس اپنے حزن وغم کو آشکارا کر رہی تھی۔

عائشہ کی آنکھون مین نہ تو اسوقت آنسو کا کوئی قطرہ تھا اور نہ اُس کی زبان سے آہ وبکا کی کوئی آواز نکلتی تھی حالانکہ جو صدمات اسکو پہنچے تھے وہ نہایت سخت تھے البتہ چہرہ پہ تیرگی نمایان تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی گہرے فکر مین ہو۔

مین نے عائشہ کے سراپا پہ نظر ڈالی اور مجھے محسوس ہوا کہ اُس کے باریک نقاب کے اندر اُسکا چہرہ بے رونق ہے اور بڑی بڑی کالی آنکھون کا نور جاتا رہا ہے اور اُس کی ناک کسی قدر لمبی ہے پھر جب اُسنے مڑ کر اُس جہاز کو دیکھا جسپر وہ سمرنا سے سوار ہو کر آئی تھی تو مین نے اور ایک چیز کو دیکھا جسکا ذکر آنکھون سے زیادہ قیمتی ہے یعنی اُس کے دونون ہونٹ جن کی نسبت اسکروواٹلڈ کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ وہ ایک ایسے سرخ انار کی مانند ہین جسکو ہاتھی دانت کے دستہ والی چھری نے درمیان سے دو کر دیا ہو عائشہ کے ان ہونٹون مین اور ان کے درمیان جو مضبوط سفید موتی کی مانند دانت پائے جاتے ہین اُن مین اتنی صفات اور خوبیان بھری ہوئی تھین جن کا شمار ناممکن ہے۔

جب ہم پُل کے اوپر پہنچے تو کسی نے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھا مین نے مڑ کر دیکھا تو احسان تھا، احسان کے ساتھ ایک گاڑی تھی، گاڑی دیکھکر مجھ کو تعجب ہوا کہ کیونکر وہ اس ہجوم مین گاڑی لے آیا ہے۔ احسان نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا اور معًا کوچ مین نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد مین نے دیکھا کہ گویا احسان جانے کو ہے معًا اُسپر جمال کی نظر پڑی اور اُس نے کانپتی ہوئی آواز مین احسان کو مخاطب کر کے کہا

بھائی احسان کہان جا رہے ہو۔

پھر جمال نے عائشہ سے احسان کا تعارف کرایا اور عائشہ نے میرے دوست احسان کہکر اُسکو مخاطب کیا، مین قسم کھا کر کہتا ہون کہ عائشہ نے اپنی سیاہ آنکھین اوپر اُٹھائین لیکن احسان کی طرف اُسنے نہین دیکھا پھر اُسنے اپنا سفید ہاتھ احسان کی طرف بڑھایا اور احسان نے اُس کی اُنگلیون پر اسی طرح پاک بوسہ دیا

جس طرح قدیم عثمانی لوگ سابق سلاطین عثمانیہ کے مزاروں کی چادروں پر تبرکاً بوسہ دیا کرتے تھے۔
میری ماں نے اپنے مہمان عائشہ کو گلے سے لگا لیا اور اس کے رخساروں پر بوسہ دیا پھر ہم سب اس کمرہ میں داخل ہوئے جو عائشہ کے لیے تیار کیا گیا تھا اور جمال و عائشہ کو ہم کمرہ میں پہنچا کر چلے آئے۔
شام کو عائشہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ اس کا ہاتھ جمال کے ہاتھ میں تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو بچے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چل رہے ہیں۔ اس وقت عائشہ اور جمال کی آنکھیں سرخ اور ورم آلود تھیں جمال کے بشرہ سے محسوس ہوتا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو بہن کے ارادوں کے ماتحت کر دیا ہے اور عائشہ نے اس پر اپنا اثر ڈال کر اس کو اپنے عزائم میں شریک کر لیا ہے۔
عائشہ جب جمال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے اس کا رنج والم تازہ ہو جاتا اور وہ اس طرح مضطرب و پریشان ہو جاتی جس طرح آندھی کا طوفان ہوتا ہے لیکن جب احسان کی طرف دیکھتی تھی تو اس کا رنج و غم کم ہو جاتا تھا اور وہ احسان کی نیلگوں آنکھوں میں شجاعت کی قوت اور اخوت کی ہمدردی پا کر تسکین حاصل کرتی تھی۔
دوسرے روز (جمعہ کے دن) عائشہ ہمارے ساتھ میدان سلطان احمد کا منظر دیکھنے کے لئے گئی گلی کوچوں میں آج پر معنی سکون تھا مسلمانوں نے انتہائی خاموشی اختیار کر لی تھی، البتہ ان کے چہروں سے تکدر کی علامات نمایاں تھیں مسیحی آبادی بھی آج خوش نہ تھی بلکہ اس پر بھی اضطراب و قلق طاری تھا وہ اس تردد میں تھی کہ اس کو کیا کرنا چاہیئے آیا وہ مسلمانوں کے کاموں میں مداخلت کرے اور ان کا مذاق اڑائے یا خاموش بیٹھی رہے اور واقعات کی رفتار کو دیکھے۔
واقعہ یہ ہے کہ وطن (ترکی) کے جسم میں جتنے زخم آئے تھے اُن میں اس سے زیادہ کوئی گہرا زخم نہ تھا کہ ہموطن مسیحی قوموں نے فرانس اور انگلستان کے شہ دینے سے مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کا اظہار کیا اور مسلمانوں پر دست درازی کی اسی وجہ سے وہ ہجوم و اژدحام غور و تامل کا مستحق ہے جو ہم نے عثمان بک کے اسٹیشن سے ٹریموے پر سوار ہوتے وقت دیکھا تھا لیکن چونکہ ہم شکستہ بازو عائشہ کے ساتھ تھے اس لئے معمولی حوادث کو ہم نہ دیکھ سکے، عائشہ کا شکستہ بازو قوم کی بدنصیبی اور عائشہ کی مصیبت کی ایک علامت تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ خود عائشہ ایک قومی ماتم تھا جسے اُس روز کیا دیکھا اسکا حال نیچے کی سطروں سے معلوم ہوگا۔

جب ہم ایا صوفیہ پر ٹریموے سے اترے تو ہم کو ہجوم مین جا شریک ہونے کے واسطے راستہ بنانے مین بہت تکلیف اٹھانی پڑی مختصر یہ کہ ہم میدان سلطان احمد مین پہنچ گئے اور سلطان احمد پارک کے جنگلے کے سامنے بیٹھ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ مدرسہ سلطان احمد کی چھتین اور تمام متصل عمارات آدمیون سے بھری ہوئی ہین۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوشے مین انگور لگے ہوئے ہین۔ ٹریموے کے راستے سے لوگ اس کثرت سے آرہے تھے گویا کہ ایک رو پانی کی آرہی ہو لیکن خاموشی چھائی ہوئی تھی اور بجز قدمون کی آواز کے اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

میرے لئے یہ پہلا دن تھا جبکہ مین نے ترکی کو حقیقی رنگ مین دیکھا تھا۔ آج آستانہ کے وطنی محلون نے اپنے دروازون کو کھول دیا تھا اور ان کے باشندے جوق جوق میدان سلطان احمد مین آکر جمع ہو رہے تھے مین نے کثیر تعداد مین ان بوڑھی عورتون اور سن رسیدہ مردون کو بھی اس مظاہرہ مین شریک پایا جو ہمیشہ خاموش زندگی بسر کرتے رہے ہین اور گوشہ نشینی و عزلت ان کا شیوہ رہا ہے۔ یہ بوڑھے لوگ گردنین بلند کئے ہوئے ہمدردی کے ساتھ مظاہرہ کو دیکھ رہے تھے اور ایسے لباس مین ملبوس تھے جس کی نسبت مین نہین کہہ سکتا کہ وہ کس زمانہ کا لباس تھا، ان کی آنکھون سے آنسو جاری تھے جو ان کی سفید سفید ڈاڑھیون پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے، بوڑھی عورتین بڑی بڑی شالین اوڑھے ہوئے تھین اور آنسو ان کے جھریون دار رخسارون پر بہہ رہے تھے، مظاہرہ مین بہت سی خواتین زرد اور سرخ چھینٹ کے لباس پہنے ہوئے تھین اور ان کی چھوٹی چھوٹی شالون کے نیچے قمیصون کے دامن نظر آرہے تھے، ان کی آنکھین رنج و غم سے سرخ ہو گئی تھین اور ان کے چہرے ان عورتون کے چہرون سے بہت مشابہ تھے جنھون نے فرانس کے انقلاب مین قصر ورسائی پر حملہ کیا تھا چونکہ ہجوم زیادہ تھا اس لئے یہ خواتین ادھر ادھر نہ دیکھ سکتی تھین اور خاموش ایک جگہ کھڑی تھین۔

اس اجتماع مین یہ عجیب اتفاق تھا کہ مزدور لوگ طالب علمون کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے اور محلہ قرہ گمرک کی رہنے والی پیشہ ور مردون کی عورتین عالی خاندان اونچی ایڑی کا جوتہ پہننے والی خواتین کے دوش بدوش تھین مختصر یہ کہ میدان سلطان احمد مین اسوقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ آدمیون کا ایک بحر ذخار موجین مار رہا ہے اور اس کی دھارین اطراف سے خاموشی کے ساتھ بہتی چلی آرہی ہین، میدان کا درمیانی حصہ جہان ہجوم بہت زیادہ تھا خاموش و ساکن اور جامد نظر آتا تھا۔ جامع سلطان احمد کے سفید منارون اور جیل کی عمارت پر بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور میدان کی طرف دیکھ رہے تھے، درختون کی ان ٹہنیون پر بھی آدمی نظر آتے تھے جو میدان کی طرف تھے اور جامع سلطان کے اندر والے درختون پر بھی آدمی چڑھے ہوئے تھے، جامع

سلطان احمد کے سفید سفید مناروں پر جو سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے بعض اوقات وہ برج کے سروں تک پہنچ جاتے تھے اور ہوا اُن کو آدمیوں کے سروں سے ہلا دیتی تھی کبھی کبھی یہ جھنڈے سوا سفید کبوتروں کے گھونسلوں تک پہنچ جاتے تھے اور کبوتر گھبرا کر نیلگون آسمان کی جانب پرواز کر جاتے تھے۔

اس اجتماع میں میں نے ایک بڑھیا کو دیکھا جو باغ سلطان احمد کے جنگلہ سے پشت لگائے بیٹھی تھی اور بلند آواز سے آہ و فغان کر رہی تھی اس کے دانت گر چکے تھے، اور رخساروں پر سے لرز کر آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس کے رخساروں پر اسقدر جھریاں تھیں کہ اس کا چہرہ اُس کھیت کی مانند معلوم ہوتا تھا جس میں ہل چلایا گیا ہو۔ مختصر یہ ہے کہ جو شخص بھی ایا صوفیہ کی جانب سے آتا تھا اور اس کی نظر سیاہ عثمانی جھنڈے پر پڑتی تھی وہ بے اختیار رونے لگتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نوجوان لڑکیاں اور خواتین جو اپنے چہرہ کو خوبصورت اور گلنار بنانے کے لیے پوڈر لگانے کی بہت شائق تھیں اسوقت اپنی آنکھوں کے سرمہ اور پوڈر کی زیبائش کو بھول گئی تھیں اور اُن کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے جو سرمہ اور پوڈر کو بہائے لئے جا رہے تھے ہمیں اجتماع و ہجوم میں بہت مشکل سے گذرنے کا راستہ پایا اور ہم نے کوشش کی کہ کسی طرح اس زینہ تک پہنچ جائیں جو شاہ جرمنی کی یادگار میں بنایا گیا ہے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر ہم بآسانی تقریروں کو سن سکیں ہم اسی کوشش میں تھے کہ یکایک ہم نے دیکھا کہ اجتماع میں اُن مجروح سپاہیوں اور افسروں کے گذرنے کے لیے راستہ نکالا جا رہا ہے جو جنگ کی یادگار تھے، ان مجروح افسروں اور سپاہیوں میں سے بعض کی ٹانگ کٹی ہوئی تھی اور اس کی جگہ لکڑی کی ساق استعمال کی جا رہی تھی۔ بعض کے بازو نہ تھے اور بعض اندھے تھے جن کو لنگڑے سپاہی ہاتھ پکڑے لا رہے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ان مجروح سپاہی اور افسروں کا وجود ہماری اس مصیبت کا اندازہ کرنے کے لیے جو ہمارے تاج و تخت پر پڑی تھی کافی تھا، اور وطن کی مصیبت کبریٰ کا زبردست مظاہرہ درحقیقت یہی لوگ تھے، میں اسوقت تک اس مظاہرہ کی نوعیت سے ناواقف تھا اور میری سمجھ میں اب تک یہ بات نہ آئی تھی کہ ان مجروحوں کو یہاں لانے سے کیا مقصود ہے۔ ان مجروح سپاہیوں اور افسروں کو اس اجتماع میں تیار کر کے لایا گیا تھا اچھے اچھے کپڑے انکے جسم پر تھے خط بنا ہوا تھا اور یہ نہایت خاموشی سے گردنیں نیچے کئے چلے جا رہے تھے، گویا کہ وہ کسی دینی مجلس میں شرکت کے لئے جا رہے ہیں۔

جب ہم کوشش کر کے زینہ پر چڑھ گئے تو اللہ اکبر کے دل ہلا دینے والے نعرے بلند ہوئے، ان نعروں نے

انسانی سحر وفسون کی سطح میں تموج پیدا کردیا اس ہجوم میں جب کوئی نعرہ پست نشیبی جگہ سے بلند ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا زمین کے نیچے سے نعروں کی آواز آرہی ہو اور اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتی ہو ان نعروں کی آوازیں فضا میں پھیلی ہوئی تھیں یا ان جامع سلطان احمد کے سفید سفید مناروں سے جن پر سیاہ عثمانی علم لہرا رہے تھے یہ آوازیں ٹکراتی تھیں اور فضا میں پھیل جاتی تھیں اور مناروں وغیرہ سے ٹکرا کر جو آواز پیدا ہوتی تھی وہ اصل نعروں سے زیادہ بلند اور موثر ہوتی تھی، ہجوم کے کان نعروں کی گونج کو سنتے تھے اور ان کا دل دھڑکنے لگتا تھا پھر اسی کے ساتھ مجمع کی آہ وبکا کچھ اور ہی کیفیت پیدا کررہی تھی اور غضب غصہ کی لہر نے ایک اور ہی خوفناک منظر پیدا کردیا تھا یہ صدائے بازگشت ساری فضا میں پھیلی ہوئی تھی، یہاں تک کہ سحر باسفورس پر جاکر اسکا اثر کمزور ہوجاتا تھا۔

نعروں کی صدائے بازگشت کی گونج جب انسانی سمندر کے کانوں میں پہنچی تو یہ سمندر موجیں مارنے لگتا، اور بے اختیار لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگتے کہ یہ آواز کدھر سے آئی جامع سلطان احمد کے دونوں سفید مناروں کے درمیان جو نیلگون ہوا بھری ہوئی تھی وہ گویا اس منظر کے لئے حد فاصل تھا، جامع مذکور میں ان کے سامنے جو چنار کے قدیم درخت کھڑے تھے ان کے وسط میں ایک سیاہ چھوٹا سا منبر پڑا تھا جس پر سیاہ جھنڈے نصب تھے اس منبر کے گرد نعرہ تکبیر بلند ہورہے تھے اور یہ بلند وموثر آواز ان موثر نعروں کی مانند تھی جو جماعت مولویہ (صوفیہ) کی زبان سے نکلتے ہیں۔

ٹھیک اسوقت جبکہ منبر مذکور کے گرد کا مجمع نعرے لگا رہا تھا مجروح سپاہیوں اور افسروں کی جماعت یہاں پہنچ گئی اور منبر کے گرد نصف دائرہ کی وضع میں ہلال کی صورت بنا کر بیٹھ گئی یہ صورت نشست کی اس لئے اختیار کی گئی تھی کہ مجروح سپاہیوں افسروں اور آستانہ کے سارے باشندوں کے نزدیک یہی مناسب وقت تھا کہ ان کو وطن کے ان ایام محزنہ میں صدر مقام پر وطن کی محراب میں جگہ دی جائے کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو وطن کی راہ میں مجروح ہوئے اور جنہوں نے وطن کی خاطر مصائب برداشت کئے تھے اور پھر دوسری بات یہ کہ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا ایک مسلمہ اصول ہے اس لئے ان مجروحوں کو صدر مقام میں بٹھانا "وضع الشئی فی محلہ" کے مصداق بھی تھا۔

میرے سامنے اسوقت جو منظر تھا میں اس کی غرض وغایت اور مفہوم سے بالکل ناواقف تھا میں حیرت سے ان تمام باتوں کو دیکھ رہا تھا اور خیال کررہا تھا کہ کیا یہ لوگ کسی عزیز ترین ہستی کے جنازہ میں شریک ہونے کے لئے جمع

ہوئے ہیں ۔ کسی نوجوان کی خونی مجلس یا شادی میں شریک ہو رہے ہونگے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کبھی حالانکہ ان آدمیوں کا یہ اجتماع کیونکر ممکن ہوا بلاشبہ اتنے آدمیوں کا اجتماع آسان نہیں بلکہ ایک معجزہ تھا اور پھر صورت یہ ہے کہ لوگ تکلیف اٹھا رہے ہیں اور اپنے کاروبار اور ہزاروں تعلقات کو چھوڑ کے یہاں جمع ہیں اور سب کے سب اس قدر متحد نظر آتے ہیں کہ گویا وہ ایک ہی شخص ہے جب اس اجتماع میں جلسے کے اختتام سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور خاموش رہنے کا بگل بجایا گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک یا دو فرلانگ بھی جو وہاں موجود تھے جنگی گھوڑوں کی طرح دوڑ کر سیاہ توپ خانے کے نیچے مجروح سپاہیوں کے قریب پہنچ گئے اور یہ بات ان کے خیال سے بالکل اتر گئی کہ کل وہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے جنگ کر رہے تھے۔

جس مقام پر ہم لوگ کھڑے تھے وہاں سے ان لوگوں کو ہم نہیں پہچان سکتے تھے جو صدر مقام پر تھے اور نہ ان کی تقریریں سنائی دیتی تھیں البتہ کبھی کبھی ایک خاتون کی بلند آواز سنائی دیجاتی تھی جو فضا کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی یا ایک شخص کے کچھ الفاظ سننے میں آجاتے تھے جو ہوا میں منتشر ہو جاتے تھے ، بایں ہمہ میں نے تقریر کرنے والوں میں سے ایک شخص کو پہچان لیا ، اس شخص کا نام محمد امین بک تھا اور اس کے سر کے بال برف کی مانند سفید تھے ۔ میں اس شخص کو قوم کا بزرگ اور ولی سمجھتا تھا یہ شخص سپاہیوں کی طرف جھکا ہوا تقریر کر رہا تھا اور سپاہی اس کی تقریر سے بہت متاثر تھے اور ان کے دل دھڑک رہے تھے حالانکہ جس روز وہ توپوں کے سامنے کھڑے دشمن سے لڑ رہے تھے ان کے قلب میں اسوقت سکون واطمینان تھا ، مجروح سپاہی خاموش سر جھکائے امین بک کی تقریر سن رہے تھے اور آنسو ان کی آنکھوں سے جاری تھے ۔ میں نے دیکھا کہ میرے پہلو میں عائشہ اور جمال کی بھی یہی حالت تھی اور وہ دونوں بھی مصروف گریہ تھے ۔ میں نے عائشہ کے چہرہ پر نظر ڈالی تو مجھے اس کے چہرہ پر غم والم کی علامات نمایاں نظر آئیں ، اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے اس طرح مسلسل جاری تھے جس طرح بلور کی تسبیح کے خوشنما دانے ڈھلک رہے ہوں ۔

آہ میرے خوبصورت وخوشنما محبوب وطن ! اس میدان (میدان سلطان احمد) میں بہت سے بڑے بڑے شہنشاہوں اور خاندان شاہی کی خواتین کے جلوس گذرے ہیں انھوں نے یہاں گھوڑ دوڑیں ، اور فوجوں کی نمائشیں دیکھی ہیں اور چلے گئے ہیں لیکن اس میدان ازلی کو آج سے پہلے کبھی یہ موقع نصیب نہیں ہوا ہے کہ اسکو ساری قوم کے آنسوؤں نے پاک کیا ہو اور اس میں کوئی ایسا اجتماع یا مظاہرہ ہوا ہو جس نے بازنطینیوں اور عثمانیوں کے جاہ وجلال کو ماند کر دیا ہو ، کیا قوم کو علوی اسرار کی روح نے جس نے جدید ترکی کو

شرف وجود بخشا ہو یہ سمجھا جاتا ہو کہ وہ الوہیت کا ہم پلہ ہے یا خود ہی اختیار رکھتا ہے کہ وہ انسانی حقوق کو پامال کر دیتی اور
جس نے اس کی زمین پر ٹینکوں، بندوقوں، توپوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ انسانوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا آستانہ
میں بھی اس کا اعلان آستانہ الٰہی۔

اسی اثناء میں - ایک شخص لاؤڈ سپیکر پر ... آواز بلند ہوئی گویا وہ سمندر کی گہرائی سے
نکلی ہو اس آواز سے ہوا میں تموج پیدا ہوا اور ہم نے یہ محسوس کیا کہ ہوائی جہاز آستانہ کے مکانوں میں
دراتی ہیں، وہ کالے ہوائی جہاز ... لوگوں کی جو کیفیت
تھی اسکو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ان پر ایک ایسا احساس مسلط تھا جو موت سے زیادہ سخت تھا
اس احساس سے ایک آدمی نے بھی ہوائی جہازوں کو نہیں دیکھا اور اسی طرح تمام شہر نے ... گویا ان کو ہوائی
جہازوں کی پرواہ ہی نہیں ہے۔

عائشہ کی آنکھوں سے - آنسوؤں کی بارش جاری تھی اور کبھی کبھی آنکھوں سے بجلی کی سی چمک نمایاں ہو جاتی تھی یہی حالت اُن پچاس ہزار برقع پوش خواتین کی بھی تھی جو اس اجتماع میں شریک تھیں پھر ہم جلسہ گاہ سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے، اس اجتماع سے ہم نے یہ حاصل کیا کہ ہمارے قلوب میں ایک عجیب غریب طاقت پیدا ہو گئی اور ہماری ہمتوں اور ارادوں میں استحکام ہو گیا۔

جب ہم آدمیوں کے سیلاب عظیم کیساتھ اُس سڑک پر روانہ ہوئے جو "البارک" کی طرف جاتی ہے تو قہوہ خانہ مسرۃ سے تین شناسا نوجوان فوجی افسر ہمارے ساتھ ہو لئے ان کے نام "خیری، سالم، اور احمد سلیم" تھے ان کے گول چہروں پر اسوقت چمک نمایاں تھی اور یہی حالت اسوقت آستانہ کے تمام باشندوں کی تھی اگرچہ اس امر کا کوئی واضح سبب موجود نہ تھا کہ لوگوں کی اُمیدیں کیوں تازہ ہو گئی تھیں بہر نوع اس اجتماع میں مظلوم اقوام کی طرح ترکی قوم نے مظلومیت کا تاج سر پر رکھ لیا تھا اور یہ خیال قائم کر لیا تھا کہ اب ہر انسان اُس کا معاون و مددگار اور ہمدرد ہوگا اور یہ خیال تسکین قلب کے لئے کافی تھا اس خیال سے تسکین پا کر ترکی قوم نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ "دُنیا کی اقوام ہماری دوست و خیر خواہ ہیں لیکن حکومتیں ہماری دشمن ہیں"

تینوں فوجی افسروں نے عائشہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا یقیناً وہ اُس دردناک حادثہ سے واقف ہو گئے جو عائشہ کو پیش آیا تھا اور غالباً اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ عائشہ کو دیکھ کر اتنا ہی متاثر ہوئے جتنا کہ اُن سیاہ

عثمانی جھنڈوں نے جو جامع سلطان احمد کے مناروں پر نصب تھے اُن کو متاثر کیا تھا بلاشبہ عائشہ کا شکستہ بازو اُن دردناک مصائب و آفات اور خونی ذلت کی زندہ یادگار تھا جو قوم پر نازل ہوئے تھے۔
مظاہرہ کے جلوس کے ساتھ ہم سب پل سے گزر کر جب محلہ کباآدغلی میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہاں کے تنومند مضبوط اور مسلح باشندے یہ الفاظ سنکر "ترک آگئے" راستوں سے پیچھے ہٹ گئے اور ہم یہ خواب دیکھتے آگے بڑھے کہ ہم اپنے ملک کے اندر ہیں اگرچہ یہ خواب خیال چند ہی منٹ کا تھا بہر نوع اسی طرح ہم محلہ شیشلی میں پہنچکر اپنے گھر میں داخل ہوگئے۔

---

۷ نومبر ۱۹۲۱ء

آج دن بھر برف گرتی رہی اور اپنی ٹانگوں کے نصف بقیہ حصہ میں سردی سے مجھے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا رات بھر مجھے نیند نہیں آئی اور تکلیف میں مبتلا رہا۔ اس تکلیف نے مجھے وہ سخت ایام یاد دلائے جو مظاہرہ سلطان احمد کے بعد ہم پر گذرے تھے ہاں وہ ایام جن میں عائشہ کی رنج والم سے بھری سبز آنکھیں ہماری طرف اس طرح دیکھتی تھیں گویا وہ ہم سے کسی چیز کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ یہ نگاہیں ہمارے قلوب کو پاش پاش کر دیتی تھیں ہاں عائشہ ہم سے ایک بات کا مطالبہ کر رہی تھی اس کا مطالبہ قابل قبول لیکن نہایت خطرناک تھا، اُس کی نگاہیں دریافت کرتی رہتی تھیں کہئے کیا ارادہ ہے؟ ہاں اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کی سُرخی ہم سے پوچھتی تھی کہو کیا قصد ہے؟ ہم اپنے ذہن میں طرح طرح کی باتیں پیدا کرتے تھے اور ہم میں سے ہر ایک اُس کے سوال پر غور کیا کرتا تھا اور اس کی مختلف صورتیں نکالا کرتا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ باوجود کافی غور۔ تامل اور تاویلوں کے بھی ہم اُس کے اُس مفہوم کو نہ پاسکے جسکا اظہار اُسنے ایک روز کیا تھا۔
عائشہ زیادہ باتیں نہ بناتی تھی بلکہ وہ اکثر خاموش اور مسلسل غور و فکر میں رہا کرتی تھی اس کے جسم سے سیاہ ماتمی لباس ایک لمحہ کو جدا نہ ہوتا تھا اور اُس کا دایاں بازو ہر وقت سفید پٹی سے بندھا رہتا تھا اُس کے دونوں شانوں کے اوپر جو قدرے کھلے ہوئے رہتے تھے اُس کی گردن اور سر کے سیاہ بالوں کا بندھا ہوا جوڑا ایک ایسی تصویر پیش کرتے تھے جیسی کہ قدیم زمانہ میں ہاتھی دانت کی بنائی جاتی تھیں، اُس کی سُرمگیں آنکھیں اور بڑے بڑے سُرخ ہونٹ گویا کہ الوان (رنگ) کے دو نغمے تھے جو اس نسوانی مجسمہ سے برآمد ہوتے تھے جو سفیدی اور سیاہی سے مرکب تھا، اُس کی آنکھوں پر اگرچہ ایک سیاہ ریشمی پردہ پڑا رہتا تھا لیکن ہاں

سپید دکھائی دیتی ہے [illegible] ہو چکی ہیں۔

پھر [illegible] جب [illegible] عائشہ [illegible] ہوتا تھا کہ اُس کی آنکھ کا سادہ اور بے داغ لباس سے خالی سفر کچھ اچھا نہیں [illegible] آنکھیں غم و الم سے بھری ہوئی ہیں۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ [illegible] اُس کی آنکھوں سے متاثر نظر آتا ہے۔ ان خیالات [illegible] اعتراف کیا جاتا تھا کہ عائشہ کی ظاہری شکل [illegible] کے قریب [illegible] ہے۔ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوتا تھا کہ عائشہ ایک [illegible] ہوا اپنے غموں کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس خیال کے بعد جب میں اس کی طرف دیکھتا اور اُس کی خاموش [illegible] پیوستہ ہونٹوں اور تروتازہ ہونٹوں پر نظر ڈالتا تو اُس وقت مجھے محسوس ہوتا کہ عائشہ سیاہ سادہ لباس میں سر سے پاؤں تک نہایت خوفناک چیز ہے۔ عائشہ کی خاموشی نے ہماری نگاہوں میں اُس کے آلام اور اسرار قلبی کی عظمت کو بہت بڑھا دیا تھا اور ان اسرار [illegible] معلوم کرنے کے جذبہ کی سوزش کو ہم اپنے قلب میں محسوس کرتے تھے، چنانچہ مظاہرہ کے دن جب ہم میدان سلطان احمد سے واپس ہو کر گھر میں داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ احسان کی آنکھوں میں ایک عجیب غریب چمک پیدا ہو گئی ہے۔ اُس وقت وہ عائشہ کو اُس کے سیاہ لباس میں گھر کے اندر داخل ہوتے دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ "یقیناً یہ سیاہ پوشی ایک راز ہے"

میدان سلطان احمد کے مظاہرہ کے پانچویں چھٹے روز میں۔ احسان، جمال اور میری ماں شام کو بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ عائشہ بار بار اپنی جگہ سے اُٹھتی اور چائے کی میز کے قریب کھڑے ہو کر چائے بنانے میں اپنے مضبوط اور فربہ ہاتھ سے مدد دیتی تھی۔ اُس کا صرف ایک ہی ہاتھ کام کرنے کے قابل تھا جس سے وہ چائے بنانے میں مدد دے رہی تھی ہم سب میں صرف احسان ایک ایسا شخص تھا جو خواتین کی خدمت و ہمدردی میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، عائشہ کو کئی بار چائے بنانے میں مدد دینے کے لئے اُٹھتے دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور عائشہ کو کرسی پر بٹھا کر چائے بنائی اور اُس کے سامنے رکھ دی پھر توس تراش کر اُس کی خدمت میں پیش کی۔ جمال اس وقت خاموش اپنی کرسی پر بیٹھا تھا اور اپنی سگرٹ کے دھوئیں کو چائے کے ساور کے بخارات یا دھوئیں کے ساتھ

بلا رہا تھا۔

ہم سب چار پینے میں مشغول تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ایک لڑکے کے بعد اپنی عظمت و شان مخصوص کے ساتھ سیدہ سالمہ کمرے میں داخل ہوئی اسوقت وہ زرکار لباس میں ملبوس تھی، سیدہ سالمہ کی عادت تھی کہ وہ احسان اور مجھ سے کوئی بات نہ کرتی تھی اور نہ ہم دونوں سے مخاطب ہوتی تھی کیونکہ اُس کا یہ خیال تھا کہ ہم دونوں کم نام و بے قدر اور ضعیف آلرائے ہیں لیکن اُس کی نظروں میں میری ماں کی بہت قدر و منزلت تھی اور ہمارے مکان کو محلہ شیشلی میں جو اہمیت حاصل تھی اس کا بھی اُسکو اعتراف تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ میری ماں اور ہمارے مکان پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتی تھی چونکہ سیدہ سالمہ کو جمال سے سب سے زیادہ محبت تھی اس لئے آج اُس نے جمال کی طرف پوری توجہ کی عائشہ سے سیدہ سالمہ آج پہلی بار ملی تھی سلام و دعا کے بعد سیدہ سالمہ نے ایک گہری نظر عائشہ پر ڈالی اور اُس کے دراز قامت کو غور سے دیکھکر کہا۔

آہ ایسی ایسی بے گناہ عورتیں آج اتحادیوں (انجمن اتحاد و ترقی کے ارکان) کے جرائم کی سزا بھگت رہی ہیں۔

عائشہ اپنی کرسی پر خاموش بیٹھی تھی گویا اُس کو سیدہ سالمہ کے آنے کی خبر ہی نہیں ہے۔ عائشہ کی عادت تھی کہ وہ اُن لوگوں سے جو اُن کے پاس آیا کرتے تھے سلام و دعا سے پیش آتی اور اُن کے درمیان چلتی پھرتی رہتی تھی لیکن وہ اپنے اطوار سے یہ ظاہر نہ ہونے دیتی تھی کہ وہ ان آنے جانے والوں سے آشنا یا واقف ہے اُس کی یہ عادت اس امر پر مبنی نہ تھی کہ وہ ایک سادہ لوح عورت تھی یا وہ ان لوگوں کو اپنے سے کم رتبہ جانتی تھی اور نہ اس کا سبب وہ سخت رنج و الم تھا جو اُسپر محیط تھا بلکہ اس کی وجہ صرف وہ گہرا اخلاص تھا جو اُسمیں پایا جاتا تھا اور جو اُس کو اس امر پر مجبور کرتا تھا کہ وہ ان لوگوں سے مجتنب رہے جو اُس کی ظاہری آنکھوں کی سطح سے زیادہ گہرائی تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے ہیں، عائشہ کے یہ طور و طریقے لوگوں کو اُس سے ہمدردی کرنے یا اُس سے کسی امر پر بحث و گفتگو کرنے یا اُس کی حمایت میں حصہ لینے سے باز رکھتے تھے، سیدہ سالمہ نے عائشہ کو غور سے دیکھا لیکن اُس کی وسعت نظر کو وہ معلوم نہ کر سکی، اور اُس نے یہ خیال قائم کر لیا کہ وہ ایک سادہ لوح دیہاتی عورت ہے جو غیر ملکی زبانیں نہیں جانتی، سیدہ سالمہ کی نظر میں چونکہ وہ عورت کوئی حیثیت و وقعت نہیں رکھتی تھی جو فرانسیسی اور انگریزی زبان نہ جانتی

ہو اسی لئے عائشہ کی طرف اُسنے زیادہ توجہ نہین کی۔

سیدہ سالمہ نے جو الفاظ مقبل یک (عائشہ کا شوہر) کے دردناک انجام کے متعلق کہے تھے اُن سے عائشہ کی نسبت جمال زیادہ متاثر ہوا اِن خوفناک الفاظ سے متاثر ہو کر جمال نے بہ نظر استفہام اپنی نیلگون آنکھون سے عائشہ کی طرف دیکھا لیکن عائشہ غیر متاثر تھی اُس کا چہرہ ایک ایسے دریا کی طرح مطمئن تھا جو ساکن ہو اور اُس مین نہ تو موجین ہون اور نہ ہوا لہرین پیدا کر رہی ہو۔ سیدہ سالمہ بھی اسوقت خاموش تھی اور اپنی تیز و چمکدار آنکھون سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی؛ چند منٹ کے بعد سیدہ سالمہ نے کہا۔

عزیزی جمال بک آجکل آستانہ مین انگلستان کے بعض اخبارات کا ایک نامہ نگار آیا ہوا ہے جو یہان ملک کی خبرین فراہم کر رہا ہے ہم نے اُسکو بتلا دیا ہے کہ آستانہ مین اب ایک بھی اتحادی (انجمن اتحاد و ترقی کا رکن) موجود نہین ہے اور آستانہ کے سارے باشندے انگریزون کے دوست اور خیرخواہ ہین اور یہ کہ سمرنا پر یونانیون کے قبضہ نے ہم پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ ہم نے اُس نامہ نگار سے یہ بھی کہدیا ہے کہ سمرنا سے ایک شریف و معزز خاتون آجکل آستانہ مین آئی ہوئی ہے یونانیون نے اُس کے شوہر اور معصوم بچہ کو مار ڈالا ہے اور وہ خود بھی مجروح ہے۔ ہم اِس نامہ نگار کو ایک روز یہان لائینگے۔ تاکہ عائشہ اپنا حادثہ اُس سے خود بیان کرے اور یونانیون کی وحشت و بربریت کا افسانہ اُسکو سُنائے۔

سیدہ سالمہ کے الفاظ سُنکر عائشہ نے کہا۔

یہ امر میری طاقت سے باہر ہے کہ مین کسی کو اپنا دردناک حادثہ سناؤن۔

سالمہ۔ عائشہ اسمین کوئی حرج نہین ہے نامہ نگار کو آنے دو اور اُس سے اپنا واقعہ بیان کر دو ہم اُس کو اُن دردناک حوادث کی تفصیل جو سمرنا مین وقوع پذیر ہوئے ہین سنائینگے اور پھر تم جو بیان دوگی ہم اُس کا ترجمہ کر دینگے۔

اِن الفاظ کو سُنکر عائشہ غضبناک ہوگئی لیکن یہ غضب و غصہ خطرناک درجہ تک نہین پہنچا البتہ اسکا اثر اُس کے چہرہ پہ نمایان ہوگیا اُس کا کمزور و نحیف جسم کانپنے لگا اور چہرہ بالکل سُرخ ہوگیا، اسی حالت مین عائشہ نے کہا۔

مین نہین چاہتی کہ میری زبان سے اس کے متعلق کوئی حرف نکلے۔

عائشہ کی زبان سے یہ الفاظ سنکر جمال نے اُس کے نتائج کے متعلق خطرہ محسوس کیا اور اضطراب

بے چینی کی حالت میں اپنی کرسی پر بیٹھ کر اپنی انگلیوں کو [illegible] سے عائشہ کی طرف دیکھا۔ چند منٹ کے بعد جمال کا اضطراب جاتا رہا کیونکہ اُس نے دیکھا کہ عائشہ پر سکون خاموشی [illegible] ہو رہا ہے اور یہ بلا شبہ ایک معجزہ تھا کہ اس وقت عائشہ کا غصہ فرو ہو گیا تھا۔ [illegible] عائشہ نے متانت سے [illegible] کہا۔

اگر جمال کی خواہش ہوگی تو میں اس وقت [illegible] کے ساتھ اجتماع میں شریک ہو جاؤں گی،

سیدہ سالمہ نے طیش میں آکر عائشہ سے کہا۔

خاتون معاف کرنا میں نہیں چاہتی کہ آپ کو اپنے الفاظ سے دُکھ دوں لیکن اس امر واقعہ کے اظہار میں مجھے کچھ بھی تامل نہیں ہے کہ جن لوگوں نے ملک کو اس [illegible] تک پہنچایا ہے وہ درحقیقت آپکے خاوند اور پاشا ہی ہیں اور ہم کو اب اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم متمدن و مہذب ممالک کی اپنی جانب مائل کریں اور ان کی ہمدردی و شفقت حاصل کریں تاکہ ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں اُس سے ہم کو نجات میسر ہو سکے۔ میں تم کو یاد دلاتی ہوں کہ اتحادیوں (انجمن اتحاد و ترقی کے اراکین) نے ہمارے شوہروں اور بہت سے بھائیوں کو پھانسی پر موت کے گھاٹ اُتارا اور پھانسیاں دی ہیں ایسی حالت میں تم نے کیا کیا تھا کہ ہم اُن کے ساتھ کیا کریں۔

عائشہ نے جواب دیا۔ سیدہ سالمہ میں سیاست سے بالکل ناواقف ہوں لیکن ہاں میں نہ تو کسی کی ہمدردی کی خواستگار ہوں اور نہ کسی کی شفقت کی محتاج "

یہ کہکر عائشہ خاموش ہو گئی اور پھر سیدہ سالمہ کی بڑی بڑی تقریروں اور غضبناک الفاظ کا نہ تو اُس نے کوئی جواب دیا اور نہ مخاطب ہوئی۔

مختصر یہ کہ جو طوفان اُٹھا تھا وہ فرو ہو گیا اور سیدہ سالمہ اور جمال نے اُن لوگوں کے نام لکھے جنکو نامہ نگار کے ساتھ بلایا جانیوالا تھا ان لوگوں میں ایک شخص کرنل حشمت بیگ بھی تھا۔

---

۹ نومبر ۱۹۲۱ء

اس انگریز نامہ نگار کو میں ہمیشہ رنج و غضب اور نفرت کے ساتھ یاد رکھوں گا جلسے کے دن وہ کمرہ میں اس شان سے بیٹھا تھا گویا اُس کے پاس اور کوئی آدمی نہیں ہے اُس کی لمبی لمبی پنڈلیاں اور گھٹنے اُس کی نیکر کے نیچے صاف نظر آ رہے تھے اور وہ اپنے بڑے بڑے پاؤں کو کرسی پر بیٹھا حرکت دے رہا تھا اُس کا سر چھوٹے چھوٹے سے بال تھے اُس باشہ (باز) سے مشابہ تھا جس کے پر نوچ ڈالے گئے ہوں ناک لمبی اور موٹی تھی آنکھیں گڑی ہوں

کی مانند چھوٹی چھوٹی نیلگون اور حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں جو اُس کی خاص شان کا پتہ دیتی تھیں اُس کی بڑی بڑی سفید مونچھیں کھچڑی تھیں جو دونوں ہونٹوں کو ڈھانپے ہوئے تھیں لیکن اُن کا کوئی خاص رنگ نہ تھا مونچھیں اسقدر بڑھی ہوئی تھیں اور مُنہ کے دہانہ کو ڈھانپے ہوئے تھیں کہ جب وہ مسکراتا تھا تو پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ مسکرا رہا ہے۔ مذاق کر رہا ہے یا باتیں کر رہا ہے ایک اور چیز جو اُس کی طرف دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی وہ اُس کے قلیل التعداد گرد آلود دانت تھے جو کہ ہاتھی کی مانند تھے وہ جب کبھی ہنستا تھا تو بہت لمبے لمبے دانت نمایاں ہو جاتے تھے مختصر یہ کہ یہ انگریز نامہ نگار برطانوی شہنشاہیت کی روح یعنی استعمار کا ایک مجسم نمونہ تھا وہ انتہا درجہ کا مغرور۔ متکبر اور خود پسند تھا اور دوسروں کو نفرت و حقارت سے دیکھتا تھا، فتح کے نشہ میں مست و مخمور تھا اور اُن لوگوں کو جو نوآبادیوں میں بستے تھے اور جن کو وہ وحشی کہا کرتا تھا اپنی خواہشات پر قربان کرنے اور اپنے پاؤں میں روند ڈالنے پر آمادہ رہتا تھا۔

کمرہ میں کرنل حشمت بک بھی اپنی خاص شان خودداری سے کرسی پر بیٹھا تھا اُس کی زلفیں جن میں سفید بالوں کی تعداد زیادہ تھی نمایاں تھیں، کرنل حشمت بک کی شان نشست ایک متین و سنجیدہ سپاہی کی سی تھی، ایک پاشا اسوقت کرنل موصوف سے پریسیڈنٹ ولسن کے متعلق کئے ہوئے چودہ اُصول پر گفتگو کر رہا تھا، سیدہ سالمہ جو ہمیشہ سہم کر نرگس کی طرح سر سے پاؤں تک دیکھا کرتی تھی متکبر و مغرور انگریز نامہ نگار کے سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی گویا وہ اُس کی نظر میں سب سے بڑا انسان ہے۔ سیدہ سالمہ نامہ نگار سے دلجوئی کی باتیں نہایت تواضع اور انکسار کے ساتھ کر رہی تھی اور اُس کی بات بات سے خوشامد و چاپلوسی ٹپکتی تھی، جمال خاموش بیٹھا ہوا نامہ نگار اور سیدہ سالمہ کی باتیں سُن رہا تھا اور اُس کی نگاہیں بتلا رہی تھیں کہ وہ نہایت صابر و مستقل مزاج ہے، عائشہ کسی قدر فاصلہ پر سیاہ نقاب چہرہ پہ ڈالے بیٹھی تھی اور اُس کے بشرہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسوقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسکو سمجھنے سے قاصر ہے اُس کا بازو اسوقت پٹی سے خالی تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کے بازو سے پٹی جدا نظر آتی تھی، عائشہ کا مقصود بازو پر پٹی نہ باندھنے سے یہ تھا کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ اُس کا بازو شکستہ یا زخمی ہے اور تاکہ لوگوں کے قلب میں اُس کے بازو کو دیکھکر ہمدردی پیدا نہ ہو۔

آہ وہ دن بھی عجب دردناک، سخت اور تلخ تھا، انگریز نامہ نگار کبھی نرم پڑ جاتا اور عائشہ کے بیانات کو سُن کر سر کو جنبش میں لے آتا تھا اور کبھی اپنے مونچھوں کے اندر چھپے ہوئے ہونٹوں سے فرانسیسی زبان میں سخت لب لہجہ کے ساتھ کہتا تھا۔ "محترمہ عائشہ! تم فضول کوشش کرتی ہو انگلستان ہرگز تمہارے گناہوں کو

معاف نہ کرینگے تم نے دردانیال میں ۔ ہزار انگریزوں کو قتل کیا ہے۔

سیدہ سالمہ نے نامہ نگار کے الفاظ سنکر معاندانہ لہجے میں جواب دیا۔

مسٹر کک! یہ قصور اتحادیوں (انجمن اتحاد و ترقی کے ارکان) کا ہے ہم جنگ کے حامی نہیں تھے اور ہم انگریزوں کی دوستی و ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے پر تیار ہیں۔

کرنیل حشمت بک نے سیدہ سالمہ پر اعتراض کرتے ہوئے طمانیت کے لہجہ میں کہا۔ نہیں نہیں سیدہ سالمہ تمہارا خیال درست نہیں ہے سلطنت کی حفاظت اور ملک کی مدافعت کرنے والے صرف اتحادی ہی نہیں تھے۔

کرنیل حشمت بک کے الفاظ نے مسٹر کک (انگریز نامہ نگار) کی آنکھوں میں مکر و فریب کی چمک پیدا کر دی اور اُسنے کرنیل کے جواب میں کہا۔

کرنیل کیا تم ہم کو یہ سمجھانا چاہتے ہو کہ تم اتحادیوں میں سے نہیں ہو واقعہ یہ ہے کہ تم سب کے سب (ساری قوم) پاشا سے لیکر ایک معمولی عورت تک ایک رائے و ہم خیال ہو اُسوقت تم کہاں تھے جبکہ اعلان جنگ کیا گیا تھا؟ پھر تم نے انگریز قیدیوں کیساتھ کیوں بُرا برتاؤ کیا؟ اُنکو کیوں تم نے ذبح کیا؟ پھر تم انگریزوں جیسی دنیا کی بڑی قوم کے مقابلہ میں کیوں آئے؟ تم نے گذشتہ سالوں میں اپنے خون کو مفت بہایا اپنی دولت فضول ضائع کی اور بیکار اپنی جانوں اور اوقات کو قربان کیا، انگریز ہرگز تمہارے قصور کو معاف نہ کرینگے۔

حشمت بک۔ مسٹر کک میرا خیال یہ نہیں تھا کہ میں اسوقت ایک ایسی عدالت میں بحیثیت ایک مُلزم کے موجود ہوں جو انگریزوں نے میرے متعلق فیصلہ دینے کے لئے مقرر کی ہے۔ بہرحال میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ ہم غلط فہمی کو رفع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سیدہ سالمہ نے ہم کو اطلاع دی تھی کہ آپ ہم سے ملنا چاہتے ہیں ہم اس جگہ صرف اسی خیال سے جمع ہوئے ہیں کہ آپ کی خواہش کو پورا کریں اور غلط فہمی کے ازالہ کی سعی کریں۔

مسٹر کک۔ ہاں۔ ہاں کرنیل آپ کا خیال قابل قدر ہے چونکہ تفاہم ضروری ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ گذشتہ باتوں پر پردہ ڈال دیا جائے اور آپ ہم سے سمجھوتہ کرلیں، برطانیہ کی حمایت ....

مسٹر کک کا جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا اور ایک لمحہ کے بعد احسان چار نوجوان فوجی افسروں کے ساتھ کمرہ میں داخل ہوا جب یہ سب لوگ بیٹھ گئے تو مسٹر کک نے کہا۔

ہاں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم متحدہ طور پر برطانیہ کی حمایت کا مطالبہ کرو، ہندوستان پر نظر ڈالو وہاں کی

آبادی برطانوی حکومت کے زیر سایہ کس قدر خوش و خرم اور راحت و سعادت میں ہے باشندگان ہندوستان ہر وقت خدا سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ وہ اُن کو گوری قوم کی حکومت سے محروم نہ کرے اگر تم نے برطانوی حمایت کا مطالبہ کیا تو میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ برطانیہ اس اہم اور مشقت طلب کام کو قبول کرے گی یا نہیں اور تمھارے مطالبہ کو منظور کرے گی یا نہیں، بہرحال اُس وقت جو صورت پیش آئے اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمھارے لئے موجودہ مصائب سے نجات حاصل کرنیکا صرف یہی ایک ذریعہ ہے پھر اگر تم نے خلوص و عقیدت کے ساتھ ندامت کا اظہار کیا تو بہت ممکن ہے کہ انگلستان اُن ۲۰ ہزار انگریزوں کے قتل کے قصور کو بھی معاف کر دے جن کا خون تم نے دردانیال میں بہایا ہے۔

مسٹر کوک کے الفاظ سے کمرہ میں سناٹا چھا گیا، اسوقت میں بیحد شرمندہ اور متاثر تھا کہ نوجوان فوجی افسروں سے آنکھ نہ ملا سکا، چند منٹ کے بعد سیدہ سالمہ نے جسکے چہرہ کا رنگ اسوقت سرخ ہو گیا تھا، فرانسیسی زبان میں مسٹر کوک کو مخاطب کر کے کہا۔

آہ جناب والا ہم ضرور انگلستان کو آمادہ کریں گے کہ وہ ہمارے قصور کو معاف کر دے۔

سیدہ سالمہ کے الفاظ ختم ہوتے ہی یہ الفاظ کمرہ میں گونجتے ہوئے سنائی دیے۔

جو شخص انگلستان سے معافی چاہے انگلستان اُسکو معاف کر دے۔

ان الفاظ نے مجھے گھبرا دیا اور خوف مجھ پر طاری ہو گیا مگر احسان اُٹھا اور عائشہ کی طرف بڑھا احسان کا خیال تھا کہ ممکن ہے یہ الفاظ عائشہ کی زبان سے نکلے ہوں اور ان سے اُسکو کوئی خطرہ لاحق ہو جائے پھر حشمت بک اور دوسرے فوجی افسروں نے بلکہ پاشا نے بھی احسان کو عائشہ کی طرف جاتا دیکھکر عائشہ پر غور سے نظر ڈالی۔

یہ الفاظ عائشہ ہی نے کہے تھے وہ نہایت طمانیت کے ساتھ کرسی پر بیٹھی تھی اور اُس کے چہرہ پر کوئی اثر تغیر محسوس نہ ہوتا تھا۔ صحیح فرانسیسی زبان میں یہ الفاظ کہے گئے تھے اس وقت اُس کی آنکھیں بڑے بڑے سیاہ حلقوں میں گردش کر رہی تھیں اور دیکھنے والے کو اُن میں خودداری، اور اپنے آپ پر بھروسہ رکھنے کا مفہوم نظر آتا تھا۔ پھر اُس کی آنکھوں سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک نچلی نہ بیٹھنے دینے والی قوت اپنے اندر رکھتی ہے۔ عائشہ نے اُس اثر کو محسوس بھی نہیں کیا جو اُس کے الفاظ نے کمرہ اور لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا تھا اور پھر اُسنے تتمہ کلام کے طور پر کہا۔

جس روز ہم درۂ دانیال پہنچے تھے اگرچہ ہم تھکے ماندے ضرور تھے تاہم باغی نہ تھے اور نہ غلام بلکہ ہم ایک شریف قوم کی طرح لڑ رہے تھے۔ ہم سے تم نے قتل کیا اور تم نے ہمارے ملک کو تباہ و برباد کر دیا وہ قوم جو جنگ کے بعد شکست پا جائے اسکو قاتل کہا جا سکتا ہے۔

مسٹر کوک۔ محترم خاتون تو کیا انگریزی خون اور ترکی خون ایک ہی چیز ہے۔

عائشہ۔ میں نے اپنی آنکھوں سے انگریزی خون کو کبھی نہیں دیکھا اسلئے میں نہیں جانتی کہ وہ بھی خون کی طرح سرخ ہوتا ہے یا نیلا لیکن ان ترکی خونوں کے رنگ سے میں واقف ہوں ترکی خون سرخ ہے اور انگارے کے مانند گرم۔

مسٹر کوک۔ خاتون تمہارا خیال صحیح ہے۔ میں نے ترکی خون کی توہین نہیں کی میرا منشا صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ تم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ تم انگریزوں کو اس امر پر آمادہ کرو کہ وہ تمہارے قصور کو معاف کر دیں۔

عائشہ۔ اور ان لوگوں کے قصور کی نسبت تم کیا کہتے ہو جنہوں نے میرے بچے کو قتل کیا ہاں اس معصوم مسکین اور چھوٹے سے بچہ کو جو میری دولت تھا اس کے سینہ کو گولی کا نشانہ بنا کر چھلنی کیا گیا اور وہ دم توڑ کر مر گیا ہاں اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کے آنسو خشک نہ ہونے پائے تھے کہ وہ مر گیا نامراد قاتلوں نے اس معصوم بچے کے قلب کو اپنی بندوقوں کا نشانہ بنایا اور گولی اس کے سینہ میں پیوست کر دی اور وہ اس سے پہلے کہ اس کے چھوٹے چھوٹے ہونٹوں سے ماما کا کلمہ نکلے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

یہ الفاظ عائشہ نے نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کئے اس وقت عائشہ کے پیچھے اس کی کرسی کی پشت کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھا تھا اور اس کے خوف زدہ چہرہ پر اضطراب و خطرہ کے آثار نمایاں تھے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اسوقت مسٹر کوک کو اس حقیقت کا علم ہوا یا نہیں کہ بعض اوقات مظلوم ظالموں کی نسبت زیادہ قوی ہوتے ہیں لیکن ہاں اسنے یہ ضرور محسوس کیا کہ اس کمرہ کی فضا زیادہ سرد اور خطرناک ہو گئی ہے۔ اس احساس کے بعد وہ نہایت وقار کے ساتھ اٹھا اور محصور سانپ کی مانند پرجوش و غضب لہجہ میں کہا۔

آج رات آپ حضرات نے سخت سزا کے الفاظ سے میری ضیافت کی اسپر میں آپکا شکر گذار ہوں۔

یہ کہکر وہ کمرہ سے باہر نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی سیدہ سالمہ بھی چلی گئی لیکن نہ تو کسی نے ان سے ہاتھ ملایا اور نہ دروازہ تک مشایعت کی البتہ میں ان کے ساتھ دروازہ تک گیا اور ان کو رخصت کیا۔

مسٹر کوک اور سیدہ سالمہ کو رخصت کر کے جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ نوجوان فوجی افسر جنین حشمت بک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عائشہ کیوں روتی ہو؟ ہماری انتہائی کوشش ہے کہ لوگ تمہاری قوم میں تمہارا [illegible] والوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ [illegible] معلوم ہو گئی ہے کیا اس ذکر کے سلسلہ میں تم چار ہو بیٹھی ہو؟ میں آج اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ جو الفاظ میں نے اسوقت کہے تھے وہ درحقیقت میرے الفاظ نہ تھے بلکہ وزارت خارجہ کے دفتر اور اس کے ان کاغذات نے جو میرے ہاتھوں میں رہتے تھے یہ الفاظ میری زبان سے نکلوائے تھے۔ رات کو میں نے نہایت بے چینی کے ساتھ کاٹا اور میں اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں ضعیف، ذلیل اور پست ہمت سمجھنے لگا لیکن آج میں سچے دل سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اے عائشہ! جب تک میرے جسم کے تمام اعضا نہ ضائع ہو جائیں میں تیرے لئے لڑونگا، تو میری طرف رحمت و شفقت کی نظروں سے دیکھتی تھی، اس سے پہلے کہ تو مجھ سے واقف ہو ہاں میری دونوں ٹانگیں کٹ گئی ہیں لیکن دشمنوں سے لڑنے کے لئے میرے جسم میں دو بازو موجود ہیں عائشہ آنکھیں کھول اور دیکھ کہ میں ان شہیدوں سے کسی طرح کم نہیں ہوں جو تیرے گرد آرام سے محو خواب ہیں۔ میں عنقریب تیرے لئے لڑونگا ہاں مرنا کے لئے اور اسوقت تک لڑتا رہونگا جب تک کہ میرے جسم میں ایک عضو بھی باقی ہے۔

(۳۷)

عائشہ دوسرے مکان مین

۱۰ر نومبر سنہ ۱۹۲۱ء

ادہر اُس رات کے بعد نہ تو مسٹر کوک ہی ہمارے اجتماع کے مقام پر آئے اور نہ سیدہ سالمہ اور اُسکے ہمراہ کے نوجوان فوجی افسرون کا جوش سمرنا جانے کے لئے بہت بڑھ گیا چند روز بعد آستانہ (قسطنطنیہ) کی فضا مین ایک عجیب کیفیت پیدا ہوگئی یعنی آستانہ مین جوش اور شورش کی ہوا نے لوگون مین اپنے فرض کے احساس کا جذبہ پیدا کیا اور آبادی مین یہ خواہش بڑھنے لگی کہ وہ سمرنا کی مصیبت مین حصہ لے جو لوگ اس جذبہ سے بیچین تھے وہ ایسے ذرائع کی تلاش مین تھے جو سمرنا جانے مین اُن کے معین ہون رہنما نامہ نگاران اخبارات سے ملنے اور پروپیگنڈا کرنے کے لئے چارکی دعوتون کا سلسلہ عوام کو اُس سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی اور شفرداس کے طلباء اور محلہ ششلی کی خواتین اس خبط مین مبتلا تھین، کچھ دنون کے بعد پروپیگنڈا کرنے والی جماعتون کے مقابلہ مین ایک اور شعبہ نے ترقی حاصل کی اور وہ یہ "حقوق سمرنا کی حفاظت" کا جذبہ تھا جس نے لوگون مین ایک نئی روح پھونک دی تھی۔

اِن واقعات و حوادث کے ایام مین میری خانگی زندگی ایک جدید انقلاب کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ سیدہ سالمہ کے دوستون اور شوہر نے چونکہ یکے بعد دیگرے ہمارے ہان آنا جانا ترک کر دیا تھا اس لئے والدہ اس سے بہت متاثر تھین اور اس کا اُن کو بہت رنج تھا، اُن کا خوف و انتشار یہ سُنکر اور بڑھ گیا کہ انگریز ہمارے مکان کی نگرانی کرتے ہین اور یہ کہ حکومت عنقریب مجھ کو گرفتار کریگی اور اتحادیون کو الٹا جلا وطن کر دیا جائیگا، اِن تمام باتون نے میری والدہ کے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ ہم نے اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور ہماری تحریک اعتدال سے متجاوز ہوگئی ہے اور یہ کہ جوش و شجاعت کی وہ زندگی جو اُن کے (والدہ کے) اور لوگون کے درمیان حائل ہوگئی ہے اُس وقت سے شروع ہوئی ہے جب سے کہ عائشہ مکان مین داخل ہوئی ہے میری والدہ نے اگرچہ یہ خیال قائم کر لیا تھا لیکن وہ اپنے خیالات و جذبات کو ظاہر نہ کرتی

تھین البتہ وہ کبھی کبھی یہ دریافت کرلیتی تھین کہ جمال وعائشہ کچھ زیادہ عرصہ تک یہان قیام کرینگے یا چند روز اور اس معاملہ مین وہ مجھکو بھی تنگ کیا کرتی تھین۔ جس روز عائشہ کو "بہت سمرنا" کا خطاب دیا گیا تھا اُس سے ایک ہفتہ کے بعد میری ماں نے میرے اور احسان کے سامنے اس قضیہ کو پیش کیا اور اپنے خیالات سے ہم کو آگاہ کردیا، جمال اُسوقت گھر مین موجود نہ تھا اور عائشہ اپنے کمرہ مین تھی، میری ماں نے آزادی کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو کی اور منجملہ دوسری باتون کے یہ بھی کہا کہ وہ کسی ایسے کام یا تحریک کو مفید نہین پاتین جس کا انجام خونریزی ہو اور یہ کہ وہ اپنے اس بڑھاپے کے زمانہ مین اس امر کو پسند نہین کرتین کہ اُن کے اور اُن کے مکان کے گرد ایک ہنگامہ شور و شغب برپا رہے پھر وہ اسکو بھی گوارا نہین کرسکتین کہ محلہ کی اجتماعی زندگی مین جو قدر و منزلت اُن کو حاصل ہو وہ ضائع کردی جائے اور صاحب اقتدار و معزز لوگ اُن کے مکان سے نفرت کرنے لگین۔

اس کے بعد والدہ نے کہا۔ "میرے پھوپھی زاد بھائی کی بیٹی عائشہ نے ہان اُس دیہاتی عورت نے تم سب کی عقول کو سلب کرلیا ہو اور مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوگیا ہو کہ کہین ہماری راہ مین اس سے زیادہ مشکلات پیدا نہ ہوجائین اور ہمارے طریق مداقت مین اُن سے رخنہ نہ پڑجائے"

مین نہین کہہ سکتا کہ اُسروز جس روز کہ والدہ نے اپنے خیالات سے ہم کو آگاہ کیا ہو احسان کیونکر والدہ کا ہمراز بن گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ ہمارے خاندان کا ایک فرد ہو۔ میری ماں غور سے احسان کے لباس اور اُس کے استنبولی اوضاع و اطوار کو دیکھ رہی تھین اور اُن کا یہ خیال پختہ ہوگیا تھا کہ احسان ہمارے خیالاتِ اضطراب انگیز سے متنفر ہے اس خیال کی بنا پر اُنھون نے اپنے سارے جذبات و اسرار سے احسان کو آگاہ کردیا اور پھر کہا۔

بیٹا اس معاملہ پر غور کرو اور جس مشکل مین ہم گرفتار ہین اُس سے مخلصی کی کوئی تدبیر نکالو یہ مین مانتی ہون کہ عائشہ کا مکان اور کھیت تباہ و برباد کردئے گئے ہین لیکن زر نقد تو اُس کے پاس موجود ہو دونون بہن بھائی ایک مکان کرایہ لے لین اور اُس مین اُٹھ جائین اگر انھون نے ایسا نہ کیا تو یقیناً اسکا نتیجہ یہ نکلیگا کہ بیاامی کو اُلٹا جلا وطن ہونا پڑیگا۔ والدہ کے الفاظ ختم ہوتے ہی مین کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دروازہ کھلا اور عائشہ کمرہ مین داخل ہوگئی۔ احسان خاموش بیٹھا تھا لیکن تاثر اُس کے چہرہ سے نمایان تھا، عائشہ کے کمرہ مین داخل ہوتے ہی احسان اُٹھا اور عائشہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جس روز کہ فوجی افسروں نے عائشہ کے سامنے حفاظت ستر کا حلف اُٹھایا تھا اُس روز سے عائشہ نے احسان کو نہیں دیکھا تھا اسوقت احسان کو وہ اپنی طرف متوجہ پاکر اُس کی جانب بڑھی، احسان غور سے عائشہ کو دیکھ رہا تھا لیکن عائشہ نے اُس روز سے جس روز کہ وہ آستانہ آئی تھی کبھی احسان کی طرف ایسی نظروں سے نہیں دیکھا جن سے اُس کے جذبات کا پتہ چل سکے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ عائشہ نے احسان کی آنکھوں سے آنکھیں ملائیں اور ایسی نظروں سے دیکھا جن سے ایک خاص جذبہ ٹپکتا تھا، عائشہ کی سُرخ آنکھیں احسان کے چہرہ پر تھیں، شرم و حیا کے آثار دونوں کے چہروں پر نمایاں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ احسان کمزور و ضعیف سو بجلی کی کرن کی طرح عائشہ کی آنکھوں کی راہ سے عائشہ کی روح میں سرایت کر رہا ہے اور اُس کے دل میں اُترا جا رہا ہے۔ ہاں اُس روح میں وہ پیوست ہو رہا ہے جو یاس و ناکامی کے قیدخانہ میں محبوس ہو بلکہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ کمرہ گویا روشنی سے جگمگا اُٹھا ہو اور پہلی نظر کے تبادلے نے ایک کو دوسرے کے سامنے جھکا دیا ہو۔ دونوں نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور گرمجوشی سے مصافحہ کیا ٹھیک اسوقت جبکہ دونوں کے ہاتھ مل رہے تھے میں نے۔ اور میری والدہ نے اپنے فکر و تردد کو خیرباد کہا اور کمرہ کو خالی کر دیا۔ اُسوقت مصیبت کچھ زیادہ سخت نظر نہ آتی تھی اور جو تحریک ابتداء میں بےانجام پر نظر ڈالے بغیر شروع کی تھی وہ اب دوسری صورت اختیار کر چکی تھی اور تفریح نے متانت کی جگہ کو لے لیا تھا، احسان اور عائشہ نے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر پھر ایک بار نظروں کا تبادلہ کیا اور جو کچھ دونوں کے دلوں میں تھا اُسکو نگاہوں کے ذریعہ ایک نے دوسرے پر ظاہر کر دیا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ جذبات و احساسات کا اثر عائشہ پر زیادہ نمایاں تھا لیکن ہاں اسمیں شبہ نہیں ہے کہ احسان کا قلب اور آنکھیں اُسوقت سے جذبات کا گہوارہ تھیں جبکہ اُس نے عائشہ کی آمد کے دن پُل کے اوپر اُس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ احسان کا قلب اور آنکھیں اس قدر مخمور تھیں کہ اُن میں بجز عائشہ کے کسی دوسرے کی جگہ باقی نہ رہی تھی۔

عائشہ نے شاید اُس انقلاب کو محسوس کر لیا تھا جو میری والدہ کے خیالات میں پیدا ہو گیا تھا کمرہ میں داخل ہو کر جب آپ نے دیکھا کہ ہم ایک خاموش ہو گئے ہیں تو وہ ٹھٹکی اور آپ سے محسوس ہوا کہ ہم کسی ایسے موضوع پر گفتگو کر رہے تھے جو اُس سے تعلق رکھتا ہو اور ہم اسکو چھپا رہے ہیں لیکن احسان اور اُس کے درمیان جو ایک کیفیت پیدا ہو گئی تھی جسکا کوئی نام نہیں تھا اُسنے اُسکو اس جانب زیادہ توجہ کرنے

رد کیا اور وہ احسان کو یہاں موجود پا کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ترکی میں زبردست واقعات رونما ہوئے، عائشہ ایک مکان میں جو دو منزلہ اور محلہ ترک پاشا میں واقع تھا اُٹھ گئی اور والد اور عائشہ کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے، پھر وہ سب فوجی افسر بشمول احسان کے جنہوں نے سمرنا کی روانگی کے بعد اُ کو حفاظتِ سمرنا کا حلف اُٹھایا تھا سمرنا کی طرف روانہ ہوئے روانگی سے قبل یہ فوجی افسر زرِ نقد کے ضرورت مند تھے، عائشہ کے اصرار سے اُن کو ایک مناسب رقم دی گئی - بینک میں عائشہ کے تین ہزار پونڈ جمع تھے اُن میں سے دس فوجی افسروں کو جن کا میرا خیال تھا سو سو پونڈ دئیے گئے اور وہ موت کی راہ میں حقوقِ سمرنا کی حفاظت کے لئے سمرنا چل دئیے، تیسرا واقعہ وہ انقلاب تھا جو میرے خیالات میں پیدا ہو رہا تھا اور یہ انقلاب اسقدر نمایاں ہو گیا تھا کہ جب فوجی افسر سمرنا جانے کے لئے عائشہ سے رخصت ہونے آئے تو عائشہ نے اسکو محسوس کر لیا میں نے دیکھا کہ یہ فوجی افسر رخصت ہوتے وقت پُر جوش و شوق کیا تھا عائشہ کے اس شکستہ بازو کو جسکو یونانیوں نے توڑا تھا بوسہ دے رہے تھے، ان نوجوان افسروں نے عائشہ کے شکستہ بازو کو جنگِ آزادی کا علم قرار دیا تھا اس بوسے نے ان فوجی افسروں کے جذبات کو بھڑکا دیا اور اُن میں کربلا کے شہداء کا سا جوش پیدا ہو گیا اور شہادت حاصل کرنے کے شوق نے اُن کو بے چین کر دیا - یہ فوجی افسر یکے بعد دیگرے عائشہ کے ہاتھ پر بوسہ دے رہے تھے اور جب ان میں سے کوئی بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھتا تھا تو عائشہ اُس کو ایسی ہی مسرور کن نگاہوں سے دیکھتی تھی جیسا کہ اُسنے احسان کی طرف گذشتہ ماہ میں ہمارے گھر کے اندر دیکھا تھا اسوقت بھی اُس کی وہی شان تھی جو اُس روز تھی گلنار رخسارے اور نورانی چہرہ تھا اور آنکھوں سے اُمید کی چمک ہویدا تھی۔

عائشہ کو اس حالت میں پا کر میرے قلب سے وہ خطرہ دور ہو گیا جو ایک ماہ پہلے میرے دل میں پیدا ہوا تھا اور طویل مُدت کی بے چینی پر مجھے افسوس ہوا اور میں نے اپنے دل میں کہا۔

"کیا احسان اس موہوم لشکر کا ایک فرد نہیں ہے جو عائشہ کے لئے، اُس کے سرسبز و شاداب شہر سمرنا کے لئے، اور اُس بڑی بڑی کالی آنکھوں والے شہید بچے کی قبر کے لئے جنگ کریگا کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں نے جو خیال قائم کیا تھا وہ محض خیال ہی ہو اور میں دھوکہ میں مبتلا ہوں لیکن ہر نوع احسان کے جذباتِ قلب کے متعلق میرا خیال غلط نہیں ہے احسان کی آنکھوں میں جو نور اور چمک پائی جاتی ہے وہ یقیناً عائشہ کے لئے ہے کیونکہ یہ چمک عموماً اُس کی آنکھوں میں اُسوقت پیدا ہوتی ہے جبکہ اُس کی نظر عائشہ پر پڑتی ہے۔

۱۵ نومبر ۱۹۲۱ء

انگورہ کا یہ سرد موسم مجھے اُس حرارت اور مخصوص ایام کی یاد دلا رہا ہے جو مجھ پر آستانہ میں آخر موسم گرما میں گذر رہی میں روزانہ وزارت خارجہ سے نکلکر اُس راستہ سے جو آبعالی کو جاتا ہے عائشہ کے گھر جایا کرتا تھا محلہ شیشلی کے دائرہ اور ہمارے گھر میں عائشہ کو بھلا دیا گیا تھا اور میری ماں نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ وہ سمرنا واپس چلی گئی ہے میری ماں نے پھر کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ عائشہ کہاں ہے اور نہ کبھی میں نے اُن سے عائشہ کے متعلق کوئی تذکرہ کیا جس روز عائشہ ہمارے گھر سے رخصت ہوئی ہے اسی روز میں نے یہ عہد کیا تھا کہ میں جمال اور اُس کی بہن عائشہ کو اپنا بھائی اور بہن بناؤں گا۔ میں نے اس عہد کو پورا کیا اور اپنے عہد پر قائم رہا۔ عائشہ روزانہ میرے سامنے ایک ایسی نئی شان سے جلوہ گر ہوتی تھی جو مجھے تعجب میں ڈال دیتا تھا یہ وہی عورت تھی جس سے میرا نکاح کیا جانا والدہ نے قرار دیا تھا اور میں اس نکاح سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اب سے دس سال پہلے یورپ بھاگ گیا تھا، میں محض اس خیال سے اُس سے نکاح کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ دیہاتی عورت ہے لیکن آج میں اُس کی ذاتی خوبیوں کا معترف تھا اور میری رائے تھی کہ جو خوبیاں عائشہ میں پائی جاتی ہیں متمدن اور یوروپین فیشن خواتین کو اُن کی ہوا بھی نہیں لگی اُس کی ذہنی تربیت اُن سادہ اور واضح اصول پر ہوئی تھی جو زندگی کے تجربات پر مبنی تھے اُس میں نہ تو ریاکاری تھا اور نہ غرور و تکبر با ایں ہمہ وہ زیور علم سے بھی خالی نہ تھی اور بعض غیر زبانوں میں بھی بات چیت کر لیتی تھی۔

عائشہ کے حالات میں جو بات مجھ کو سب سے زیادہ حیرت میں ڈالے ہوئے تھی وہ اُسکا طریق زندگی تھا وہ اپنے دو منزلہ مکان میں تنہا رہتی تھی اور محلہ بھر میں بجز زینب سبزی فروش کے وہ کسی سے واقف نہ تھی اُس کے سیاہ لباس میں جو پیوند لگے تھے وہ اُس کی سادگی کا ایک بین ثبوت تھے وہ ہر وقت سینے پرونے میں لگی رہتی تھی اور کبھی اُس کا ہاتھ سوئی یا اُن کپڑوں سے جو وہ مہاجرین سمرنا کے بچوں کے سیا کرتی تھی خالی نہیں پایا گیا، وہ پڑھا کر اور کپڑے سی سی کر اپنے مصارف پورے کر لیتی تھی اور جو سرمایہ نقد اُسکے پاس تھا اُسکو اُسنے سمرنا کی آزادی کے لئے وقف کر رکھا تھا اور جہاں تک ممکن ہوتا تھا وہ اس سرمایہ نقد میں سے کسی دوسرے کام پر خرچ نہ کرتی تھی، وہ محلہ کے بعض گھروں میں جاتی اور اُجرت پر پڑھایا کرتی تھی لیکن ان گھروں کے لوگ اُس کی حقیقت سے واقف نہ تھے اور نہ وہ اپنے متعلق کسی سے کچھ بیان

کرتی تھی - جن گھروں میں وہ پڑھاتی تھی وہاں کے لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ بیوہ ہے اور اُس کا شوہر جنگ یورپ میں مارا گیا ہے اُس کے اوضاع و اطوار اتنے سادہ تھے کہ لوگوں کی توجہ کو جذب نہ کر سکتے تھے وہ نمود و نمائش سے بیگانہ تھی اور نہایت سادگی پسند ان تمام مشاغل کے ساتھ وہ قومی تحریک کو بھی نشو و نما دے رہی تھی ہاں اُس قومی تحریک کو جو ترکیا میں ان ایام کے اندر شروع ہوئی تھی اور جمال اور اُس کے رفقائے کار کے کاموں میں بھی جو ان ایام میں فرصت کے وقت مراسلات کرتے رہتے تھے اُن کو مدد دیتی تھی -

عائشہ میں قدرت - استعداد، قربانی اور تنظیم معاشرت کی خوبیوں کے ساتھ ہی جو ایک وطن پرست خاتون کے لیے ضروری ہیں ایک بڑا وصف یہ تھا کہ وہ بچوں کی سی ایک قوت جاذبہ رکھتی تھی جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھی اور وہ اُس سے بہ محبت و اخلاق پیش آتے تھے اور اس سے ہمدردی کرتے تھے وہ ایسی صحبتوں اور مجمعوں سے دور رہتی تھی جو اخلاق پر بُرا اثر ڈالتے ہیں یعنی اُن ناپاک امراض سے کنارہ کش تھی جن سے چھٹکارا پانے کے لئے آستانہ عہ جد و جہد کر رہا ہے وہ جب کسی ایسے ناپاک منظر اور صحبت کو دیکھتی تو اُس کے دل میں ہمدردی کا جذبہ موجزن ہو جاتا وہ مسکراتی اور اُس کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتی تھی یہی وہ باتیں تھیں جو میرے قلب میں ایک خاص اثر پیدا کرتی تھیں اور مجھے اس امر پر آمادہ کر دیتی تھیں کہ میں اپنی لائف کو بدلوں یہاں تک کہ ان باتوں کا اثر ان اُمور پر بھی پڑتا تھا جن کو میں انتہا درجہ کا بُرا خیال کرتا تھا ہاں عائشہ کی اس ایک بے مثل خوبی نے میرے قلب کے ایک گوشہ میں ہلچل ڈال دی تھی اور میری زندگی کے اُفق کو ابر آلود کر دیا تھا اور ٹھیک اُسوقت جبکہ میں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ دائمی سکون کو حاصل کیا جائے -

میری عادت یہ تھی کہ جب میں شام کو عائشہ کے گھر کے ارادہ سے چلتا تو راستہ بھر دل میں عائشہ کی خوبیوں پر غور کرتا جاتا تھا پھر میرے دماغ میں یہ تصویر بندھتا کہ عائشہ میرے سامنے کھڑی اس طرح مسکرا رہی ہے جس طرح ایک بہن اپنے بھائی کو دیکھکر مسکراتی ہے یا یہ کہ عائشہ اپنے چھوٹے سے بالاخانہ سے سینے پرونے کا کام چھوڑ کر میرے استقبال کو اُتر رہی ہے اُس کا چاء کا سماور میز پر رکھا ہے اور بھاپ اُس سے نکل رہی ہے سماور کے پہلو میں ایک کرسی پڑی ہے جس پر روزانہ شام کو ایک شخص آکر بیٹھتا ہے جسکو میں بابجانی سمجھکر اُسوقت

عہ آستانہ میں غیر ملکی معاشرت و تمدن نے خواتین کے اسلامی اخلاق کو سخت صدمہ پہنچایا ہے گویا یوں کہنا چاہیے کہ ترکی خواتین اسلامی معاشرت سے بالکل بیگانہ ہو گئی ہیں ناپاک امراض سے اسی معاشرت اور ناپاک معاشرت کی طرف اشارہ ہے ۱۲

تک نہ بھولتا تھا جب تک کہ عائشہ کے گھر نہ پہنچ جاتا تھا۔ یہ شخص احسان تھا، کرسی پر بیٹھکر احسان نے اپنے دستانون کو اُتار دیا ہو اور میز کے ایک گوشہ پر رکھدیا ہو اور صامت و ساکت اپنی فکرون مین ڈوبا ہوا سگرٹ پی رہا ہے کہ مین مکان کے اندر پہنچ گیا ہون پھر ہم دونون نے چاء پی ہو اور دونون ساتھ مکان سے نکلے ہین۔ یہ خیالات و افکار تھے جو راستہ بھر مجھے مشغول رکھتے تھے لیکن جب مین عائشہ کے گھر مین داخل ہو کر احسان کو عائشہ کے سامنے اس طرح بیٹھا ہوا پاتا تھا جس طرح ایک محبت کرنے والا بھائی اپنی بہن کے سامنے بیٹھا ہوتا ہو تو تمام خیالات اور اضطراب و تشویش رفع ہو جاتی تھی۔ کرسی پر بیٹھکر دو تین منٹ تک مین غور سے عائشہ اور احسان کو دیکھتا رہتا تھا اُن کی نظرون کو دیکھتا اور پھر اُن کی حرکات و سکنات پر نظر ڈالتا تھا لیکن طبعی سادگی سے بھی زیادہ مین اُن کی سادگی کو پاتا تھا یہی ہمیشہ میرا پختہ اعتقاد تھا کہ احسان عائشہ سے محبت رکھتا ہو پھر میرے دل مین یہ سوال پیدا ہوتا۔ کہ عائشہ؟ ایمان کی بات یہ ہو کہ مین اس امر سے اُس گھڑی تک واقف نہ ہو سکا جبکہ مین نے احسان کی نعش کو عائشہ کی قبر کے پہلو مین دفن کیا ہو اور اس کے بعد بھی مین ہمیشہ شک شبہ ہی مین رہونگا۔ احسان اپنے حلیف دوستون کے ساتھ سمرنا نہین گیا بلکہ آستانہ ہی مین رہا کیونکہ اُس کے ساتھیون نے اُس کے آستانہ مین رہنے کو مفید خیال کیا تھا اور غالبًا یہی وجہ تھی کہ عائشہ کی آنکھون کی چمک احسان پر وہی اثر ڈال رہی تھی جو اُس کے ان ساتھیون پر ڈال چکی تھی جو سمرنا چلے گئے تھے بعض وقت میرے قلب مین یہ خطرہ گذرتا تھا کہ احسان کے جسم کا وہ حصہ نہایت روشن و چمکدار ہو جسپر عائشہ کی نگاہ پڑتی ہو پھر اس خطرہ کا جواب مین خود ہی دیدیتا تھا یعنی یہ کہ اس قسم کے خیالات محض واہمہ ہین۔

عائشہ کو قوم کی شورش و بغاوت سے بہت زیادہ اُمیدین تھین وہ سمرنا کے شجاع نوجوانون سے بھی بہت محبت رکھتی تھی اور اسی طرح اُن جری باہمت غارت پیشہ لوگون سے اُسکو محبت تھی جو پہاڑون مین لوٹ مار کرتے رہتے ہین لیکن احسان اس معاملہ مین ایک بہادر اور باقاعدہ سپاہی کی رائے رکھتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ:- اس مشکل کو صرف باقاعدہ اور منتظم سپاہ ہی حل کر سکتی ہو اور منتظم و باقاعدہ سپاہ یونانیون پر کیا انگریزون پر بھی غالب آسکتی ہو۔

عائشہ کا خیال تھا کہ باقاعدہ اور منتظم سپاہ کا وجود مین لانا کسی طرح معجزہ سے کم نہین ہو بایں ہمہ اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ افراد قوم کی شورش یہ ضرور کر سکتی ہو کہ یونانیون کو پریشان و بدحواس بنا

اور اُن کو نقصانات پہنچاکر اس حال پر پہنچائے کہ وہ اٹلی کی طرف رُخ کرنے کے قابل نہ رہیں مختصر یہ کہ عائشہ کی رائے یہ تھی کہ اگر منتظم سپاہ کو تیار کیا گیا تو اسمیں بہت عرصہ لگیگا اور وقت گذر جائیگا۔

عائشہ کی رائے معلوم کرکے احسان سر کو حرکت دیتے ہوئے مسکرایا اور کہتا تھا۔

جب ضرورت ہوگی تو وہ لوگ جو قوم کی شورش کی رہنمائی کر رہے ہوں گے سپاہ میں داخل کر لیے جائیں گے اور منتظم سپاہ میں بھی وہ بہت مفید ثابت ہونگے، عائشہ میرا خیال ہے کہ تم اس امر سے ناواقف ہوگی کہ موجودہ شورش کے بانی اور محرک بھی فوجی ہی ہیں اور فوجی افسروں ہی کی جدوجہد اور رہنمائی سے شورش کا آغاز ہوا ہے کیا میرا خیال غلط ہے؟

احسان اسوقت اگرچہ نہایت متانت کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا لیکن اُس کی آنکھوں سے جو چمک نمایاں تھی اُس سے جس طرح یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ عائشہ کی رائے کا تابع اور اُسکا مقلد ہو اُسی طرح اُس کے اُس رنج و اندوہ کی کیفیت بھی نمایاں تھی جو اپنے کو ایک غیر منتظم جتھے کی رہنمائی کی حالت میں محسوس کرکے اُسکو ہوا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ احسان کے خیال میں یہ ایک بڑی قربانی بلکہ ظلم تھا کہ ایک ترقی یافتہ باقاعدہ فوجی افسر کو ایک غیر منتظم جتھے کا افسر مقرر کر دیا جائے لیکن عائشہ کو ان باتوں کی پرواہ نہ تھی اور اُس کی نظر میں فوجی و غیر فوجی سب برابر تھے اُسکا پختہ خیال تھا کہ ترکی کی آزادی کا کام کرنے والے خواہ وہ کوئی ہوں اور کسی حیثیت کے ہوں سب ایک درجہ رکھتے ہیں۔

احسان کا قلب اسوقت عائشہ کی آتشین اور اضطراب پیدا کر دینے والی نگاہوں کا شکار ہو رہا تھا وہ بار بار اپنی سیاہ غلافی آنکھوں سے جن میں گہرا نیلا رنگ شامل تھا احسان پر نظر ڈالتی اور اُس کی حالت کو دیکھتی تھی اُس نے دیکھا کہ احسان کے چہرہ پر اضطراب کے آثار نمایاں ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ اس امر سے خوفزدہ ہے کہ کہیں عائشہ کوئی اور ایسا ذریعہ نہ نکالے جو آگ کی بھٹی میں جھونک دینے والا ہو۔

اسی قسم کے خیالات میرے دل میں اُسوقت پیدا ہوتے تھے جبکہ ہم دونوں روزانہ قبرستان کی طرف ٹہلنے جایا کرتے تھے میں اس سنجیدہ اور خاموش سپاہی کے چہرے کی اُس زردی پر جو اُس کے چہرہ پر محیط رہتی تھی غور کیا کرتا تھا اور اُن شعلوں کو دیکھا کرتا تھا جو اُس کی آنکھوں میں بھڑکتے ہوتے تھے پھر اُس آگ کے تنور کی گرمی کو محسوس کرتا تھا جو اُس کے جوف میں روشن تھا اور ان تمام باتوں پر غور کرتا ہوا دلمیں کہتا تھا کہ۔

یہ اس نوجوان فوجی افسر کے کالر پر جو نشان ارکان حرب کا لگا ہوا ہے اس کے نیچے ایک سُرخ قمیص بھی ہے جو آگ سے بنی ہوئی ہے اور میں اس امر کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں کیونکہ آگ ظاہری جسم سے اندرون جسم میں سرایت کر جاتی ہے کیونکہ میرے جسم پر بھی احسان ہی کی طرح کی آگ کی ایک قمیص ہے اور عائشہ کی یہ عادت ہے کہ وہ اس عجیب غریب قمیص کے اندر آگ کو بھڑکاتی رہتی ہے تاکہ شورش کا وہ جذبہ جو جسم میں پایا جاتا ہے دب نہ جائے اور قلب میں جوش و خروش کی جو آندھی چل رہی ہے وہ رک نہ جائے مختصر یہ کہ آتشیں قمیص ایک ایسا پیراہن ہے جو اپنی آگ سے انسان کے کسل و تعب کو جلا کر خاکستر کرتا رہتا ہے اور احسان کے سوا کتنے ہی اور لوگ ہونگے جو عنقریب اس قمیص کو اپنے جسم پر پہنیں گے۔

عورت کی آنکھیں جو انسانوں کو محبت کی حیرت انگیز اور مضبوط زنجیروں سے جکڑ کر اِدھر اُدھر کھینچتی پھرتی ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کو آگ کے دہکتے ہوئے جہنم کے مانند شعلوں میں دھکیل دیتی ہیں۔

مارچ کے شروع تک یہی کیفیت رہی اور اناطولیہ میں جو جدوجہد شروع کی گئی تھی اور جسکو "قومی تحریک" کا نام دیا گیا تھا وہ بتدریج بڑھنا شروع ہوئی اس جدوجہد کا ایک رہنمائے اعظم بھی منتخب کر لیا گیا، اس رہنما کا صدر مقام اس بستہ خمیر کے مانند تھا جس کے گرد سیال چیزیں جمع ہو کر منجمد ہو جاتی ہیں، عائشہ قومی حرکت کے رہنماؤں سے واقف نہ تھی اور نہ یہ جانتی تھی کہ قومی تحریک کے سلسلہ میں کیا تدابیر اختیار کی گئی ہیں اور ان سے کیا مقصود ہے۔ ملک میں غیرتمند بہادروں کی ایک ایسی جماعت بھی تھی جس نے شورش کی آگ کو بھڑکایا اور پھر خود اس کے شعلوں کے اندر اپنے کو اس غرض سے ڈال دیا کہ یا تو اپنی ہستی کو فنا کر دیگی یا دوسروں کو تباہ کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرے گی، عائشہ اسی جماعت سے تعلق رکھتی تھی اور کسی دوسرے خیال کی جماعت سے اس کو کوئی تعلق نہ تھا اور نہ کسی کو وہ جانتی تھی، کبھی کبھی میں عائشہ کو غضبناک بنانے کے لئے کہدیا کرتا تھا کہ

"عائشہ تمہارے ان نوجوانوں اور فوجی افسروں کی کیا قدر و قیمت ہے جن سے جتھے بنائے جا رہے ہیں، یہ نوجوان سپاہی اور فوجی افسر اپنی ڈھانچوں کا مجموعہ ہیں جو فکر مند دماغ کے ارادہ سے حرکت کرتی ہیں" عائشہ میرے الفاظ کو سنتی اور پر جوش لہجہ میں جواب دیتی۔

پیارے یہ نوجوان سپاہی اور فوجی افسر میری دیکھی ہوئی ہیں وہ صرف ڈھانچوں ہی کا مجموعہ نہیں ہیں بلکہ ان میں عقل و تدبر بھی ہے دماغ ان کی رہنمائی کرے گا اور اگرچہ ان کا قلب بھی مردہ ہو جائے اور وہ خود بھی مضمحل ہو جائیں تب بھی عقل ان کا ساتھ نہ چھوڑے گی اور ان کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

دس مارچ کو حسبِ معمول جب میں عائشہ کے گھر میں داخل ہوا تو میں نے حشمت بک کو وہاں بیٹھا ہوا پایا جو احسان سے باتیں کر رہا تھا دونوں چائے کی میز کے قریب کرسیوں پر بیٹھے تھے اور پرجوش لہجہ میں گفتگو کر رہے تھے اُسوقت تک اگرچہ یہ قومی تحریک میرے لئے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں کی تھی لیکن حشمت بک ایسے جوش سے اِس تحریک میں کام کر رہا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اِس تحریک کی روح رواں تھا۔ اُس کا دماغ نہایت صحیح اور سنجیدہ تھا اور جمال و احسان کے دل و دماغ اور عقل و تدبر کسی حیثیت سے بھی اُس سے لگا نہ کھا سکتے تھے بلاشبہ حشمت بک دولت عثمانیہ میں فوجی کمالات کا ایک نمونہ تھا وہ دراز قد، چھوٹی سی مونچھیں، عقاب جیسے تیز نگاہ اور پاکیزہ دماغ رکھتا تھا جوان تھا مگر نہایت محتاط سر اور تمام جسم کے بال سیاہ تھے وہ صرف جنگ یورپ ہی کا فوجی افسر تھا بلکہ سلطنت عثمانیہ کے ایک گوشہ میں ان کے پیٹ ہی سے بہادر پیدا ہوا تھا ممکن ہے البانیہ کے دشوار گزار پہاڑوں نے اُسکو وہ شرافت و نجابت بخشی ہو جو اُسمیں پائی جاتی تھی اُس کی باتوں اور نگاہوں سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے اُسکا مطالعہ وسیع ہے اور وہ مضبوط رائے رکھتا ہے حشمت بک کی یہی وہ خوبیاں تھیں جو عائشہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں اور وہ احسان سے زیادہ اخوت و اہتمام کے ساتھ حشمت بک سے باتیں کرتی اور تبادلہ خیالات سے فائدہ اُٹھاتی تھی حشمت بک اگرچہ عائشہ کے ہاں بہت کم آتا جاتا تھا لیکن میں اُس کی بھی نگرانی کرتا تھا اور احسان بھی اِس امر میں میرا ہم خیال تھا کہ حشمت بک کے خیالات معلوم کئے جائیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ جو خیالات ہمارے دل و دماغ میں حشمت بک کے متعلق پیدا ہوتے تھے حشمت بک کا دماغ بھی ہمارے متعلق اسی قسم کے خیالات پیدا کرتا تھا یا نہیں۔ افسوس ہے کہ ہم دونوں حشمت بک کے متعلق کچھ بھی نہ معلوم کر سکے۔

ہماری جماعت کے ارکان نے جو تجاویز قرار دی تھیں اُن میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ احسان کو "اطرابلز" روانہ کیا جائے جہاں وہ ایسی انجمنوں کی بنیاد ڈالے جو اطرابلس میں شورش پھیلانے والی دوسری انجمنوں کے کام میں رخنہ ڈالیں اور اُن کی جد و جہد کا خاتمہ کر دیں اِس تجویز کو عمل میں لانے کی یہ صورت اختیار کی جانی قرار پائی کہ احسان کو خشکی کے راستہ اطرابلز پہنچایا جائے ظاہر ہے کہ اِس کام میں شروع سے آخر تک عائشہ کا ہاتھ کام کر رہا تھا اور اُسی کی خواہش سے یہ تجویز منظور کی گئی تھی۔

اپنے سنجیدہ کام کو ختم کر کے ہم نے چائے پی عائشہ اِسوقت بہت خوش تھی، اپنی مسرت کا اظہار کرنے کے لیے اُس نے وہ واقعہ سنایا جو حال میں پیش آیا تھا یعنی اُن گھروں میں سے کسی ایک گھر میں جن میں وہ

پڑھانے جاتی تھی سیدہ سالمہ سے اُس کی اچانک ملاقات کا واقعہ چنانچہ اُس نے بیان کیا کہ

میں محلہ مودا کے ایک تاجر کے مکان میں پڑھا رہی تھی کہ اچانک سیدہ سالمہ ایک چھوٹے سے انگریزی اسٹیمر سے اُتر کر گھر میں داخل ہوئی اور اس کی آمد سے سارے مکان میں ایک اضطراب پیدا ہوگیا وہ چھوٹی سی لڑکی جسکو میں پڑھا رہی تھی گھبرا گئی اور کتاب کی طرف سے منہ پھیر لیا واقعہ یہ ہو کہ مجھ پر بھی خوف چھا گیا میں اور لڑکی اسی حال میں تھے کہ گھر کے آدمی اُسکو پڑھانے کے کمرہ میں لے آئے میں نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ گویا میں کام میں مشغول ہوں اپنا سر جھکا لیا سیدہ سالمہ نے کمرے میں داخل ہو کر میری طرف غور سے دیکھا اور پھر گھر والوں کو مخاطب کر کے کہا۔

اس لڑکی کی تربیت و تعلیم کے لئے تم انگریز مربیہ کیوں نہیں لاتے۔

اس واقعہ کو سنکر ہم سب تھوڑی دیر اس امر پر غور کرتے رہے کہ اگر سیدہ سالمہ عائشہ کو شناخت کر لیتی تو کیا کرتی اور پھر گفتگو کو ختم کر دیا اور احسان نے عائشہ کی طرف دیکھکر کہا۔

رات کا کھانا میں استنبول میں کھاؤں گا اور اس سے پہلے کہ پُل سے گذر کر دوسری طرف جاؤں میں یہاں آؤں گا، اور تمہارے تازہ احکام کو حاصل کروں گا۔

احسان کے الفاظ سنکر عائشہ کے رُخسارے سُرخ ہو گئے اور مجھے یہ گمان ہوا کہ عائشہ نے میری طرف دیکھا ہو اور وہ مجھ سے کسی چیز کا مطالبہ کر رہی ہو تو میں نے کہا۔

اور میں بھی شب کا کھانا استنبول ہی میں کھاؤں گا تا کہ رات کو احسان کیساتھ واپس آسکوں۔

احسان خاموش ہوگیا اور ہم تینوں عائشہ کے گھر سے ایک ساتھ باہر نکلے جب ہم محلہ بایزید کے قریب پہنچے تو میں نے دیکھا کہ حشمت بک کے چہرہ سے سخت اضطراب کے آثار نمایاں ہیں اور باوجودیکہ وہ ہمارے ہاتھوں کو دبا رہا تھا لیکن اُس کی آنکھیں وزارت حربیہ کی عمارت پر لگی ہوئی تھیں اور وہ کچھ سوچ رہا تھا پھر اُسنے کہا۔

اُمید ہو کہ یہ عمارت پھر دوبارہ ترکی قوم کی کشتی کی محافظ بنیگی۔

حشمت بک ہم سے رخصت ہو کر چلا گیا اور میں اور احسان ٹرمیوے میں سوار ہو گئے۔ اسوقت روشنی سے بازار اور سڑکیں بقعۂ نور بنی ہوئی تھیں اور عورتوں کی غیر محسوس شکلیں پرچھائیوں کی مانند تیزی سے گوشوں کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ احسان نے مجھ سے کہا کہ۔

اگر تمہاری کہیں دعوت نہ ہو تو آؤ رات کا کھانا دونوں ساتھ کھائیں۔

میں نے کہا کہ میں کہیں مدعو نہیں ہوں۔

احسان۔ آؤ پھر استنبول ہوٹل میں چلیں اور وہیں کھانا کھائیں۔

میں۔ بہتر ہے۔

میں نے اسوقت غور سے احسان کے چہرہ پر نظر ڈالی اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ اسوقت یا تو نہایت اضطراب و بےچینی میں مبتلا ہے یا میری ہمراہی اُسے ناگوار ہے۔ عائشہ کے گھر سے روانہ ہوتے وقت میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ عائشہ کی نگاہیں یہ بتلا رہی ہیں کہ آج کی رات وہ احسان سے جدا ہونا نہیں چاہتی تھی، ممکن ہے میرا خیال غلط بھی ہو کیونکہ یہ میرا ذاتی خیال تھا۔

رات کا کھانا ہم نے استنبول ہوٹل میں کھایا جس کی کھڑکیوں سے ہم بازاروں اور سڑکوں پر ایک اژدحام کو دیکھ رہے تھے جیسا کہ عموماً محلہ سرکجی میں عام طور پر رہتا ہے کھانا کھا کر ہم دوبارہ عائشہ کے گھر گئے اور احسان تھوڑی دیر تک عائشہ سے باتیں کرتا رہا جب دونوں باتوں میں مشغول ہوئے تو میں نے احسان کی نگاہوں میں اضطراب و بےچینی کی علامات محسوس کیں پھر دیکھا کہ احسان اور عائشہ دونوں خاموش بے حس حرکت کرسیوں پر اس طرح بیٹھے ہیں جس طرح بت ساکن و منجمد ہوتے ہیں چند منٹ بعد عائشہ نے پرنم آنکھوں سے جن سے اخوت کے جذبات صاف نمایاں تھے احسان کی طرف دیکھا اور کہا۔

احسان بک تمہاری جدائی ہم پر بہت گراں ہوگی۔

یہ الفاظ سن کر احسان کانپ اُٹھا لیکن فوراً ہی اُسنے اپنے آپ کو سنبھالا اور دستانوں کو اُٹھا کر بطور شغل اُن کو اُلٹ پلٹ کرنے لگا گویا وہ کسی خیال میں محو ہے پھر اُس نے کہا۔

حشمت بک اور پیامی بک تو تمہارے پاس رہیں گے اور ممکن ہو تم بھی جلد ہم سے آکر مل جاؤ۔ اور اُس وقت ہم سب تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں گے اور پہاڑیوں کی چوٹیوں تک ساتھ رہیں گے، اسوقت عائشہ کے چہرہ کی جو کیفیت تھی اور اُس سے جو مبہم معنی پیدا ہو رہے تھے میں اُن کو نہ سمجھ سکا، جب ہم عائشہ سے رخصت ہوئے تو میں نے محسوس کیا کہ یہ رخصت نہایت حسرت انگیز ہے اور ہم سب کے قلوب رنج و غم سے بھرے ہوئے ہیں۔

ہم جب ٹریم پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور پل سے گذرے تو میں نے دیکھا کہ احسان خلیج کے سیاہ پانی پر

منظر میں چھائے ہوئے ہیں اور دریا وہاں کی کشتیوں کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ کشتیوں کے بادبان اسوقت ایسے معلوم ہو رہے تھے کہ گویا وہ ایسے درختوں کا ایک جھنڈ ہے جن کے پتے گر گئے ہیں۔ ٹریم نے ہم کو تیپہ باغچہ پارک میں اتار دیا۔ احسان نے اس باجہ کو غور سے سنا جو پارک کے اندر بج رہا تھا اور اس رونق اور دلفریب آثار زندگی پر نظر ڈالی جو باغ کے گرد نظر آ رہے تھے، میں نے احسان کو یہاں کے مناظر میں محو اور متاثر پا کر کہا۔

احسان گیارہ بج رہے ہیں آؤ اب گھر چلیں بہت دیر ہو گئی ہے

احسان نے عذر کیا اور ظاہر کیا کہ وہ اسوقت "پانغاستی" جانے پر مجبور ہے جہاں اسوقت چند دوستوں کو اسے رخصت کرنا ہے میں نے چاہا کہ احسان سے بغلگیر ہو کر اسکو بوسہ دوں اور رخصت ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے اسوقت ہم دونوں اپنے خیالات میں محو تھے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔

(۴)

اناطولیہ کی طرف

۱۷ر نومبر ۱۹۲۱ء

احسان سے رخصت ہونے کے بعد میں یکایک سخت بیمار ہو گیا، واقعہ یہ ہوا کہ رات کو احسان سے رخصت ہو کر میں گھر پہنچا اور سو رہا۔ صبح کو اٹھکر میں نے جسم پر حرارت محسوس کی جو فوق العادت درجہ تک پہنچ گئی۔ اول تو میں نے کوشش کی کہ اپنی کیفیت کو ظاہر نہ ہونے دوں لیکن مرض کی شدت نے راز کو ظاہر کر دیا تین روز تک ڈاکٹروں کی یہ رائے رہی کہ مجھے ہسپانوی بخار ہو گیا ہے۔ بیماری سے ایک ہفتہ قبل میں اپنے جسم میں گرانی پاتا تھا، اور محسوس کرتا تھا کہ صحت خراب ہو گئی ہے انھیں دنوں میں رات کو دیر تک میں احسان کے ساتھ رہا اور مجھے سردی لگ گئی جس نے آگ پر تیل کا کام دیا اور میں بخیال خویش ہسپانوی بخار میں مبتلا ہو گیا، میرے رنج والم کا بڑا سبب یہ تھا کہ میں عائشہ کے تنہا اور بے یار و مددگار رہنے کے خیال سے بہت متاثر تھا۔ اسی تاثر نے میری

صحت کو خراب کر دیا تھا، یہاں تک کہ میں ٹائیفائڈ بخار میں مبتلا ہو گیا، یہ بخار حقیقت میں سہ پاری نہ تھا بلکہ حمی ٹائیفائڈ تھا جس نے میرے ہوش و حواس میں فتور پیدا کر دیا تھا اور میں ہر وقت غافل و بیہوش پڑا رہتا تھا۔

اس مرض کی عجیب و غریب خصوصیت یہ تھی کہ میں اپنے آپ کو ایک ایسے بستر پر پڑا ہوا خیال کرتا تھا جس کو ایک ہوائی جہاز آسمان کی فضا میں اڑائے لئے پھر رہا تھا اور نہایت تیز رفتاری سے پرواز کر رہا تھا، ہوائی جہاز کی سرعت رفتار سے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ میرا دل گویا میرے سینہ سے نکلا جا رہا ہے، فوراً میں نے آنکھیں بند کر لیں اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا میرا سر سفید سفید بادلوں سے ٹکرا کر ان کو پاش پاش کر رہا ہے، پھر میں نے اسی عالم میں بڑی بڑی مکھیوں کی ایک کثیر تعداد کو دیکھا جن کے بازو سبز اور سرخ تھے اور وہ بادلوں کے اندر پرواز کرنے والے ہوائی جہاز کے گرد اڑ رہی تھیں یہ دیکھکر میں نے اپنے پیٹ کو زور سے دبایا گویا میں اس طریقہ سے ہوائی جہاز کی رفتار کو کم کر رہا ہوں اور اسکو روک رہا ہوں، معاً میں نے بادلوں کے اندر مسٹر کوک کے چہرہ کو دیکھا جسکا گنجا سر۔ بڑی بڑی مونچھیں اور بڑے بڑے زرد دانت صاف نظر آ رہے تھے وہ اپنی چھوٹی چھوٹی پیشانی کے اندر دھنسی ہوئی خون آشام آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا، میرا خیال ہے کہ مسٹر کوک کو اس طرح گھورتے دیکھکر بے اختیار میری زبان سے چیخ نکل گئی اور معاً میں نے اپنی ماں کی آواز کو سنا جو کہہ رہی تھی۔

بیامی! آہ میرے بچے!!

پھر میں نے محسوس کیا کہ کوئی سرد چیز میرے منہ پر ڈالی جا رہی ہے اور ہوا بہت گرم ہے جو وسیع اور نیلگوں فضا میں میرے دل کی حرکت کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے پھر میں نے زمین پر کچھ لوگوں کے قدموں کی چاپ سنی جو گولیاں چلا رہے تھے فوراً میں نے ہوائی جہاز کے وسط میں کھڑے ہو کر ان لوگوں کو دیکھنے کی کوشش کی اور جھک کر زمین پر نظر ڈالی پھر میں نے وزارت حربیہ کے میدان میں ایک ہجوم کثیر کے اندر جو ادھر سے ادھر پھر رہا تھا دوبارہ مسٹر کوک کو دیکھا اسوقت اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور اس کا قد برابر بڑھ رہا تھا اور سر آسمان کی جانب اونچا ہوتا جاتا تھا تھوڑی دیر میں اس کا سر ہوائی جہاز سے آ لگا، اور میں چھپکر ہوائی جہاز کے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا آنکھیں بند کر لیں اور پھر آنکھیں کھولکر یا سر اٹھا کر کسی طرف دیکھنے کا خیال بھی دل میں نہ لایا، میں اگرچہ آنکھیں بند کئے ہوائی جہاز کے ایک گوشہ میں بیٹھا تھا لیکن زمین پر لوگوں کے چلنے پھرنے کی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی اور میں محسوس کر رہا تھا کہ مسٹر کوک ہوائی جہاز کے

نیچے اب تک کھڑا ہے اور اُس کا سر ہوائی جہاز سے ٹکرا رہا ہے یہ خیال میرے دل میں بھی دھڑکن پیدا کر دیتا اور میرا قلب زور زور حرکت کرنے لگتا تھا کبھی کبھی مجھے ایسا بھی معلوم ہوتا کہ میرے دماغ میں دو زمرد روشن ہیں جن کے گرد سیاہ ہالے ہیں یہ زمرد کبھی روشن ہو جاتے تھے اور کبھی بجھ جاتے تھے۔ میں انکو دیکھتا تھا اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ یہ دونوں زمرد میری آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو جائیں اور میں دوبارہ ان کو نہ دیکھوں۔

آخر میں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا جس کے سر پر سیاہ چادر تھی وہ ایک ایسے کمرہ میں ٹہل رہی تھی جس میں دھواں بھرا ہوا تھا ایک روز جبکہ یہ عورت غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی پلکوں اور بھوؤں پر جو اُس کی چھوٹی چھوٹی کالی آنکھوں کے گرد تھیں اور لمبی مگر کسی قدر تنگ ناک پر نظر ڈالی یہ میری ماں تھی اور میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی میرے سر پر سرد پانی ٹپکا رہی تھی، تھوڑی دیر میں میں نے محسوس کیا کہ میں دیر تک بخار میں غافل و بیہوش پڑا رہا ہوں اور اب میرے ہوش و حواس کسی قدر ٹھکانے آئے ہیں، میں نے ماں سے پوچھا آج کونسی تاریخ ہے۔

ماں نے جواب دیا بیٹا آج مارچ کی ٦ تاریخ ہے۔

ہوش و حواس ٹھکانے آجانے اور بخار کی شدت کم ہو جانے پر جب ڈاکٹر نے مجھے یہ بتلایا کہ انگریزوں نے آستانہ پر قبضہ کر لیا ہے، عثمانی پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی ہے، پارلیمنٹ کے بہت سے ممبروں کو مالٹا جلا وطن کر دیا گیا ہے اور وطن پرست طبقہ کی ایک کثیر جماعت اناطولیہ کی تحریک میں شریک ہونے کے لئے اناطولیہ چلی گئی ہے اور اس جماعت میں عورتوں کی بھی معقول تعداد ہے تو مجھے چکر آگیا نہ صرف اسوجہ سے ان اطلاعات نے مجھ پر زیادہ اثر کیا کہ میں اسوقت عاجز و درماندہ تھا بلکہ اسوجہ سے بھی کہ عائشہ کو ان خبروں سے سخت تکلیف پہنچی ہوگی اور وہ بہت مضطرب و پریشان ہوگی اور یہ امر ناممکن تھا کہ میں عائشہ کے راز کو ماں پر ظاہر کرتا اور خصوصًا اس صورت میں کہ میں اُن سے یہ کہہ چکا تھا کہ وہ سمرنا چلی گئی ہے۔ میں نے عائشہ کے سمرنا چلے جانے کی جھوٹی خبر ماں کو اس لئے دی تھی کہ اُن کے دل میں عائشہ کے سیاسی خیالات سے جو خطرات پیدا ہو گئے تھے وہ دفع ہو جائیں اور اُن کو اطمینان ہو جائے۔

ڈاکٹر کے چہرہ پر یہ معلوم کرنے کے لئے میں نے گہری نظر ڈالی کہ کیا اُس کے ذریعہ سے عائشہ کو اپنی حالات کی خبر دینا یا عائشہ کی خبر معلوم کرنا قرین صواب ہوگا یا نہیں اور جب میں نے اُس سے دریافت کیا

کہ میں کب تک گھر سے باہر نکلنے کے قابل ہو سکونگا - تو وہ ہنس پڑا - ادہر تو میں ڈاکٹر سے باتوں میں مشغول تھا اور اُدہر میری ماں گویا زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھی "اے مغرور و سرکش نوجوان تمھاری حرکات کا یہ نتیجہ ہے اور تم ہی اُن تمام مصائب کا سبب ہو جو آستانہ پر نازل ہو رہے ہیں"

چونکہ ڈاکٹر میرے جذبات میں زیادہ ہیجان پیدا کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا اس لئے اُس نے آستانہ پر قبضہ کی تفصیل اور جو واقعات پیش آ رہے تھے اُن کے حالات سے مجھے آگاہ نہیں کیا اور واقعی یہی ہوا کہ میرا کمزور دل و دماغ اُن کی برداشت کی قوت نہ رکھتا تھا اسی حالت میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر عائشہ کے متعلق خبروں کا سلسلہ اسی طرح منقطع رہا تو میں پھر اُسی ہوائی جہاز پر چلا جاؤنگا جس پر عالم بیہوشی و غشی میں سوار رہا ہوں اور پھر اُس سے کبھی اُتر کر زمین پر قدم نہ رکھونگا، آہ یہ ایام بھی کس قدر آلام مصیبت اور یاس و نامرادی سے بھرے ہوئے تھے۔

شروع اپریل میں - ایک روز میں نے اپنی خادمہ کیتھرائن کو تخلیہ میں بلایا اور کچھ زرِ نقد اُسکو دیکر میں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ وزارت خارجہ میں جاکر احمد آغا فراش کو بُلا لائے - میں اُس وقت کس قدر مسرور ہوا ہوں جبکہ میں نے احمد آغا کو اپنے مکان کے اندر پایا وہ میرے پاس عیادت کے بہانہ سے آیا تھا اور کسی کو اُس پر شبہ نہ ہو سکتا تھا - میں جانتا تھا کہ احمد آغا تمام غیر مُلکی لوگوں کا سخت دشمن ہے اور جس زمانہ میں رُوسی لشکر کے ساتھ آرمنی ارض روم میں گھس آئے تھے اُس نے ان آرمنوں سے سخت مقابلہ کیا تھا۔

احمد آغا کو میں نے اپنے قریب بٹھا لیا اُس سے کہا "کہ عائشہ ایک ترک خاتون ہے اور ترکوں پر ظلم کرنے والوں سے انتقام لینے کے جذبات اُس کے قلب میں بھرے ہوئے ہیں پھر میں نے اُن مصائب کا ذکر کیا جو عائشہ پر سمرنا میں گذرے تھے اور پھر ظاہر کیا کہ اِن مصائب نے عائشہ کو ہر دلعزیز بنا دیا ہے اور ہر چھوٹے بڑے شخص کے قلب میں نہ صرف اُس کی ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہے بلکہ اُس کی خدمت کا شوق ہر وطن پرست کو بیچین بنا رہا ہے" ان تمام باتوں کے بعد میں نے احمد آغا کو آمادہ کیا کہ وہ عائشہ کے گھر جائے اور اُس کا حال معلوم کر کے آئے، احمد آغا نے بڑے شوق سے اس خدمت کو قبول کیا اور چلا گیا، دوسرے روز صبح کے وقت وہ آیا اور نامُرادی کے لہجہ میں اُسنے کہا۔

محلہ لِکَک پاشا میں چونکہ کثرت سے رومی و آرمنی لوگ آگئے ہیں اس لئے میں عائشہ کو تلاش نہ کر سکا اب پھر کل یا کسی دوسرے روز جاؤنگا اور کسی ذریعہ سے سبزی فروش زینب کا پتہ چلاؤنگا اُسکے ذریعہ

سے ممکن ہی ہین منزل مقصود تک پہنچ جاؤن آپ مطمئن رہین۔ احمد آغا نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے مین زیادہ تاخیر نہین کی اور ایک روز وہ ایسی حالت مین میرے پاس آیا کہ اُس کا چہرہ شگفتہ تھا اور خوشی کے آثار بشرہ سے نمایان تھے اُسنے جیب سے چند کاغذ نکال کر میرے حوالے کئے اور کہا۔

آپکے نام کے یہ چند خطوط ہین ان کو پڑھیے، عائشہ کے متعلق دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ اُسنے اپنے قیام گاہ کا پتہ کسی کو نہین دیا اور وہ کہین روپوش ہو اُسنے یہ خطوط زینب کے حوالہ کردئے تھے کہ وہ انکو آپ تک پہنچادے، زینب خطوط کو پہنچانے کے لئے آئی تھی اور آپ کے مکان پر پہنچکر آپکو دریافت کیا تھا لیکن لوگون نے یہ کہکر اُسکو ٹال دیا کہ آپ بیمار ہین اور کسی سے مل نہین سکتے۔

عائشہ کے خطوط کو مین نے شوق و اضطراب کے ساتھ لیا ان مین سے ایک تو بلیٹر پیپر خط لکھنے کا کاغذ پر لکھا ہوا تھا اور باقی اُن کاپیون کے زرد کاغذون پر تھے جو بچے اسکولون مین استعمال کرتے ہین یہ تمام خطوط عائشہ کے متعلق تھے اور نہایت اہمیت رکھتے تھے اسوقت کہ مین ان سطرون کو لکھ رہا ہون مین نے یہ ارادہ کرلیا ہو کہ ان خطوط مین سے بعض کو اپنی اس یادداشت مین نقل کردون اور پھر اپنے سپاہی خدمتگار کو حکم دون کہ وہ ان کو میرے سامنے نذر آتش کردے تاکہ میرے بعد کو کچھ بیمار" کی ترتیب مین محو خواب خاتون کے ان خطوط پر کسی کی نگاہ نہ پڑے۔

عائشہ کے بعض خطوط کا خلاصہ

(۱)

۱۸ مارچ، کدک پاشا

بھائی پیارے! خدا جانے تم پر کیا اُفتاد پڑی کہ دو روز سے تمھاری کوئی خبر نہ ملی ابتدا مین تو مین بہت پریشان رہی لیکن پھر یہ خیال قائم کرلینا پڑا کہ ممکن ہو خالہ نے تم کو گھر سے باہر نکلنے کی مخالفت کردی ہو اور تم جیسے فرزند استنبول سے یہ امر کچھ بعید نہین ہو کیونکہ تم جیسا آدمی ماں کی اطاعت سے انحراف نہین کر سکتا با این ہمہ مجھے یہ تعجب ضرور ہو کہ تم ان غیر معمولی ایام مین مجھ سے آکر کیون نہین ملے اور سلسلہ آمدورفت کیون منقطع کردیا یہ امر بلاشبہ میرے نزدیک خلاف عادت اور غیر طبعی ہو۔

جیسا منحوس دن سمر نا پر پچھلے دنون گذرا تھا ایسے ہی تو منحوس دن آستانہ پر بھی گذرے ہین ۱۶ مارچ کو منگل کے دن لوگ صبح کو لوگ سو کر اُٹھے تو اُنہون نے دارالسلطنت آستانہ کو ایک عجیب حالتمین پایا انگریزون

اور راستوں پر حسب معمول لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی لیکن ہر شخص اضطراب میں مبتلا تھا اور رنج و الم کے آثار چہرہ سے نمایاں تھے خاموشی چھائی ہوئی تھی اور کسی کا لب تک متحرک نظر نہ آتا تھا، میں نے میدان سلطان احمد کے منظر کے سوا آستانہ پر کبھی ایسی خاموشی چھائی ہوئی نہیں دیکھی۔

محلہ کرک پاشا کے گھر سے نکل کر میں محلہ کی تنگ گلیوں سے ہوتی ہوئی توپ سے کی طرف کی طرف جا رہی تھی کہ یکایک ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے پہنچکر میرے قدم آگے بڑھنے سے رک گئے، اس مکان کے دروازے کے سامنے ایک گہوارہ (پالنا) پڑا تھا اور اُس کے پہلو میں ایک جوان عورت شال اوڑھے کھڑی تھی اور اُس کی گود میں بچہ تھا، تم کو یاد ہوگا میں نے تم سے بہت دفعہ اس چھوٹے سے مکان کا ذکر کیا تھا جس میں کل تک عود کے نغمے مکان کے ساکنین کے قلوب کو مسرور کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی گہوارہ کی حرکت اور بچہ کو لوریاں سنانے اور تھپک تھپک کر سلانے کی آواز آیا کرتی تھی، آستانہ پر دول حلفاء کے قبضہ سے پہلے اس مکان میں دو نوجوان میاں بیوی رہتے تھے۔

میں عورت کے قریب پہنچکر اُس کا حال دریافت کرنا ہی چاہتی تھی کہ میں نے مکان کے بالاخانہ سے انگریزی گانے کی آواز سُنی عورت نے مجھے بتلایا کہ اُس کا شوہر ایک نوجوان فوجی افسر ہے جو کسی بے قاعدہ جنگجو جماعت میں والنٹیر (رضا کار) بنکر چلا گیا ہے اور اب وہ تنہا رہ گئی ہے اور اُس کا چچا اسکدار میں رہتا ہے جہاں اب وہ جانا چاہتی ہے، میں نے اس عورت کو مدد دی اور اُس کے لیے گاڑی تلاش کر کے لائی پھر اُس کے بچہ کی ضرورت کی تمام چیزوں کو جمع کیا، بچہ رو رہا تھا اور ہر چند کہ اُس کو بہلایا جا رہا تھا لیکن اُسکا رونا بند نہ ہوتا تھا یہ بچہ تنومند تھا اور اس کی بڑی بڑی کالی آنکھیں تھیں اسکو دیکھکر مجھے ایک اور بچہ (خود اپنا بچہ) یاد آگیا جس کی آنکھیں بھی ایسی ہی سیاہ تھیں جیسی اس بچہ کی تھیں لیکن آہ اُس کی دونوں کالی کالی آنکھیں بے نور ہو گئیں اور وہ ایک گولی کا نشانہ بنکر ہمیشہ کے لئے اپنی ماں کی گود کو خالی کر گیا، میں عورت کو ساتھ لے کر اسٹیمر تک گئی اور پھر ہم دونوں اسٹیمر پر سوار ہو گئے جب اسٹیمر روانہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ باسفورس میں بڑے بڑے جنگی جہاز کھڑے ہیں اور اُن کی توپوں کا رُخ آستانہ کی جانب ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ میں اسکدار سے رات کو سب سے پہلے روانہ ہونے والے جہاز پر واپس آجاؤں اور جہاز سے اُتر کر سیدھی تمہارے پاس پہنچوں خواہ میری اس حرکت پر میری خالہ کتنا ہی ناراض ہوں اور مجھے برا بھلا کہیں اور اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا کیونکہ میں ایک ٹھکانے کی ضرور تمند تھی لیکن میدان بیفلر

مین اُترتے ہی مین نے لفٹنٹ سیفی کو دیکھا جو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا وہ دوڑ کر میرے پاس آگیا اور کپڑون کی گٹھری مجھ سے لے لی، اسوقت اُس کی آنکھون سے شعلے نکل رہے تھے اور وہ بہت غضبناک معلوم ہوتا تھا۔ پھر لفٹنٹ سیفی نے مجھے بتلایا کہ وہ آج میرے گھر آنیوالا تھا اور یہ کہ وہ ایک ایسے مکان مین فروکش ہے جو گوشہ مین اور لوگون کی نظرون سے محفوظ ہے پھر اُسنے ظاہر کیا کہ وہ مجھکو بھی اُس مکان مین لے جانا چاہتا ہے جو فی الحقیقت اناطولیہ کی تحریک مین شریک ہونے اور اناطولیہ کی طرف جانے والون کا مرکزی مقام ہے اور وہین آکر تمام وطنی بھائی اناطولیہ کو روانہ ہوتے ہین۔

پیارے امی! میری اُسوقت کی مسرت کی کیفیت نہ پوچھ جب مین نے لفٹنٹ سیفی کے دل خوش کن الفاظ سُنے بلاشبہ ان الفاظ نے مجھپر بہت اثر کیا اور مین اُس کے ساتھ ہولی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے اگر مین ایسا نہ کرتی تو کیا کرتی کیونکہ مسکین ترکی قوم کی طرح اب میرا کوئی ٹھکانہ باقی نہین رہا تھا۔

بہرحال مین ایک اور چھوٹے مکان مین داخل ہوئی جو گورستان کے قریب سرو کے درختون کے بیچ مین واقع تھا، ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا اور ہم مکان کے صحن مین داخل ہوئے صحن کے فرش پر لکڑی کے تختے بچھے ہوئے تھے اور صرف دو بالاخانے ایک ہی صورت کے اس مکان مین تھے جن مین سے ایک مین سیفی کی شریف النفس بیوی اور ماں رہتی تھین اور دوسرے مین لفٹنٹ سیفی کام کرتا تھا۔ رات مین نے سیفی کی ماں کے پاس بسر کی اور اُس کو مین نے اپنے اور سوگوار سمیرا کے مصائب کے سارے حالات کہہ سنائے

(۲)

۲۰ مارچ،

مین نے اپنا پہلا خط زینب کے پاس بھیجا تھا کہ تم آؤ تو یہ خط تم کو مل جائے لیکن مجھے معلوم ہوا کہ تم نہین آئے کیا تم بیمار ہو؟ آج لفٹنٹ سیفی کا ارادہ ہے کہ پُل کو عبور کرکے اُدہر جائے اور تم کو تلاش کرے لیکن وہ محلہ شیشلی تک پہنچنے کی جرأت نہین کرسکتا۔

(۳)

۲۵ مارچ،

یہ محقق ہوگیا کہ تم بیمار ہو، سیفی نے زینب کو تمہارے گھر بھیجا تھا لیکن اُسکو تمہارے گھر مین داخل نہ ہونے دیا گیا اور اُس سے کہدیا گیا کہ تم سخت بیمار ہو آہ یہ ایام کسقدر بُرے ہین اور اگر یہ صحیح ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ

اگر ہم یقین ہو تو تمھارے لئے یہ ایام بہت اچھے ہیں کیونکہ اس عالم خود فراموشی میں تم اُن مصائب سے ناواقف ہو جو ہم پر گذر رہے ہیں۔ اسوقت میں جس مکان میں ہوں اُس میں مجھے اطمینان و سکون حاصل ہی سیفی کے دوست اُس سے ملنے کے لئے ہر جانب سے آتے رہتے ہیں اور ہر قسم کی خبریں اُن سے ملتی رہتی ہیں۔

ہمارے موجودہ مکان کے سامنے ایک بہت بڑا پرانا مکان ہی جو گورستان اور اُس کے پارک (باغ) سے ملا ہوا ہے، گورستان کے اس پارک میں ایک میلا کچیلا بُری ہیئت کا مالی ہی جو رات کو سونے کے لمبے لمبے کپڑے ہر وقت پہنے رہتا ہی اور اوپر سے حیدری عبا ڈالے رہتا ہے دن بھر یہ مالی پارک میں پانی دیتا رہتا ہے اور دوسرے کاموں میں مشغول و منہمک۔

ایک روز آدھی رات کے وقت، میں کھڑکی میں بیٹھی ہوئی تھی کہ میری نظر چند شخصوں پر پڑی جو اس پرانے غیر آباد مکان کے دروازے پر کھڑے تھے اور ان میں سے ایک دروازے کی کنڈی کو آہستہ آہستہ کھٹ کھٹا رہا تھا، کنڈی کے کھٹ کھٹانے کی آواز سنکر ایک شخص نے کھڑکی سے جھانک کر ان لوگوں کو دیکھا یہ شخص وہی میلا کچیلا مالی تھا جو دن بھر باغ میں کام کرتا رہتا تھا، جب اسنے اُن لوگوں سے کچھ دریافت کیا تو اُنھوں نے جواب میں "رات کا بھید" کے الفاظ کہے اور معًا شخص مذکور نے دروازہ کھول دیا اور سب لوگ نظروں سے مخفی اور تاریکی میں غائب ہو گئے۔

میں نے رات کو جو کچھ دیکھا تھا جب سیفی سے بیان کیا تو اسنے بتلایا کہ "ایسا تو روزانہ ہوتا ہی رات کو تم نے جن لوگوں کو دیکھا ہی وہ درحقیقت اناطولیہ جانے والے والنٹیر ہیں اور یہ لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ حشمت بک کو بھی اناطولیہ لے جائیں"

دوسری رات کو میں نے پھر کھڑکی میں جھک کر اس منظر کو دیکھا اور آنے والے آدمیوں کو دیکھتی رہی، کئی آدمی میں نے دیکھے لیکن اُن میں کوئی حشمت بک کے قد و قامت کا نظر نہ آیا۔ میں نے سیفی سے دریافت کیا تو اُس نے بتلایا کہ حشمت بک ابھی اناطولیہ نہیں گیا۔

سیفی نے بھی اناطولیہ جانے کا ارادہ کر لیا ہی لیکن میں اس انتظار میں ہوں کہ تم آؤ تو ہم سب اناطولیہ چلیں، آہ تمھارے مرض نے بھی کیسی ناگوار طوالت اختیار کی ہی۔

(۴)

یکم اپریل۔ کل رات میں نے سیفی اور دوسرے اُن نوجوان فوجی افسروں سے جو اناطولیہ بھاگ جانے کا

ارادہ رکھتے ہیں گفتگو کی انھوں نے مجھکو بتلایا کہ بروصہ ریلوے لائن پر سفر کرنا ممنوع نہیں ہے آہ کاش تمھاری خبر مجھے ملتی لیکن آخری ایام میں غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ اس امر میں تم پر بھروسہ رکھنا قرین صواب نہیں ہے کہ تم بتدریج ہماری جد و جہد میں شریک ہو جاؤ گے۔ سیفی مجھکو " اضہ بازار" میں جہاں احسان دورہ لگا رہا ہے پہنچا دیگا اور کہا جاتا ہے کہ جمال بھی سمرنا سے روانہ ہو کر " اضہ بازار" کے علاقہ میں آجائیگا بہر نوع جب میں اناطولیہ پہنچ جاؤں گی تو مجھے کام کرنے کا بہت موقع ملیگا۔

عائشہ کے آخری خط کو پڑھ کر میں بیچین ہو گیا اور غور کرنے لگا کہ اگر عائشہ مجھے چھوڑ کر اناطولیہ چلی گئی تو میرا کیا حال ہوگا۔ فوراً میں نے عائشہ کو ایک طویل خط لکھا جس میں نہایت عاجزی و فروتنی کے ساتھ یہ درخواست کی کہ وہ مجھکو چھوڑ کر نہ جائے۔ پھر میں نے اس خط میں یہ ظاہر کیا کہ مجھے دنیا میں بجز اس کے اور کوئی خواہش نہیں ہے کہ میں بھی احسان اور جمال کے سے کام کروں اور انھیں جیسی زندگی بسر کروں، میں ان کے دوش بدوش ہی تھا اور ان کے کاموں میں حصہ لیتا تھا لیکن افسوس ہے کہ علالت نے مجھے مجبور کر دیا۔ اور میں ان کی تیار کی ہوئی راہ پر نہ چل سکا، میں امید رکھتا ہوں کہ تم فوراً مجھے اپنے مکان کا پتہ دوگی تاکہ میں گھر سے نکلنے کے قابل ہوتے ہی سب سے پہلے تم سے آکر ملوں پھر میں نے لکھا کہ تم نوجوان ہو اور تمھارا یہ فعل غلطی پر مبنی ہوگا کہ تم اپنے ایک رفیق کار بھائی کو چھوڑ کر خونیں تجویز کو عمل میں لانے کے لئے میدان میں کود پڑو۔

خط میں نے عائشہ کے پاس بھیجدیا اور دو روز تک اضطراب و بیچینی کے ساتھ جواب کا انتظار کرتا رہا لیکن جواب نہیں آیا البتہ یہ معلوم ہو گیا کہ سیفی زینب کے پاس آیا تھا اور میرا خط لے گیا ہے لیکن اس کے بعد پھر سیفی بھی زینب کے پاس نہیں آیا۔ میں عائشہ کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملنے سے بہت پریشان تھا اور کسی غمگین بچہ کی مانند سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا اناطولیہ سے برابر خبریں آرہی تھیں اور اخبارات بڑی بڑی خبریں شائع کر رہے تھے، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ خبریں صحیح تھیں یا غلط اور کیا یہ اطلاع صحیح تھی کہ احسان " اضہ بازار" میں ہے یا غیر صحیح۔

اپریل کے پہلے ہفتہ میں۔ میں گاڑی پر سوار ہو کر استنبول گیا اور احمد آغا سے جا کر ملا احمد آغا نے سر کو حرکت دیکر کہا زینب اور ان لوگوں کے درمیان جو اسکدار میں مقیم ہیں سلسلہ پیام رسانی منقطع ہو گیا ہے اور اب زینب کے ہاں کوئی نہیں آتا۔

ایک ہفتہ کے بعد مجھے اس سے بھی زیادہ مایوس کن خبرین ملین یعنی ایک روز مضطرب و پریشان حال احمد آغا میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ اُس کے ایک ہم وطن پولیس کے آدمی نے بتلایا ہے کہ حکومت کو سمرنا کی ایک عورت کا پتہ چلا ہے جو اسکدار کے اطراف مین رہتی ہے اور جو آستانہ اور اناطولیہ کے درمیان پیام رسانی کا واسطہ ہے یہ عورت اعلانات بھی شائع کرتی ہے اور اناطولیہ کی تحریک کا پروپیگنڈا بھی کرتی ہے اُس کی نسبت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ گھرون مین پڑھانے کا پیشہ بھی کرتی ہے حکومت اس عورت کو تلاش کر رہی ہے اور اُس کی تلاش مین پوری قوت سے کام لیا جا رہا ہے۔

یہ خبر سُن کر مین نے اپنے دل مین کہا کہ یقیناً وہ عائشہ ہی ہے اور اگر حکومت اُسکو پا گئی تو لازمی طور پر اُس کو فوجی عدالت موت کی سزا دے گی یا کم از کم پانچ یا دس سال قید کی سزا، اس سے پہلے چونکہ فوجی عدالت کئی عورتون کو سزا دے چکی تھی اس لئے یہ خیال میرے دل مین جڑ پکڑ گیا اور میرا اضطراب بہت بڑھ گیا، پھر خیال ہوا کہ ممکن ہے عائشہ میری صحت کے انتظار مین ابھی تک اسکدار مین مقیم ہو اور اناطولیہ نہ گئی ہو اور وہین اپنی تحریک مین مشغول ہو لیکن آہ مین اُس کو کہان ڈھونڈون اور کیونکر اُس تک پہنچون اُسنے اپنے خط مین لکھا تھا کہ وہ ”چاملیجہ“ مین سیفی سے ملی تھی اس بنا پر مین کہہ سکتا ہون کہ اگر عائشہ اناطولیہ نہ گئی ہوگی تو یقیناً وہ ”چاملیجہ“ کے اطراف ہی مین مقیم ہوگی کیونکہ وہین سیفی کا قیام ہے پھر خیال ہوا کہ ممکن ہے سیفی کو بھی حکومت گرفتار کرنا چاہتی ہو اور اُس کی گرفتاری کے احکام بھی جاری ہو چکے ہون اور وہ بھی کہین چھپ گیا ہو، آہ عائشہ تک پہنچنے کا آخر کونسا ذریعہ ہے، آج مین نے اچھی طرح محسوس کیا کہ واقعی میرے جسم پر آتشین پیراہن ہے مین روزانہ اُن اطراف مین جاتا جو اسکدار کی آبادی اور خرابون کے درمیان واقع ہین اور تنگ و تاریک گلیون مین کھڑا ہو کر دیر تک ادہر اُدہر دیکھتا رہتا پھر اُن چھوٹے چھوٹے گھرون مین جاتا جن کی چھتین درختون کی شاخین ڈالکر بنائی گئی تھین اور پھر اُن چھوٹی چھوٹی جھیلون یا پانی سے بھرے ہوئے گڑھون پر جن کے گرد گھاس جمی ہوئی تھی کھڑا ہو کر چارون طرف نظر ڈالتا اور اُن عورتون کو غور سے دیکھتا جو کالی چادر سر پر ڈالے ادہر اُدہر آتی جاتی تھین، یہان تک کہ مین اپنی آوارہ گردی اور خلاف تہذیب طریقہ پر عورتون کو غور سے دیکھنے پر نشانہ ملامت بھی بنایا جاتا اور عورتین مجھکو بُرا بھلا بھی کہتین چنانچہ ایک دفعہ ایک عورت نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”خدا کرے تیری آنکھین پھوٹ جائین تو یہان کیا دیکھتا پھر رہا ہے؟ کیا تو انگریزون کا جاسوس ہے؟ اگر نہین تو پھر بتلا تو کون ہے؟“۔ آہ مین نے سب جگہ عائشہ کو ڈھونڈا لیکن کہین اُس کا پتہ نہ پایا اسی طرح سخت رنج و

الم کی حالت مین مین نے ایک ہفتہ گذارا، ہفتہ کے آخری دن مین اسکدار کی بندرگاہ پر پہنچا تاکہ اسٹیمر پر سوار ہون کہ یکایک میری نظر سیفی پر پڑی جو روشنی میں تیزی سے میری طرف بھاگا چلا آرہا تھا اسوقت اُس کے سر پر سیاہ ٹوپی تھی جب وہ قریب آگیا تو مین نے اُس کی گردن کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح پانی مین ڈوبنے والا نجات حاصل کرنے کے لئے کسی چیز کو پکڑ لیتا ہو، آخر ہم دونون اسکدار کی طرف روانہ ہوئے مین بدستور اُس کی گردن مین اپنے ہاتھون کو حمائل کئے ہوئے تھا کیونکہ سیفی میرے لئے اسوقت ایک نعمت غیر مترقبہ تھی سیفی نے مجھے متنبہ کرتے ہوئے کہا۔

"لوگ تمھاری اس حرکت سے مشکوک ہوجائین گے، تم میری گردن سے اپنے ہاتھ الگ کرلو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو" مین نے سیفی کی تنبیہ کی پروا نہ کی اور بدستور اُس کی گردن مین حمائل رہا کیونکہ میرا خیال تھا کہ مین نے سیفی کو پاکر عائشہ کے ہاں اُس عائشہ کے دامن کو پکڑ لیا ہو جو مجھ سے دُور دُور رہنا چاہتی تھی الیسی حالت مین مین کیونکر سیفی کو چھوڑ سکتا تھا، بہرحال سیفی کو پاکر میرا اضطراب رفع ہوگیا اور سکون و طمانیت حاصل ہوگئی آخر ہم دونون جہاز سے اُتر کر ایک رکشا (ہاتھ گاڑی) مین سوار ہوئے اور سیفی کے مکان پر پہنچے سیفی نے زینب کے ہان آنا جانا اس لئے بند کردیا تھا کہ پولس اُس کی فکر مین تھی اور اس لئے کہ پولس کو عائشہ کا حال معلوم ہوچکا تھا۔

مکان کے اندر داخل ہوکر مین نے دیکھا کہ عائشہ فرش پر بیٹھی ہو اور سیفی کی والدہ کے لئے قہوہ بنارہی ہے۔ مین نے عائشہ کے ہاتھون کو بوسہ دیا اور بے اختیار میری آنکھون سے اُس کے ہاتھون پر آنسو ٹپک پڑے پھر مین نے سیفی کی ماں کے ہاتھون کو چوما، عائشہ پر میری آنکھون سے آنسو جاری دیکھکر رقت طاری ہوگئی اور مین نے دیکھا کہ اسوقت عائشہ کے چہرہ پر رقت قلب کے آثار نمایان ہین اور اُس کی آنکھین کشادہ ہوگئی ہین باین ہمہ کہ عائشہ بہت متاثر تھی لیکن وہ روئی نہین بلکہ اسوقت ہم سب مین صرف عائشہ ہی ایک ایسی ذات تھی جو ضابط و صابر اور خاموش نظر آتی تھی۔

اسوقت ہمارا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ ہم جسقدر جلد ممکن ہو اس مکان کو چھوڑ دین اور اناطولیہ کی طرف روانہ ہوجائین، روانگی کے لئے جو تجویز ہمنے قرار دی وہ یہ تھی کہ کاشتکارون سے ہم ایک گاڑی اور ڈیل خریدلین اور تینون آدمیون (مین، سیفی اور عائشہ) کے لئے دیہاتی وضع کے کپڑے ہم پہنائین اور اس صورت مین ہم اصنبازار کی طرف روانہ ہون، جب ہم اس تجویز کے موافق گاڑی پر سوار ہوکر

اور صحرا نوردی پر پہنچ جائیں گے تو گویا ہم کو اطمینان حاصل ہو جائیگا کیونکہ وہ مقام ہمارے بھائیوں اور بے قاعدہ جماعتوں کے اثر و اقتدار میں داخل تھا۔

بروصہ کی ریلوے لائن سے چونکہ عائشہ کو ساتھ لے جانا ممکن نہیں تھا کیونکہ عائشہ کے حالات اور حلیہ سے تمام لوگ واقف ہو چکے تھے اور پولس اُس کی تلاش میں پھر رہی تھی اس لئے ہم نے بروصہ لائن سے سفر کے ارادہ کو ترک کر دیا۔

---

۲۰ نومبر ۱۹۱۹ء

مجھے اسوقت عائشہ کی وہ ہیئت یاد آرہی ہے جو اُس نے اناطولیہ کی طرف روانگی کے وقت اختیار کی تھی یعنی اُس کے چھوٹے سے سر پر سیاہ دوپٹہ تھا جس کے دونوں کناروں کو اُسنے اپنے دیہاتی وضع کے لباس کے اندر چھپا رکھا تھا اور دونوں (ٹھوڑی) سے سر تک گلابی چھینٹ کی ایک پٹی بندھی تھی کبھی کبھی اُس کی آنکھوں کے دونوں زمرد اس طرح آنکھوں کے اندر گردش کرتے نظر آتے تھے جس طرح ڈیڑھ سال کا بچہ آنکھوں کی پتلی (نیلگون حصہ) کو حرکت میں لاتا ہے لیکن ایسا عموماً ایسے خطرناک مواقع پر ہوتا تھا جن سے خوفزدہ ہوکر مجھ پر اور سیفی پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی، اُس کی سیاہ آنکھوں سے حیرت انگیز چمک پیدا تھی اور نگاہوں سے ایسی متانت و سنجیدگی اور حزم و احتیاط نمایاں تھی جیسی کہ مضبوط ارادہ بلند ہمت اور صاحب قدرت اشخاص کی نگاہوں میں پائی جاتی ہے۔

اناطولیہ کے سفر میں آفتاب کی حرارت نے اُس کے چہرہ کا رنگ تانبہ کا سا کر دیا تھا لیکن اُسکے ہونٹ بدستور سُرخ تھے اور اُن کی تروتازگی اور سُرخی پہلے سے بڑھ گئی تھی مختصر یہ کہ اس سفر میں عائشہ ایک خوب صورت کسان عورت تھی۔

عائشہ نے چونکہ اپنے باپ کے کھیتوں میں رہ کر کاشتکاری کے متعلقہ کاموں میں مہارت پیدا کر لی تھی اور مواشی وغیرہ سے وہ مانوس تھی اس لئے اس سفر میں اُس کا سابقہ تجربہ اور مہارت کام آئی اور بیلوں کو ہانکنے اور گاڑی کو چلانے میں اُسنے ہم کو بڑی مدد دی اور آفتاب کی حرارت، تاروں کی روشنی، ویران و خشک جنگلوں اور بعض بعض مقامات پر سرسبز کھیتوں میں اُسنے ہمارے سفر کو بہت آسان کر دیا جب ہم آبادیوں سے گذرتے تو کبھی اُن میں ٹھہرنے کا خیال بھی دل میں پیدا نہ ہونے دیتے تھے بلکہ بہت جلد

میدان مین رات بسر کرتے تھے، ہمارے سامان مین دو بوریان بھی تھین جن مین ہم نے اپنے کپڑے اور ضروری سامان کو بھر رکھا تھا اور تھوڑا سا کوئلہ اُن کے اندر ڈال رکھا تھا تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ کوئلہ کی بوریان ہین۔

عائشہ اور مین نے گاڑی کے اندر گھاس کا فرش بچھا لیا تھا اور ہم باری باری سے سوتے اور پہرہ دیتے تھے اور باوجودیکہ ہم بڑے بڑے خطرون مین گھرے ہوئے تھے لیکن دُنیا مین ہم سے زیادہ کوئی خوش نصیب تھا، کبھی کبھی عائشہ کے چہرہ پر مین دیکھتا کہ پسینہ جاری ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اُس کا چہرہ گھُل رہا ہی اور اُس کی آنکھون کے اندر سیاہی تیز ہوتی جاتی ہی اور کبھی مین اُسکو بچون کے مانند ایک معمولی شغل مین مشغول پاتا تھا مثلاً یہ کہ وہ اپنے بھاری دیہاتی جوتون کو اُتار دیتی اور بچون کی مانند پُرشوق قدمون سے ٹھنڈے اور آب روان یا چشمہ کے پاس جاتی اور اُس مین اپنے بڑے بڑے سفید پاؤن کو دھوتی تھی۔

مقام رقت درہ مین پہنچکر ہم تینون آدمی گاڑی کے بیلون کے قریب کھڑے ہوگئے اور سمندر پر آخری نظر ڈالی، ازمیت کا ساحل صاف سامنے نظر آرہا تھا جس کے دونون جانب زیتون کے چھوٹے چھوٹے درختون کی سبزی دکھائی دے رہی تھی پھر دیکھا کہ خلیج ازمیت کا نیلگون وسعادتمند پانی روشن و منور آستانہ کی جانب بہہ رہا ہے۔ جسوقت ہم اس منظر کو حسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے میری اور سیفی کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری تھے اور مین اسوقت اُن مصائب کے رنج کو محسوس کر رہا تھا جو میرے ہموطنون کو گھیرے ہوئے تھے اور ان مصائب کا حزن مجھکو ستمزا سے زیادہ تھا لیکن عائشہ کی حالت اسوقت ہم سے بالکل مختلف تھی، اُس کی آنکھین آسمان کی طرح صاف تھین اور اُن سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

آخر ہمنے اس چھوٹے سے بحری قطعہ کو رخصت کیا اور اُس کے ساحل کو بوسہ دیکر آگے بڑھے لیکن رخصت ہونے سے قبل میری آنکھون نے سبز نور کی شعاعون کو آستانہ پر ڈالا اور حسرت کیساتھ مین نے ایکبار پھر آستانہ کو دیکھا اسوقت مجھکو اس امر کا یقین ہوگیا کہ مین عائشہ کے ارادہ کا تابع ہون میرے جسم پر جو آتشین پیراہن ہے وہ عائشہ نے پہنایا ہی اور اُس کا آتشین چابک مجھکو ہنکا رہا ہے۔

جبکہ سمندر کا پُرجوش پانی بلندی سے گر کر سطح آب پر جھاگ پیدا کر رہا تھا مین نے پھر آخری مرتبہ اپنی آنکھون کے سیاہ نقطہ سے ایک بڑھیا عورت پر نظر ڈالی جو یقیناً مجھکو یہ کہکر بُلا رہی تھی۔

مجھے اُمید ہی کہ خدا تجھکو اُس آگ سے نجات نہ دیگا جو تیرے سینہ مین بھڑک رہی ہی۔ ہان مجھی یقین ہی کہ خدا تجھکو عمر بھر حسرت و بھوک مین مبتلا رکھیگا۔

(۸)

ایامِ شورش

۱۳ نومبر ۱۹۲۱ء

قومی حرکت کر نشوونما دینے والے اشخاص کے حالات جو واقعی طور پر سالیقون الاولون کے درجہ میں تھے ان سارے علاقون کے لوگون کو معلوم تھے اور بچہ بچہ کی زبان پہ اُن کا نام تھا جب ہم کسی گاؤن سے گذرتے تو اِن لوگون کے حالات اور واقعات وہان کے باشندون سے سنتے یا اُن کے کسی کارنامے کی یادگار وہان موجود پاتے اس راستے سے ہم سے پہلے بہت سی موٹرین جا چکی تھین جن مین مردون اور عورتون کی وہ مفرور جماعتین تھین جو قسطنطنیہ کے مصائب و آلام سے تنگ آکر اناطولیہ مین پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھین۔

راستہ مین بہت سے عجیب غریب منظر نظر آئے کہین ایک سپاہی تیرون کا ترکش پہلو مین ڈالے کسی شخص یا اُن اشخاص سے باتین کرتا نظر آتا تھا جو پہاڑون کے دامن سے یکایک ظاہر ہوتے تھے اور پھر چھپ جاتے تھے ان لوگون کی گردنون مین کارتوسون کی پیٹیان پڑی تھین اور سرون پر منڈھی ہوئی ٹوپیان پہنے ہوئے تھے، کہین دُور سے استنبول کا قافلہ جاتا نظر آتا تھا جو جلد ہی نظرون سے پنہان ہو جاتا تھا، ایک موقع پر ہم نے چند فوجی افسرون کو فوجی وردی مین دیکھا جو گھوڑون پر سوار تھے لیکن گھوڑون کی زینین لکڑی کی اور لگامین رسی کی تھین، اسی طرح ہم نے بہت سے باشندگانِ ملک کو دیکھا جو اپنے سامان کو لئے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

ہم نہایت احتیاط سے لوگون کی نظرون سے بچتے ہوئے سفر کر رہے تھے اور کوئی شخص راہ مین مل بھی جاتا تھا تو ہم اُس سے باتین نہ کرتے تھے بلکہ خاموش گذر جاتے تھے جن دیہات سے ہم گذرے وہان ہم نے سکون و اطمینان پایا اور آمد و رفت مین سہولت نظر آئی، دیہات کے باشندے ہر جگہ ہم سے اندرون اناطولیہ کی خبرین بیان کرتے اور ظاہر کرتے کہ شورش رونما ہو گئی ہے اور جوانان قوم نے یونانیون کو پریشان کرنا شروع کر دیا ہے۔

تین روز کے سفر کے بعد ہم شورش کے علاقہ مین پہنچ گئے اور ہم نے اپنی آنکھون سے اس جدید شورش یا جدّ وجہد کا نمونہ دیکھ لیا۔ لوگ سر سے پانون تک کار توسون مین لدے ہوئے تھے، پہلوؤن مین تلواریں اور طپنچے پڑے تھے۔ بندوقین کاندھون پر رکھی ہوئی تھین اور وہ نہایت چستی اور پھرتی کے ساتھ ایسی تیزی سے جا رہے تھے گویا اُن کے پانون مین کمانیان لگی ہوئی تھین، یہ بہادر سپاہی کبھی اپنی بندوقین کو کاندھون پر رکھ لیتے اور کبھی اُن کو ہوا مین اپنے سرون پر حرکت دیتے تھے، اگرچہ یہ لوگ مختلف کام کرتے تھے اور ان کی خدمات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھین لیکن سب کی آنکھون سے شعلے نکل رہے تھے ان مین اُن بے قاعدہ جماعتون کے لوگ بھی تھے جو عرصہ دراز تک تھریس اور مقدونیہ کے پہاڑون مین بلغاریون سے لڑتے رہے ہین اور بے قاعدہ جنگ کے ماہر ہو گئے ہین، ان جماعتون مین افسر بھی تھے اور ماتحت سپاہی بھی۔

عائشہ نے جب ان لوگون کو دیکھا تو ابتدا مین تو اُن کے طریق کار پر اسکو بہت تعجب ہوا لیکن کچھ دن اُن سے مانوس ہو گئی اور اُن کے کامون کو دلچسپی کی نظر سے دیکھنے لگی، شورش کے علاقہ مین داخل ہو کر ہم اس امر پر مجبور ہوئے کہ اپنے راز کو ظاہر کر دین۔ چنانچہ ہمکو یہ بیان کرنا پڑا کہ عائشہ "میجر جلال بک" کی بہن ہے اور انگریزون کے خوف سے بھاگ کر آئی ہے۔ عائشہ کو اُس کے دیہاتی وضع کے لباس نے نوجوان اور خوبصورت بنا دیا تھا لیکن جو شخص اُس کے دردناک واقعہ کو سنتا تھا غیظ وغضب سے اُس کی آنکھون سے شعلے نکلنے لگتے تھے اور انتقام کا جذبہ اُسکو بے چین کر دیتا تھا، یہان تک کہ عائشہ ان لوگون کی نظرون مین سمرنا کی آزادی کے جہاد کا ایک مقدس جھنڈا بن گئی تھی۔

دیہات کے کاشتکار اس مہم جدّ وجہد کے مقابلہ مین بالکل ہیچ بلکہ نافرد خوف زدہ تھے اور اپنے کھیتون کے کام مین مشغول رہتے تھے۔

جب ہمارے اور "اضہ بازار" کے درمیان صرف ایک منزل باقی رہ گئی تو مقام "قندیرہ" کے علاقہ کے ایک گانون مین ہو کر ہم گذرے جہان ہمکو اناطولی بھائیون کی ایک جماعت ملی واقعہ یہ ہوا کہ بہت صبح سویرے ہی جبکہ مرغ اذان دے رہا تھا ہم اُٹھے اور روانگی کے لیے تیار ہی ہو رہے تھے کہ ہمکو اُس قدر میدان مین جو ہمارے مقابل تھا سبز ٹیکری پر کچھ لوگ دکھائی دیے اُن کے سرون پر اسوقت سرخ سرخ ابر کے ٹکڑے تھے اور اُن کا سایہ بنفشی رنگ پیدا کر رہا تھا، چند منٹ مین یہ سوار ہمارے قریب

پہنچ گئے ، ہم نے دیکھا کہ یہ آٹھ سوار تھے اور سمندر کے باشندگان ساحل کا سا سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے ان میں سے ایک نوجوان جو غالباً ان کا افسر تھا آگے تھا پہلے تو یہ ہمارے قریب سے گذر کر تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے لیکن پھر پلٹے اور ہمارے قریب آکر ہم کو سلام کیا۔

اسوقت عائشہ انکو اپنی سیاہ آنکھوں سے دیکھکر مسکرا رہی تھی اور سواروں نے اپنے نوجوان افسر کو چاروں طرف سے احاطہ میں لے رکھا تھا ، نوجوان افسر کا چھوٹا سا مستطیل داڑھ تھا اور گلگون رخسارے اسکے رخساروں اور ٹھوڑی میں خوبصورت اور دلکش جھائیاں تھیں ، دانت خوبصورت اور چمکدار تھے اور وہ خالص عربوں کی زبان میں گفتگو کر رہا تھا

سواروں نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا تم نے راستہ میں ایک عورت اور دو مردوں کو کہیں دیکھا ہے جو آحشنا سے بھاگ کر آرہے ہیں ؟

پھر انھوں نے بتلایا کہ عورت کا نام عائشہ ہے ، عائشہ نے اپنا نام سنکر مسکراتے ہوئے سواروں پر نظر ڈالی جو یقیناً ان سواروں کے دل میں اتر گئی ہوگی ، شورش کے علاقہ میں داخل ہوتے ہی عائشہ کے چہرہ پر ترو تازگی پیدا ہوگئی تھی اور اس کا چہرہ بچوں کے چہروں کے مانند ترو تازہ ہوگیا تھا اس لئے اس کے مسکرا کر دیکھنے کا یقیناً ان سواروں پر اثر پڑا ہوگا پھر عائشہ نے کہا۔

بھائیو ! عائشہ میں ہوں۔

سوار عائشہ کے موزوں لب لہجہ سے حیرت میں رہ گئے اور سبھوں نے جھک کر مذہبی اخلاص کیا اس کے بعد دیگرے اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور پھر اس کے ہاتھ کو عزت کے ساتھ اپنے سروں پر رکھا ، سواروں کی یہ جماعت احسان کے ان بے ضابطہ سپاہیوں سے تعلق رکھتی تھی جو کیوہ مقام پر دشمنوں سے لڑ رہی تھی اور احسان نے ان کو ہمارے استقبال کے لئے روانہ کیا تھا۔

تعارف کے بعد سب سے پہلے ہم نے سواری کے لئے تین گھوڑوں اور باربرداری کے لئے چند چوپایوں کا انتظام کیا پھر اپنی گاڑی اور بیلوں کے مسئلہ پر نظر ڈالی اور اس کے بعد ہم اضہ بازار کی طرف روانہ ہوئے اضہ بازار تک ہمارا تین روز کا سفر ہمارے سارے سفر سے زیادہ راحت بخش تھا۔

مختصر یہ کہ ضروری سامان فراہم کرکے ہم روانہ ہوئے اسوقت ہم ایک ایسی وادی میں تھے جس کے اندر کثرت سے پست و بلند ٹیلے تھے ، عائشہ دیہاتی عورتوں کی طرح مضبوطی سے گھوڑے پر سوار تھی اور ہمارا

جبکہ ہمراہی سواروں کا افسر احمد رفقی بھی اپنے ساتھیوں سے باتیں کرتا اطمینان سے ہمارے ساتھ چل رہا تھا راستہ میں ایک گہرا نالہ پڑا جس کے سامنے جھاڑیاں اور خاردار گھاس پھیلی ہوئی تھی اور ہم اسکو عبور کرنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ میں نے گولی کی آواز سنی اور ایسا محسوس ہوا کہ گولی میرے کان کے قریب سے نکل گئی ہے گولی کی آواز سنکر ایک لمحہ کے اندر میں نے دیکھا کہ احمد رفقی کے ہمراہی گھوڑوں سے کود کر چٹانوں کے پیچھے جا چھپے فوراً احمد رفقی نے عائشہ کو گھوڑے کی پشت سے کھینچکر ایک محفوظ جگہ میں پہنچا دیا، اسی طرح ہم نے بھی کیا اور پتھروں کے پیچھے ہم بھی زمین پر لیٹ گئے اطمینان کی جگہ پر پہنچکر ہمارے سوار ساتھیوں نے نیشکر کے اُن درختوں کی طرف جو سامنے تھے اپنی بندوقوں کو سیدھا کیا اور دشمن کا انتظار کرنے لگے پھر ہم نے ایک بندوق کی نال کو دیکھا جس کا دہانہ ہماری جانب تھا اور معاً کسی شخص کو سخت لب لہجہ اور بھرائی ہوئی آواز میں یہ کہتے ہوئے سُنا۔

اپنی بندوقوں کو دور پھینکدو اور زمین پر لیٹ جاؤ۔

احمد رفقی نے بلند آواز میں نوجوان اور صاف دل شخص کی طرح جواب دیا۔

کمینو آؤ اگر تم میں جرأت و طاقت ہو تو ہم کو پکڑ لو۔

بھرائی ہوئی آواز والا شخص احمد رفقی کا جواب سنکر گالیوں پر اتر آیا اور دیر تک احمد رفقی اور اس کے درمیان گالیوں کی جنگ جاری رہی آخر میں احمد رفقی نے چلا کر اس سے کہا۔

کتو بھاگ جاؤ ورنہ تمہاری کھال اُدھیڑ کر رکھدوں گا۔

احمد رفقی نے یہ کہکر اپنے ماتحت سواروں کو فائر کا حکم دیا اور دونوں طرف سے گولی چلنے لگی بندوقوں کی جنگ کے ساتھ گالیوں کی جنگ بھی جاری تھی یکایک احمد رفقی نے چلا کر کہا۔

محترمہ عائشہ خبردار سر اوپر نہ اُٹھانا۔

آخر چند منٹ کے بعد ہم نے دیکھا کہ نیشکر کے کھیت کے اندر چھپے ہوئے دشمنوں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور ہماری جماعت نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور چلا کر کہا ہاں آگے بڑھو اور ان پر حملہ کردو۔ معاً تمام سواروں نے دشمنوں پر حملہ شروع کر دیا اور کئی بار متواتر گولیاں برسائیں دشمن کے آدمیوں میں سے ایک مارا گیا جسکی نعش کو وہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہماری جماعت میں صرف ایک شخص زخمی ہوا جس کی ران میں گولی لگی تھی فوراً عائشہ نے اپنے سامان میں سے ایک شیشی نکالی جسمیں ٹنچر آیوڈین بھرا ہوا تھا اور پھر روئی اور ضماد کو نکالا اور مجروح

سپاہی کے زخم کو دھو کر اُس پر دوا چھڑکی اور روئی کا پھاہا رکھ کر زخم کو باندھ دیا۔ عائشہ زخم کو باندھ رہی تھی اور تمام سوار اُس کے چاروں طرف کھڑے حیرت سے اُس کو دیکھ رہے تھے اور اپنے قلوب میں اُس کی محبت اتنی پاتے تھے جو عبادت کی حد تک پہنچ گئی تھی۔

اس کے بعد ہم نے مجروح سوار کو گھوڑے پر بٹھایا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ جب ہم مقتول دشمن کی نعش کے قریب پہنچے تو سب کی نظریں عائشہ کے چہرہ کی طرف اٹھ گئیں اور ہم سب یہ دیکھکر حیران رہ گئے کہ اس خونی منظر نے نہ تو عائشہ کو پریشان کیا اور نہ اس کے چہرہ پر گھبراہٹ کی کوئی علامت نظر آئی۔ عائشہ کی اس خوبی نے احمد رتقی کے ساتھیوں پر بڑا اثر ڈالا اور پھر وہ کبھی عائشہ کو نہ بھولے۔

جب ہم کسی گاؤں کے قریب پہنچتے تو ہم وہی جماعت کے چند آدمی گاؤں میں جاتے اور اپنی جیبوں میں انڈے، پنیر اور دوسری اچھی اچھی چیزیں عائشہ کے لئے بھر کے لاتے اور اُس کی خوب خاطر کرتے تھے ہم میں سے ہر شخص سگرٹوں کی ڈبیہ عائشہ کی خدمت میں اس خیال سے پیش کرتا کہ وہ سگرٹ لے کر اُن کی عزت بڑھائے گی، لیکن عائشہ کسی کی دلشکنی کے خیال سے آنکھیں بند کر کے ہاتھ بڑھاتی اور جس کی ڈبیہ پر اُس کا ہاتھ پڑ جاتا اُسی میں سے سگرٹ لے لیتی تھی اور وہ شخص جس کی ڈبیہ اس عزت کی مستحق قرار پاتی تھی اُس کے قریب کھڑا ہوا فخر و مسرت کیساتھ اُس کو دیکھتا تھا گویا اُسکو کوئی تمغہ یا سرکاری نشان مل گیا ہے۔

مختصر یہ کہ تمام لوگ انتہا درجہ کے سادہ اور مخلص و خوش مزاج تھے وہ راستہ میں اُن خونریز معرکوں کے حالات بھی ہم کو سناتے تھے جو وقوع میں آچکے ہیں اور اُن کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے، گویا اس قسم کے واقعات یا معرکے اُن کی نظر میں ایک معمولی بات تھی۔ بے قاعدہ سپاہ کے یہ سوار نہایت شجیع تھے اور مصائب کو برداشت کرنے کی اُن میں غیر معمولی قوت تھی وہ ہر وقت اپنے مضبوط ارادوں سے اس امر پر آمادہ رہتے تھے کہ مصائب کا مقابلہ کریں۔ ان کی شورش نہایت سادہ اور جائز طریقوں پر مبنی تھی، اُن کا خیال تھا کہ غیر قوموں کی ایک جماعت نے التوائے جنگ کے نام سے ترکوں کو دھوکہ دیا ہے اور ناجائز طور پر وہ اُن کے ملک میں گھس آئے ہیں اور جو کچھ اُن کو ملا ہے وہ اُس پر اپنا قبضہ کر لیتے ہیں۔

شورش کے رہنماؤں اور وطن پرست ترکوں نے عہد کر لیا تھا کہ جنگی ذخائر کو حاصل کرنے میں خواہ اُن کو کتنی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑیں لیکن بایں ہمہ وہ نہایت شوق و رغبت کے ساتھ وطن کی مدافعت کے حقوق کو ادا کریں گے اور جس طرح ممکن ہوگا وہ دشمن کو اذیت و تکلیف پہنچائیں گے۔

عائشہ نے ان وطن پرست افراد کے خصائل و خصائل کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا یعنی وہ انکی خوبیوں سے اتنا واقف تھی کہ کوئی دوسرا اتنا آگاہ نہ تھا عائشہ کی روح آزادی جس نے سمرنا کے پہاڑوں کی وسیع وادیوں میں نشوونما حاصل کی تھی، جیش آزادی کو اس کی خوبیوں اور کمزوریوں کے ساتھ بہت محبوب رکھتی تھی۔

اناطولیہ کے راستہ میں عائشہ کو جن لوگوں سے ملنے کا موقع ملا تھا ان سب میں احمد نقی اس کے نزدیک ایک صاف باطن اور خوبصورت لڑکا تھا، عائشہ کا عقیدہ تھا کہ احمد نقی سمرنا کی حقیقی سپاہ کا ایک فرد ہے اور اس نے یہ عہد کیا ہے کہ وہ اسوقت تک جیش سمرنا کا سپاہی رہیگا جب تک کہ اسکی آنکھوں کا نور باقی رہیگا۔

اسوقت کہ میں شفاخانہ میں پڑا ہوں گویا اب بھی عائشہ اور احمد نقی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار پہلو بہ پہلو چلے جارہے ہیں اور گھنٹوں تک باتوں میں مشغول دمنہک رہتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ احمد نقی کے دل میں عائشہ کی محبت نے جگہ لے لی ہے جس میں ادب و احترام اور حمایت و حفاظت کا جذبہ بھی شامل ہے۔ عائشہ بھی آخری وقت تک بڑی بہن کی طرح احمد نقی سے محبت کرتی رہی اور اسی طرح کی شفقت و محبت سے اس سے پیش آئی جس طرح کہ ایک ماں اپنے بچوں سے پیش آتی ہے۔

تھوڑی رات گذرنے پر ہم "اصنہ بازار" کے قریب پہنچے۔ "اصنہ بازار" کی شورش کی حالت روزانہ بلکہ ہر گھنٹہ بدلتی جاتی تھی اور شورش برابر ترقی حاصل کررہی تھی اسوقت "اصنہ بازار" کا میدان، البانی، چرکسی، ابازی اور ترکوں کی جولانگاہ بنا ہوا تھا اور روزانہ ایک قوم دوسری قوم سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھی جیسا کہ دیہاتی باہم وقتاً فوقتاً لڑتے رہتے تھے اور جو فریق ان میں غالب آجاتا تھا حکم و اقتدار اسی کے ہاتھ میں آجاتا تھا اور دوسرا فریق ہر چیز سے دست بردار ہوجاتا تھا۔

احمد نقی جب ان لوگوں کے حالات بیان کرتا تو بہت ہنستا تھا ایک موقع پر اسنے بیان کیا کہ سب سے بڑی مصیبت وہ کاشتکار ہیں جو اپنے خوفناک آلات کشاورزی لے کر آتے ہیں ان میں سے جب کوئی کسی کے سر پر کوئی کاشتکاری کا آلہ ماردیتا تھا تو سر پاش پاش ہوجاتا تھا لیکن غنیمت یہ ہے کہ ابھی ان میں جوش و غضب پیدا نہیں ہوا ہے اور ان کو غصہ بہت کم آتا ہے کبھی کبھی یہ لوگ دونوں فریق سے ناخوش ہوجاتے ہیں اور ان پر اپنے آلات کشاورزی سے حملہ کردیتے ہیں لیکن اگر ان لوگوں کو حقیقت

مین غصہ آجائے تو حالت بہت خطرناک ہو جاتی ہو یہ حالت آدانہ بازار کی ہو لیکن عنقریب ہم کو مقامات "بولی اور دوزجہ" کی حالت بھی معلوم ہو جائے گی باشندگان اضہ بازار ابتک اپنی روش پہ قائم ہین اور کمین گاہون مین چھپے رہتے ہین اور جب کسی مسافر کو پاتے ہین تو اسکو لوٹ لیتے ہین۔

کچھ رات گئے ہم اُس قہوہ خانہ مین پہنچے جو اضہ بازار سے ایک گھنٹہ کی مسافت پہ اس جانب تھا ہوٹل پہنچکر ہم نے ایک آدمی کو پیدل اطلاع کے لئے اضہ بازار روانہ کر دیا، یہ قہوہ خانہ مستطیل شکل کا تھا اور تاریکی اُس مین چھائی ہوئی تھی بوآ رہی تھی اور اس کے اندر کچا فرش تھا، جو لوگ قہوہ خانہ مین موجود تھے انھون نے آگ جلا کر روشنی کی۔ روشنی مین اِن لوگون پہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ وہ بہت تھکے ہوئے ہین وہ سب کے سب قہوہ خانہ کے ایک گوشہ مین بیٹھے ہوئے ایک بوتل سے اونڈیل اونڈیل کر کوئی سفید سفید چیز پی رہے تھے عائشہ نے اِن لوگون کو دیکھکر پہلی مرتبہ یہ ظاہر کیا کہ اُس کی دور بین نگاہون نے ابھی تک یہ نہین دیکھا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہین اور کیا کرینگے سیفی نے عائشہ کے خیالات کو جانچکر طیش آمیز لہجہ مین کہا۔

"مدافعت ان لوگون سے ناممکن ہو ہان صرف باقاعدہ سپاہ ہی مدافعت کر سکتی ہو"

ہماری جماعت مین ایک اناطولی شاویش (سارجنٹ) بھی تھا جو ایک پرانا سپاہی تھا اور آستانہ سے بھاگ کر اناطولیہ آیا اور وطنی جدوجہد مین شریک ہوگیا تھا اس نے سیفی کے الفاظ سنکر کہا۔

یہ لوگ اگر تین فوجی پولس کے سپاہیون کو دیکھ لین تو ڈر کر بھاگ جائین۔

سیفی کے الفاظ سنکر اُن لوگون کے چہرون کا رنگ زرد پڑ گیا جو قہوہ خانہ مین موجود تھے اور وہ ہماری طرف غمگین نگاہون سے دیکھنے لگے، اِس موقع پہ اگر عائشہ نہ ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ سیفی اور اناطولی سارجنٹ سے اُن لوگون کا جھگڑا ہو جاتا لیکن واقعہ یہ ہو کہ سیفی اور اناطولی سارجنٹ نے جو الفاظ کہے تھے وہ اپنی زبان سے نہین بلکہ ایک ایسی ترکی سپاہ کے سپاہی یا افسر ہونے کی حیثیت سے کہے تھے جسکا وجود اسوقت تک اناطولیہ مین نہ تھا، عائشہ نے اِس نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے بلند آواز مین کہا۔

کیا یہ لوگ لشکر نہین ہین؟ اور کیا وہ فوجی پولس جو اِن کو اذیت رسانی کا قصد رکھتی ہو انگریزون اور یونانیون کے سوائے کوئی اور شئے ہو؟ ہان بلاشبہ یہ لوگ استقلال کا لشکر ہین ہان یہ تمام لوگ سمرنا کے استقلال کے لشکر مین داخل ہین ہان یہ سب لوگ قوم کے لشکر کی سب سے پہلی جماعت ہین۔

عائشہ پُر جوش لہجہ مین یہ الفاظ کہہ رہی تھی اور شعلہ زن آگ کے سایہ مین کھڑی تھی، اُس کی کالی کالی

آنکھیں چھینٹ کے دیہاتی رومال کے نیچے سے چمک رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی آنکھیں بچوّں کی سی آنکھیں ہیں کیونکہ اُن سے شباب کی چمک اور زندگی کی تازگی نمایاں تھی، عائشہ کے الفاظ نے اُن لوگوں پر جو قہوہ خانہ میں موجود تھے بڑا اثر کیا وہ لوگ اپنی اپنی جگہ سے اُٹھے اور عائشہ کے گرد جمع ہو گئے وہ اسوقت بہت خوش تھے اور اپنی حرکات و سکنات سے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ اُس کی اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ آہ اے محبوب سمرنا! آہ اے آتش فشاں سمرنا کیا ہم تیرا جلوہ عائشہ کی شخصیت میں دیکھ رہے ہیں کہ اُس سے متاثر ہو کر ہم تیرے لئے آگ کے شعلوں میں کود رہے ہیں یا ہم اپنا سُرخ سُرخ خون سرسبز و شاداب سمرنا کے لئے اس لئے بہا رہے ہیں کہ عائشہ اُس کے پہاڑوں کی اولاد ہے اور اُن میں عائشہ نے پرورش پائی ہے۔

پھر ہم نے قہوہ خانہ کے اندر عائشہ کے لئے تکلف سے میز پر اُبلے ہوئے انڈے، اور پنیر وغیرہ خاص اہتمام سے چُنے اور عائشہ نے اطمینان سے کرسی پر بیٹھکر اس سادگی سے ان چیزوں کو کھایا جس طرح بچے بے تکلفی سے کھاتے ہیں قہوہ خانہ کے دیہاتی لوگ عائشہ کے سامنے فرش خاک پر حلقہ باندھے بیٹھے تھے اور احمد رفقی اُس کے مقابل ایک چھوٹی سی کرسی پر بیٹھا تھا، احمد رفقی کبھی سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتا اور کبھی پیچھے مڑ کر اپنے خیال میں محو ہو جاتا تھا۔

اب عائشہ اُس زمانہ کی عائشہ نہیں رہی ہے جبکہ وہ غم و الم کا ایک خاموش مجسمہ تھی بلکہ اب تو وہ آگ کا ایک شعلہ ہے اُس میں نوجوانوں کی سی روح پیدا ہو گئی ہے اور وہ اپنے اندر اتنی قوت و ہمت رکھتی ہے کہ دُنیا کی وسعت اُس کے لئے کافی نہیں ہے۔

انگیٹھی کی آگ جب شعلہ زن ہوتی تو آٹھ سیاہ بازو عائشہ کی خدمت میں سگریٹ پیش کرنے کے لئے دراز نظر آتے، احمد رفقی نے میز کا سہارا لے کر سر کو میز سے لگا رکھا تھا اور تبسم اُس کے ہونٹوں پر کھیل رہا تھا کہ یکایک دروازہ کھلا اور ہم نے قدموں کی آہٹ اور مہمیز کی آواز سُنی اور فوراً ہماری نظریں آنے والوں کی طرف اُٹھ گئیں، آنے والا دروازہ پر کھڑا تھا اُس کے ہاتھ میں چابک تھا اور اس منظر کو وہ نہایت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہم نے غور سے اُس کو دیکھا اور پھر سب نے بلند آواز میں یک زبان ہو کر کہا۔

احسان بک...... احسان بک

احسان وہی نوجوان میجر تھا جو ہماری تحریک کا سرگرم رکن تھا وہ شخص تھا اسوقت اُس کے ساتھ اُسکی ماتحت

سپاہ کے دو سوار تھے اور وہ گروہ زادہ تھا اُس کا خوبصورت چہرہ آفتاب کی تپش سے سیاہ ہوگیا تھا اور سختی و بے رحمی کے آثار اُس کے چہرہ پہ پیدا ہوگئے تھے اور اسوقت تو وہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ایک خوفناک عافیت کُش یا مجسمہ ہو۔

قہوہ خانہ کی جماعت نے جب احسان کو دیکھا تو وہ پسوؤں کی طرح اُڑ گئے اور میدان صاف ہوگیا، احسان نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو عائشہ کے سامنے ڈال دیا اور اُس کے ہاتھوں کو پُرجوش اور احترام کے طریقوں سے چومنے لگا، ہاں بالکل اُسی طرح مذہبی خضوع و خشوع کے ساتھ اُس نے عائشہ کے ہاتھوں پر بوسہ دیا جس طرح اُس روز اُس نے بوسہ دیا تھا جبکہ عائشہ سمرنا سے آئی تھی اور آستانہ کی بندرگاہ پر احسان نے اُسکو دیکھا تھا

باہمی گفتگو اور غور و فکر کے بعد ہم نے قرار دیا کہ عائشہ کو اُس مکان میں ٹھہرایا جائے جو احمد بازار کے اُدھر موضع "دوغان جائے" کے قریب واقع ہو اور یہ کہ عائشہ بالفعل اُس چھوٹے سے شفاخانہ میں جو دوغان جائے کے اندر چند اشخاص کے معالجہ کے لئے قائم کیا گیا ہو ایک نرس کے طور پر کام کرے اور اُن مجاہدوں کی خدمت کرے جو احسان کی ماتحت سپاہ میں سے زخمی ہوں اور شفاخانہ میں علاج کے لئے بھیجے جائیں لیکن ایک مشکل یہ درپیش تھی کہ احمد بازار میں داخل ہوئے بغیر کیونکر عائشہ کو دوغان جائے پہنچایا جائے، احسان بک نے یہ رائے ظاہر کی کہ وہ اور عائشہ دونوں دیہاتیوں کے لباس میں راستہ کو طے کریں، احمد رفقی نے کہا کہ وہ اور اُس کے آٹھ آدمی اِس خدمت کو انجام دیں گے اور عائشہ کو دوغان جائے تک پہنچا دیں گے خواہ اُنکو کہیں لڑنا بھی پڑے، احمد رفقی نے یہ ارادہ ظاہر کرتے ہوئے آخر میں مسکرا کر کہا۔

احسان بک ابکی مرتبہ ہم سب کے سب زخمی ہونگے اور یہیں عائشہ ہمارے زخموں کی مرہم پٹی کریگی، احسان کا چہرہ مسرت سے چمک اُٹھا اور اُس نے عائشہ کی طرف دیکھا، عائشہ کی نگاہوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اِس امر کی خواہشمند ہے کہ سب لوگ احسان، احمد رفقی اور اُس کے سوار ساتھ چلیں پھر احسان نے احمد رفقی کی طرف دیکھا اسوقت احسان کی نظریں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ احمد رفقی کو ایک بہادر اور جانباز افسر خیال کرتا ہے اسکے بعد احسان نے میری طرف توجہ کی اور دریافت کیا۔

پیامی تم بھی کہو، بحیثیت ہمارے ایک بھائی کے تمھاری کیا رائے ہے۔

احسان کے الفاظ ختم ہوتے ہی دیکھا گیا کہ انگیٹھی کی خفیف روشنی میں جو اُس دھوئیں کے نیچے روشن تھی جس نے قہوہ خانہ کی فضا کو تاریک بنا رکھا تھا عائشہ کی دونوں زردرین آنکھوں کے درمیان شکن پڑ گئی

ہوئی ہے اور چہرہ پر غیر معمولی جوش نمایاں ہے۔ پھر عائشہ نے ہم سب کو مخاطب کرکے کہا۔

کیا میں تمھاری فوجوں کی خدمت گذار نہیں ہوں؟ تمھارا فرض ہے کہ فوراً روانگی کا وقت مقرر کرو عورت اور اُس کی فطری کمزوری میں نہایت مضبوط تعلق ہے اور عورتیں خواہ کتنی ہی لکھ پڑھ جائیں لیکن پھر بھی وہ فوج کے مقابلہ میں بچوں کی مانند ہیں، ہاں وہ خواستگارِ ہمدردی بچوں کے مانند اور زمین کے بچوں کے مانند

عائشہ کے الفاظ سنکر ہم سب نے قرار دیا کہ رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھایا جائے اور ہم رات کو روانہ ہوں اور اصفہ بازار کو پُشت پر چھوڑ کر "دوعان جائے" کی طرف بڑھیں، چنانچہ رات کی تاریکی میں گھوڑوں پر سوار ہوکر ہم روانہ ہوئے، اسوقت عائشہ میری حمایت سے باہر تھی کیونکہ احمد رفقی اور احسان نے اُس کو اپنی حمایت میں لے لیا تھا، دو سوار بطور طلیعہ کے ہمارے آگے تھے تاکہ وہ خطرہ کو پیشِ نظر رکھیں اور جب کوئی خطرہ محسوس کریں تو ہوا میں فیر کرکے ہم کو اُس سے آگاہ کردیں۔ عائشہ، احمد رفقی اور سیفی کے درمیان تھی اور اُن کے پیچھے میں اور احسان تھے۔

اصفہ بازار کا دلدلی میدان اور وہ خاردار جھاڑیاں جو متفرق طور پر کثرت سے میدان میں پھیلی ہوئی ہیں مجھے کبھی نہ بھولیں گی اور سب سے زیادہ مجھے یہ بات یاد رہیگی کہ میں اُسوقت احسان کی قلب کی دھڑکن کو سُن رہا تھا، احسان میرے پہلو میں تاریکی کے وسط میں خاموش چل رہا تھا اور اُس کا دل اس زور سے دھڑک رہا تھا کہ میں اُس کی آواز کو اچھی طرح سُن رہا تھا، غریب احسان اسوقت قلق و اضطراب کی آندھیوں میں گھرا ہوا تھا لیکن اُسنے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اسوقت وہ بالکل خاموش رہیگا گویا وہ ایک مطیع قیدی ہے جو کسی کے اشارہ پر چل رہا ہے وہ تاریکی میں غور سے اُس شکل کو دیکھتا جو اُس کے آگے چل رہی تھی اور جب عائشہ کو احمد رفقی کی طرف جُھک کر بات کرتے دیکھتا تو اُس کی حالت یہ ہوتی کہ گویا دل کی دھڑکن اور تیز حرکت سے اُس کے سینہ کا کپڑا چاک چاک ہوجائے گا۔ آہ وہ کیسی عجیب و غریب تاریک اور مرطوب رات تھی اور کس قدر طویل تھی جسکو ہم نے خاموشی سے گذارا اور اس حال میں کہ لرزہ ہمارے جسم پر طاری تھا۔ جب کبھی ہم پانی میں سے گذرنے کا ارادہ کرتے تو احسان اپنے گھوڑے کو آگے کرلیتا اور عائشہ کے گھوڑے کی رہنمائی کرتا پھر میں پانی کے اندر گھوڑوں کے قدموں کی آواز اُس تاریک رات میں سُنتا جو روشنی کے آگے آگے بھاگی جارہی تھی گویا طلوع آفتاب کی روشنی تاریک رات کو پتھر مار مار کر بھگا رہی ہے اور وہ بے اختیار بھاگی چلی جارہی ہے۔

آخر جب رات کے آخری حصّہ کی تاریکی کو سپیدۂ صبح نے بھگایا تو سب سے پہلے میری اور احسان کی نظر خوبصورت کاشتکار عورت (عائشہ) کے سیاہ لباس اور خوبصورت چٹی پر پڑی، عائشہ اپنے پاؤں سے گھوڑے کو دبائے ہوئے چلی جا رہی تھی اور سپیدۂ صبح کی روشنی میں غور سے خاموش کسی چیز کو دیکھ رہی تھی، پھر ہم ایک تنگ راستہ سے گذرے جس کے دونوں جانب گنجان درخت تھے، احسان نے اس راستہ پر چلتے ہوئے مضطر لہجہ میں آہستہ سے کہا۔

سیدہ عائشہ کی حالت سے میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ اسوقت خوفزدہ ہے اور اس کے خیال میں یہ دن منحوس ہے اس لئے ہم کو نہایت ہوشیار رہنا چاہئے۔

یہ کہکر احسان نے حکم دیا کہ احمد تحقی طلبہ کی جماعت میں آگے رہے اور ساری جماعت کی رہنمائی کرے اور باقی تمام سوار عائشہ کو چاروں طرف سے گھیر لیں تاکہ اگر کوئی مخالف گولی چلائے تو سوار عائشہ کی ڈھال بن سکیں۔

دوپہر کے وقت ہم منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے، دوتمان جائے کے سامنے کا میدان سرسبز درختوں سے آراستہ تھا اور راستوں پر کثرت سے گرد و غبار، گاؤں کے باہر کچھ عورتیں آفتاب کی کرنوں سے آنکھوں کو بچانے کے لئے آنکھوں پہ ہاتھ رکھے دور سے ہم کو دیکھ رہی تھیں۔ ہم کو سپاہیانہ وضع میں دیکھکر وہ گھروں کے اندر گھس گئیں اور معاً سارے گاؤں میں خطرہ کا شور برپا ہوگیا لوگ گھروں سے نکل کر بھاگنے لگے عورتیں اور بچے سراسیمہ ادھر ادھر دوڑنے لگے، بط اور مرغیاں اڑنے کے ارادہ سے اپنے بازوؤں کو پھٹ پھٹانے لگیں اور کتے بھونکنے لگے۔ ہم نے دیکھا کہ اسوقت گاؤں میں ایک عجیب شور برپا تھا عورتوں اور بچوں کا سیلاب گاؤں کے گرد تیزی سے جاری تھا اور سب بدحواس پھر رہے تھے، احسان نے یہ حالت دیکھکر گھوڑے کو ایڑ دی اور تیزی سے گاؤں کے اندر داخل ہوکر لوگوں سے کہا۔

لوگو! ڈرو نہیں ہم سب میجر احسان کے سپاہی ہیں۔

عورتوں نے جونہی یہ الفاظ سنے دوڑ کر احسان کے پاس پہنچیں اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور بعض نے اس کی مہمیز پہ ہاتھ رکھدیا اور محبت کی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس سے باتیں کرنے لگیں خطرہ کی جو آندھی گاؤں میں اٹھی تھی وہ بیٹھ گئی اور سارے گاؤں میں امن و سکون پیدا ہوگیا مگر مرغیاں ابھی تک اپنے جوش سے چلا رہی تھیں اور بازوؤں کو پھٹ پھٹا کر غبار کو ہوا میں اڑا رہی تھیں، احسان گھوڑے

سے اُتر پڑا اور گانون کی طرف بڑھا۔ اُس کے پیچھے گانون کی ساری عورتون کا جن مین نوجوان اور بوڑھی سب ہی تھین مجمع تھا، عورتون کے ساتھ اُن کے بچے بھی خوش خوش اُن کے ساتھ دوڑ رہے تھے اور اُن کے درمیان ایک ایک دو دو۔ آدمی ہمارے سپاہیون مین سے بھی تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی اس گانون ہی کے رہنے والے ہین یا اسی گانون کی مخصوص سپاہ مین داخل ہین ہم کو دیکھکر گانون مین جو اضطراب پیدا ہوگیا تھا وہ محض اس خیال سے کہ گانون والون نے ہم کو اجنبی طاقت خیال کیا تھا۔

میری نگاہ کو اس مجمع مین جس چیز نے خاص طور پر اپنی طرف جذب کیا تھا وہ اس گانون کی ایک نوجوان لڑکی تھی جو سرخ پائجامہ پہنے تھی اور سر پر ایک چادر تھی اس کی آنکھین بڑی بڑی اور چمکدار تھین اور وہ احسان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، جب گانون کی عورتون نے عائشہ کے گرد جمع ہوکر اُس کو خوش آمدید کہا اور اُس سے بغلگیر ہوئین تو یہ لڑکی اُس لڑکے کے قریب کھڑی رہی جو احسان کے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا تھا اسوقت وہ کسی گہرے فکر مین تھی اور گردن جھکائے کچھ سوچ رہی تھی، احسان نے اُس کو اس حال مین پاکر کہا۔

کذبان تم وہان کیون کھڑی ہو؟ ادہر آؤ اور اپنی بہن عائشہ کے ہاتھ پر بوسہ دو۔

احسان کے بلانے پر کذبان آگے بڑھی، مین نہین کہہ سکتا کہ عائشہ نے اس منظر کو دیکھا یا نہین اسوقت عائشہ بالکل خاموش بیٹھی تھی اور قرائن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گانون کی عورتون نے اُس کے ساتھ جس خلوص ومحبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ اُس سے بہت متاثر ہے۔ بہرحال مین نے دیکھا کہ عائشہ نے کذبان کے بڑے بڑے اور سرخ رخسارون پر اس طرح بوسہ دیا جس طرح ایک بڑی بہن چھوٹی بہن کو پیار کرتی ہے۔

---

۲۳ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء

آج بہت زیادہ سردی ہے اتنی سردی کہ مین اپنی کٹی ہوئی ٹانگون کو برف کی مانند سرد اور منجمد پاتا ہون اور میری انگلیون کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ گویا اب وہ گرم نہ ہون گی۔ مین نے اپنے خادم سالم کو اشارہ کیا کہ وہ ہاتھون اور بازوؤن کو دباکر حرکت مین لائے تاکہ منجمد خون مین حرارت پیدا ہو اور ہاتھ کام

کے قابل ہو سکیں جن جن مقامات پہ پانی بکھرا ہوا تھا وہ سردی سے جم گیا ہے۔ اور اس وقت میں کس قدر حسرت زدہ ہوں کہ نہ تو کچھ ہوں اب وہ حرارت باقی ہے جو مجھ کو گرم کر سکے اور نہ کوئی دلچسپی و محبوبہ اور میرے پاس ہے جس سے مجھے کچھ تسکین حاصل ہو سکے۔

میں نے قصد کیا تھا کہ یادداشت کے لکھے ہوئے آخری حصہ کو پڑھ کر کچھ اور لکھوں لیکن یادداشت میری سمجھ میں نہ آئی کیونکہ دماغ صحیح نہ تھا۔ پھر میں نے میز پر سے صابریہ کا تصویر اٹھایا جو دوغان چیا کے قریب واقع ہے اور اس تصویر نے مجھے پرانی باتوں کو یاد دلایا۔

اب میں اس چھوٹے سے سفید مکان کا حال لکھتا ہوں جسے شفاخانہ بنا لیا گیا تھا اس مکان کے قریب ہی ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری تھا اور جتنے راستے اس مکان کی جانب آتے تھے وہ گرد و غبار سے بھرے ہوئے تھے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس میں سبز سبز درخت کھڑے تھے آہ وہ بھی کیا دن تھے جبکہ نفس کو سکون و اطمینان حاصل تھا اور جذبات ہمدردی کا دریا جوش پر تھا۔ میں ان ایام شورش میں روزانہ اس مکان میں جاتا تھا یہ مکان اور اس کی مالکہ (عائشہ) جو سفید کپڑوں اور سیاہ برقع میں ملبوس رہتی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرا پڑتی تھی، عائشہ عموماً اوپر کے بالاخانہ کی کھڑکی میں بیٹھا کرتی تھی اور اس کی آستینیں چڑھی رہتی تھیں۔ سیفی احسان کی ماتحت جماعت میں داخل ہو گیا تھا اور ہم احمد رفقی کے آدمیوں کے ساتھ ایک گاؤں میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ میں دیکھتا تھا کہ کذبان دن بھر سرخ پائجامہ پہنے اور چھپی ہوئی لمبی چادر سر پر ڈالے مکان کے گرد گھومتی رہتی تھی کبھی وہ دروازہ کے سامنے کھڑی ہو جاتی اور کبھی درختوں کے ادھر کھڑے ہو کر بے چینی سے کسی کا انتظار کرتی رہتی تھی اس کی آنکھیں وحشت زدہ ہرن کی سی آنکھیں تھیں جو ہر وقت گردش کرتی رہتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا کہ وہ کسی گہرے فکر میں ہے۔

میں جانتا تھا کہ کذبان کس کا انتظار کیا کرتی تھی لیکن کیا اس سفید کپڑوں والی عورت کو بھی اس کا حال معلوم تھا، احسان کے یہاں آنے کا ہر وقت احتمال رہتا تھا لیکن احسان کی آمد کی خبر عائشہ سے زیادہ کذبان کو معلوم رہتی تھی۔

عائشہ کی عادت تھی کہ وہ ہر وقت خوش رہنے کی کوشش کیا کرتی تھی اور تفریح کے مشاغل میں لگی رہتی تھی وہ آستینیں چڑھائے گھر سے نکلتی اور ان لوگوں سے ملا کرتی تھی جو گنجان درختوں کے درمیان

خاموش سوار توسون کی پیٹھ گردن مین حمائل کیے اور بندوقون کو پہلو مین لٹکائے تیار کھڑے رہتے تھے عائشہ ان لوگون کو جڑی بوٹیان اور ضروری چیزین دیتی یا حکمت آمیز باتین ان کو بتاتی تھی اور یہی حالت ان لوگون کی تھی یعنی جب کبھی کوئی عجیب یا مشورہ طلب بات پیش آتی تو وہ بھی عائشہ کی خدمت مین حاضر ہوتے اور اس سے مشورہ لیتے تھے ان لوگون مین احمد رفقی بھی تھا جو روزانہ اپنے گھوڑے کو کسی درخت سے باندھ کر عائشہ کے مکان پر آتا اور مسرت کے لہجہ مین دروازہ پر کھڑے ہوکر پکارتا تھا

بہن عائشہ کیا مین حاضر ہو سکتا ہون۔

عائشہ عموماً بالاخانہ کے برآمدے مین لکڑی کے ایک تخت پر بیٹھی رہتی تھی اور گھر کے سامنے جو سبزہ تھا اس کو دیکھتی رہتی تھی، اور کبھی کبھی وہ یہ بھی دیکھتی کہ احسان گھوڑے پر سوار درختون کے درمیان اڑا چلا جا رہا ہے۔ احسان کے آنے کی سب سے پہلے کذبان کو خبر ہوتی تھی جو ہر وقت برآمدہ کے نیچے مجسمہ انتظار بنی کھڑی رہتی تھی، وہ جب احسان کو دیکھتی تو بے اختیار پکار اٹھتی،

احسان بک آگیا۔ .... احسان بک آگیا۔

احسان پر جوش اور پرشوق دل لے کر آتا تھا اور اس کی آنکھین بالاخانہ کے برآمدہ پر ہوتی تھین لیکن باین ہمہ وہ کذبان کی طرف بھی ایسی ہی توجہ سے دیکھتا تھا اور اس کو دروازہ پر پاکر کہتا تھا،

کذبان کیسا مزاج ہے اور تمہارا چھوٹا بچھڑا کیسا ہے۔

غریب احسان جسقدر خوش قسمت تھا اسی قدر رنجیدہ اور غمزدہ بھی تھا اور جن لوگون نے بھی آتشین پیراہن کو پہن لیا تھا وہ اس امر سے اچھی طرح واقف تھے کہ آگ جس طرح جسم کو گرم رکھتی ہے اسی طرح جسم کو جلا کر خاک سیاہ بھی کر دیتی ہے۔

یہان کے لوگون مین عائشہ کا سب سے زیادہ خیال احمد رفقی کو رہتا تھا اور اسی طرح کذبان کو سب سے زیادہ احسان کا خیال رہتا تھا، عائشہ بھی احمد رفقی کی خاطر کرتی تھی اور اس کی خدمت مین ہدایا پیش کرتی رہتی تھی، جب وہ عائشہ کے پاس آتا تو کبھی عائشہ اس کو تازہ دودھ پلاتی اور کبھی پھل پیش کرتی تھی اور اصرار کرکے اسکو کھلاتی تھی، کذبان عموماً شفاخانہ کے گرد گھومتی رہتی تھی گویا وہ ایک ہیولیٰ ہے اور جب احسان گھر سے باہر نکلتا تو اس کو اپنے انتظار مین پاکر کہتا "کذبان مین تم کو خدا کی امان مین دیکر رخصت ہوتا ہون"

کذبان بھی عجیب غریب لڑکی تھی نہایت بھولی اور شریف طبیعت اُس کے قلب مین جذبات کا جو بحر بے پایان تھا وہ اُس کی گنجایش قلب سے بہت زیادہ تھا، احسان جب کبھی عائشہ کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا کہ وہ کذبان کو شفاخانہ مین اپنے ساتھ رکھے اور اُس کو تربیت دے تو عائشہ اس کا ایک مبہم سا جواب دیدیتی اور تجویز کو ٹال دیتی تھی مجھے معلوم تھا کہ کذبان عائشہ کی قربت کو پسند نہ کرتی تھی اور جب کبھی اُس سے ملتی تھی تو سرد مہری سے پیش آتی تھی، کذبان کے دل مین عائشہ سے قدرتی نفرت پیدا ہو گئی تھی بلکہ یون کہنا چاہیے کہ عائشہ سے اُس کو بغض و عناد تھا، عائشہ بھی اس سے واقف تھی لیکن وہ یہ ظاہر نہ ہونے دیتی تھی کہ کذبان کی نفرت کا اُسکو علم ہے۔

دوسری طرف احسان، احمد رفقی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور روز بروز یہ نفرت و رشک اور کینہ بڑھتا جاتا تھا اور بجز میرے کسی کو اس کا سبب معلوم نہ تھا، یہان تک کہ خود احمد رفقی اس کی وجہ نہ جانتا تھا احمد رفقی اپنے جسم مین ایک پاک اور بے لوث روح رکھتا تھا اور دیہات کے باشندے اُس کی خوبیون کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے، اُس کی پاکبازی، اور ایثار کا عام چرچا تھا اور ہر شخص اُس کو محبت کی نظرون سے دیکھتا تھا عفت و ایثار کا اُس کو اتنا خیال رہتا تھا کہ اُس کی حالت جنون کے درجہ تک پہنچ گئی تھی، اور اگرچہ وہ تنگدست اور مفلس تھا لیکن دیہات کے باشندون سے وہ کوئی چیز مفت نہ لیتا تھا۔

دن گذر رہے تھے اور شورش کی ہلکی ہوا آندھیون کا سا زور و شور اختیار کرتی جاتی تھی اس زمانہ مین جبکہ شورش بڑھ رہی تھی ہم یہ خبرین بھی سنتے تھے کہ تحریک شورش اور تحریک مخالف شورش دونون کے درمیان معرکہ آرائی ہو رہی ہے، کچھ دنون مین یہ معرکہ آرائی ہمارے گانون کے قریب پہنچ گئی احمد رفقی کچھ دنون سے غائب رہنے لگا تھا، کبھی کبھی وہ دنون غائب رہتا تھا اور کبھی کئی کئی رات اُسکا پتہ نہ چلتا تھا، احسان ان دنون مین اس قدر مشغول تھا کہ گانون مین آنے کا بھی اُس کو موقع نہ ملتا تھا جب کئی روز گذر جاتے تو احسان کسی سپاہی کو بھیجکر عائشہ کا حال دریافت کر لیتا تھا، ان ایام مین ہمارے سپاہیون مین کے پانچ مجروح شفاخانہ مین داخل ہوئے، ان زخمیون کے آجانے سے چونکہ عائشہ کی مصروفیت بڑھ گئی تھی اس لئے مین بھی اُس کا ہاتھ بٹاتا تھا، عائشہ ان دنون بہت فکرمند رہتی تھی اور ہر وقت اُس کو احسان اور احمد رفقی کا خیال رہتا تھا آخر وہ منحوس دن آگیا جو مجھے ہمیشہ

یاد رہیگا اور میری قوت حافظہ میں کانٹے کی طرح خلش پیدا کرتا رہیگا۔
ایک روز شام کے وقت میں شفاخانہ کے سامنے درختوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا کہ احسان آتا ہوا نظر آیا، ہمارے قریب پہنچکر وہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور گھوڑا آدمی کو دیدیا، میں نے دیکھا کہ اسوقت اُس کے چہرہ پر متانت وطمانیت کے آثار نمایاں ہیں اور وہ حسرت بھری نگاہوں اور پُرشوق نظروں سے عائشہ کو ڈھونڈھ رہا ہے اور اپنے خیال میں اسقدر محو ہے کہ خلاف معمول آج اُس نے کہ زبان کو بھی سلام نہیں کیا جو کئی روز سے بیچینی کے ساتھ اُس کا انتظار کر رہی تھی اور اُس کے انتظار میں دیر تک کھڑے رہنے سے اُس کے رخسارے پژمردہ ہوگئے تھے، آخر وہ عائشہ کے پاس پہنچ گیا اور اُس سے کہا۔
سیدہ عائشہ میں اُمید کرتا ہوں کہ تم میری غیر حاضری کو معاف کرو گی، میں بہت مشغول تھا، اب ہمارا ارادہ ہے کہ تم کو عسکی شہر لے چلیں۔
عائشہ۔ کیوں ؟ کیا یہاں کوئی خطرہ ہے جسنے تم کو یہاں سے بھاگ چلنے پر مجبور کیا ہے۔
احسان۔ جمال عسکی شہر میں ہے اور ....
عائشہ نے احسان کی پوری بات نہ سُنی تھی کہ بالاخانہ سے اُتری اور گھر سے نکلکر گنجان درختوں کیطرف روانہ ہوئی اور احسان کے گھوڑے کے قریب پہنچکر احمد رفقی کے سواروں کے ساتھ چند منٹ باتیں کیں اور پھر احسان کے گھوڑے پر سوار ہوکر احمد رفقی کے ایک ہمراہی سوار کے ساتھ روانہ ہوئی اور گھوڑوں کو دونوں نے سرپٹ چھوڑدیا، احسان اور میں حیران تھا کہ کیونکر دونوں دوڑکر عائشہ کے پاس پہنچے اور اُس کو روک کر ہم نے دریافت کیا۔
عائشہ کیا ہوا؟
عائشہ نے کوئی جواب نہیں دیا اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور لرزہ اُسپر طاری تھا احمد رفقی کے ہمراہی نے جو عائشہ کے ساتھ تھا رقت خیز آواز میں جواب دیا۔
ہمارا افسر (احمد رفقی) مجروح ہوگیا ہے۔
میں نے محسوس کیا کہ احسان اسوقت اُس رشک وحسد پر نادم تھا جو اُس کو احمد رفقی کے ساتھ تھا اور اس کا یہ حسد ورشک بغض وکینہ کی صورت میں تبدیل ہوگیا تھا اسوقت میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں زخمی ہوتا، تاکہ عائشہ کی ہمدردی مجھے حاصل ہوتی آخر ہم سب اُس مقام کی طرف

روانہ ہوئے جہاں حادثہ پیش آیا تھا اور اُس درخت کے نیچے پہونچے جو گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر واقع تھا ہم نے دیکھا کہ نوجوان احمد رفقی درخت کے نیچے پڑا ہے اور اُس کے روشن چہرے سے مسکراہٹ نمایاں ہے گولی نے اُس کے سینہ کو پاش پاش کر دیا تھا اور وہ دائمی نیند میں غافل سو رہا تھا، عائشہ احمد رفقی کی نعش کے قریب سب سے پہلے پہنچی اور اُس کو اپنے ہاتھوں پر اس طرح اُٹھا لیا جس طرح بچوں کو اُٹھا لیا جاتا ہے اور کہا،

رفقی بھیا ...... رفقی بھیا ......

عائشہ نے احمد رفقی کا سینہ کھولا: اللہ اکبر کیسا دلخراش منظر تھا جس کو میں کبھی نہ بھولوں گا، اُس کے کوٹ کے نیچے قمیص نہ تھی اور اُس کے پائجامہ پر پیوند لگے ہوئے تھے اور کئی جگہ سے پائجامہ پھٹا ہوا تھا سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے تعجب میں مبتلا کیا وہ اُس کا نازک سفید جسم تھا جس پر قاتل زخم کی سُرخی لگی ہوئی تھی ہم نے درختوں کی ٹہنیوں سے نعش کو لے جانے کے لئے پالکی بنائی اور پھر بچی نعش کو اُس پر رکھا اور روتے ہوئے اُس کو لے کر روانہ ہوئے، نعش بالاخانہ پر رکھی گئی اور رات بھر عائشہ نعش کے گرد دیوانہ وار طواف کرتی رہی- ہم کو تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جس قدر طاقت ہمارے پاس ہے ہم اُس سے اُس وقت تک اس علاقہ کی حفاظت و مدافعت نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمیں مدد نہ ملے احسان نے خطرہ کو محسوس کر کے قرار دیا کہ عائشہ اور مجھکو فوراً یہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے تاکہ ہم خطرہ سے محفوظ رہیں لیکن عائشہ نے جانے سے انکار کر دیا اور ظاہر کیا کہ وہ اُسوقت تک اس جگہ سے جدا نہ ہوگی جب تک کہ نعش کو دفن نہ کر دیا جائے گا، آخر عائشہ کے اصرار سے مجبور ہونا پڑا اور احسان مجبور ہوا کہ رات بھر احمد رفقی کے ماتحت سپاہیوں اور اپنے سواروں کے ساتھ پہرہ دے تاکہ کسی ایک دشمن حملہ آور نہ ہو سکے، صبح کو ہم سب گاؤں کے سامنے جمع ہوئے نعش کو کفن پہنایا گیا اور پھر ہم سب جنازہ کو قبرستان لے چلے، عائشہ کو ہم نے درختوں کے نیچے چھوڑ دیا جہاں وہ بچوں کی طرح بے اختیار چلا چلا کر رو رہی تھی-

آخر احمد رفقی کو ہاں اُس محبوب وطن نوجوان کو جو مخلص وطن پرست اور نہایت غیور تھا ہم نے آناطولیہ کے اس غیر آباد قطعہ میں سپرد خاک کیا اور پھر سب روانگی کے لئے تیار ہوئے، مجروحوں کو ہم نے ڈاکٹر کے حوالہ کیا کہ وہ گاڑیوں کا انتظام کر کے اُن کو لے آئے اور پھر ہم سب روانہ ہو گئے-

عائشہ ہمارے ساتھ تھی اُس کی آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی تھیں اور ورم کر آئی تھیں، گاؤں کے لوگ ہماری روانگی کے وقت بہت مضطرب و پریشان تھے اور جس طرح عائشہ کی آمد کے دن گاؤں کی عورتیں

اُس سے خوش خوش بغلگیر ہوتی تھیں آج وہ رو رو کر اس کو رخصت کر رہی تھیں اور رخصت کا یہ منظر نہایت درد ناک تھا، عائشہ کے لئے ہم نے ایک خاص گاڑی کا انتظام کیا تھا جب وہ آگئی کی تمام تیاریاں ہوگئیں تو ہم کنجان درختوں میں گھُسے اور سفر کرنے لگے، راستہ گرد وغبار سے بھرا ہوا تھا، میں اور احسان عائشہ کی گاڑی کے برابر چل رہے تھے اور بار بار اُس کے چہرہ پر نظر ڈالتے تھے جس پر اب تک تکدر اور قلبی صدمات کے آثار نمایاں تھے، آہ جسوقت ہم جھک کر عائشہ کے چہرہ کو دیکھتے تھے تو غم والم کی جھلک ہمکو غمگین کر دیتی تھی احسان بجز عائشہ کے چہرہ کے تمام چیزوں کو بھول گیا تھا، یہاں تک کہ اُس غریب نوجوان کی یاد بھی اُس کے دل سے محو ہوگئی تھی جو ملک و وطن کی راہ میں قربان ہو چکا تھا اور اُس خطرہ کو بھی وہ بھول گیا تھا جو ہم کو گھیرے ہوئے تھا اور پھر اُسے اُس تحریک یا شورش مہم کا بھی خیال نہ رہا تھا جس کے ہم دھنی تھے، اور جس کی راہ میں ہم مصائب کو برداشت کر رہے تھے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم نے کتنا راستہ طے کیا ہوگا جبکہ راستہ میں ہم نے ایک آواز کو سُنا جو عورت کی سی نرم آواز تھی اور ہماری پُشت کی طرف سے آئی تھی، آواز کو سن کر ہم فوراً اُس کی طرف متوجہ ہوگئے اور ہم نے دیکھا کہ گاؤں کی ایک لڑکی ننگے پاؤں ہاتھ ہلاتی اور روتی ہوئی ہماری طرف آرہی ہے۔ میں تو ہر ایک بات کو سمجھ گیا لیکن احسان حقیقت سے بالکل غافل رہا مگر اُسوقت احسان کو اس حقیقت کا علم ہوا جبکہ لڑکی ہمارے قریب پہنچگئی اور اس نے احسان کے گھوڑے کی باگ کو پکڑکر روتے ہوئے انا طولیہ کے دیہاتی لہجہ میں کہا۔

"دشمنوں نے میرے باپ کو مارڈالا اب نہ میری ماں ہے اور نہ دادا تم اسحالت میں مجھکو کس پر چھوڑ چلے ہو"

احسان نے اخلاق و نرمی اور بعض وقت دھمکی سے کذبان کو واپس جانے پر آمادہ کرنا چاہا، لیکن احسان کی باتوں کا اُسپر کوئی اثر نہیں ہوا عائشہ اسوقت اس منظر کو اضطراب و اہتمام کے ساتھ دیکھ رہی تھی اور غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ اُسنے اس جانب خصوصیت سے توجہ کی تھی، کذبان نے احسان کے الفاظ سُنکر جواب دیا۔

میں نہیں جاؤں گی.... ہرگز نہیں جاؤں گی کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں بندوق چلانا نہیں جانتی کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ملک کے دُور دراز گوشوں سے عورتیں کام کے لئے آئیں اور میں یہاں موجود ہوں اور کام خوبی کے ساتھ نہ کرسکوں۔

اسوقت کذبان کی آنکھیں ہان وہ سبز آنکھیں جو شباب کی تر و تازگی کو نمایان کر رہی تھیں چمکنے لگی تھیں اور اُن سے نوجوانی کی اُمیدون کے شعلے نکل رہے تھے، مین نے کذبان کو اس حال مین غور سے دیکھا اور مجھے اس امر کا یقین ہوگیا کہ یہ کمزور مخلوق اس امر کی قدرت رکھتی ہو کہ دو سرو جیسی دشجاع شہسوار شورش کی طرح دشمنون سے جنگ کرے، احسان جسقدر کذبان کو واپسی کی نصیحت کرتا تھا اور اُس کو اسکا اطمینان دلاتا تھا کہ وہ دوبارہ آکر اُس کو لے جائیگا اُسی قدر کذبان کا جوش اور اضطراب بڑھتا جاتا تھا، اور وہ کہتی تھی۔

آہ میری جان میرے جسم کے اندر شعلے بھڑک رہے ہین، مین اب زندہ نہ رہون گی ہان مین اب زندہ رہنا نہین چاہتی۔

مین نہین جانتا کہ عائشہ کے قلب مین اس مصیبت زدہ لڑکی کے لیے کس قدر ہمدردی پیدا ہوئی لیکن مین نے دیکھا کہ عائشہ گاڑی سے اُتری اور کذبان کے جوش و اضطراب کو رفع کرنے کی کوشش کی لیکن اُس کی کوشش بے نتیجہ رہی کیونکہ جسقدر عائشہ نے اُسکو سمجھایا اُسی قدر اُس کا جوش بڑھا اور اُسکی آنکھون سے شعلے نکلنے لگے اور آخر اُسنے عائشہ کو نفرت و حقارت سے جھڑک دیا۔

عائشہ جب گاڑی سے اُتری تو احسان کو بھی اُس کی وجہ سے گھوڑے سے اُترنا پڑا، کذبان نے فوراً احسان کی آستین پکڑلی اور اُس کی آنکھون مین آنکھین ڈالکر کہا۔

مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ تم جہان جاؤ گے مین بھی ساتھ چلون گی اور ہر طرح تمھاری خدمت کرون گی میرے عزیز۔ ہان میرے عزیز مین بھی اس شہری عورت کی طرح مریضون اور زخمیون کی خدمت کرونگی،

مین نے دیکھا کہ کذبان کے الفاظ بے اثر رہے اور احسان کو وہ ہمدرد اور نرم نہ بنا سکے، جب کذبان نے یہ حالت دیکھی کہ احسان کے دل مین سخت عناد ہی تو وہ مایوس ہوگئی وہ گھٹنون کے بل زمین پر گر پڑی اور اپنے سر کو دونون ہاتھون سے تھام کر زار زار رونے لگی، کذبان کی اس حالت نے تمام لوگون کو متاثر کیا اور ہر شخص کے قلب مین ہمدردی کا جذبہ موجین مارنے لگا، تمام لوگ رحم آمیز نظرون سے مصیبت زدہ کذبان کو دیکھ رہے تھے لیکن یہ نہ جانتے تھے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیے چند منٹ تک یہ حالت قائم رہی اور پھر ایک نوجوان نے جو ہمارے ساتھیون مین سے تھا، احسان کو مخاطب کرکے کہا۔ ”محترم افسر کیا حرج ہی اگر ہم اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے چلین“

احسان نے بحیثیت ایک خود مختار و بااثر فوجی افسر کے سخت درشت لہجہ میں کہا۔

میں کسی کی ہمدردی کا محتاج نہیں ہوں لڑکی کی حالت کو دیکھو اور پھر بتلاؤ کہ تم اس کو کہاں کہاں لیے پھرو گے۔

یہ کہکر احسان نے پھر کذبان کی طرف توجہ کی اور آہستہ سے کہا۔

کذبان اٹھو اور میرے سامنے اپنے گاؤں کو پلٹ جاؤ۔ تم کو چند روز بعد معلوم ہو جائیگا کہ میں کیا کرونگا

احسان کے الفاظ سنکر کذبان اٹھی اور احسان کی طرف آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیکھا اور عاجز و درماندہ بچہ کی طرح احسان کی خواہش و ارادہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اتنا ہی نہیں تو اس نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب اس نے احسان کی آنکھوں سے آنکھیں ملائیں تو وہ احسان کی حکمران نگاہوں سے پگھل گئی اور خاموش ٹوٹے ہوئے دل اور آنسوؤں بھری آنکھوں کو لے کر گاؤں کی طرف پلٹ پڑی، کذبان کے چلے جانے کے بعد احسان نے بلند آواز میں کہا۔

گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور آگے بڑھو۔

یہ کہکر احسان نے عائشہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کو گاڑی میں سوار کرایا میں نے محسوس کیا کہ عائشہ، اور احسان نے گاڑی کے پائدان پر قدم رکھکر ایک دوسرے کو دیکھا اور قدرتی نگاہوں کا باہمی تبادلہ ہوا۔

کذبان کے آنسوؤں نے مجھ پر غیر معمولی اثر کیا جب وہ تنہا شکستہ قلب اور مجبور گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر پلٹ کر روانہ ہوئی تو میں نے اپنے قلب میں اس مایوسی کو محسوس کیا جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی پھر معًا میں نے سنا کہ عائشہ آہستہ آہستہ غمگین لہجہ میں احسان سے کہہ رہی ہے،

احسان! اس مسکین لڑکی کو تم نے کیوں ساتھ نہیں لیا؟

احسان نے جواب دیا اسقدر کم سن لڑکی کو میں کیونکر سپاہیوں میں لے سکتا ہوں اور کس طرح لشکر میں رکھ سکتا ہوں یہ درست ہے کہ مختلف مقامات پر مجاہد عورتیں موجود ہیں لیکن ان میں ایک بھی ایسی نوجوان لڑکی نہیں ہے جیسی کہ کذبان، بایں ہمہ اگر تم چاہو تو اسکو کسی شہر اپنے ہمراہ لے جا سکتی ہو۔

عائشہ۔ کذبان کی خواہش یہ نہیں ہے کیونکہ وہ میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ہے بلکہ......

احسان۔ کیا کسی شخص کی ساری خواہشیں پوری کیجا سکتی ہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ احسان اور عائشہ کی یہ گفتگو باہمی ہمدردی کے جذبات پر مبنی تھی یا فریقین کے دلوں کے

درمیان مناسبت ہے نیلگوں آنکھوں والی حسینیں ہمیشہ اپنی آنکھوں میں تبسم قاتل اور سحر و جاذبیت لئے پھرتی رکھتی ہیں خواہ اُن میں سے کوئی بھی تصویر ہو اُس کی آنکھوں میں ایک تبسم کی ادا رہتی ہے ایک ایسا نقشہ بار بار نظر کرتا رہتا ہوں جس سے قلب پر حجاب پڑتا تھا کہ سیاہ جوش کے تہہ میں دانت کے اندر سفید دانت قلوب کو چھپائے رکھتے تھے اور جس میں گلاب کے دانتوں جیسا تبسم ہونٹوں کے ہونٹوں کی سرخی کو ایک ظالم خط نے دو ٹکڑے کر دیا تھا اور اُس کی پر اسرار مسکراہٹ سے اُس کے سفید سفید دانت منظر عام پر تھے اور آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے دل میں ایک معقول بات ہے۔

میں اور عائشہ مقام کیوہ میں احسان کے مکان پہنچے احسان کا مکان دو کمرہ کا ایک دیہاتی وضع کا تھا، احسان مکان کے قریب پہنچ کر فوراً گھوڑے سے اترا اور اپنے کمرہ میں جا کر اُس نے عائشہ کے لئے درست کیا پھر وہ مجھے ساتھ لیکر سامنے والے کمرہ میں گیا اور ادھر عائشہ اپنے کمرہ میں سفر کے گرد و غبار کو صاف کر کے اور کپڑے تبدیل کرنے میں مشغول تھی اور اُدھر میں اور احسان دوسرے کمرہ میں عائشہ کو عسکی شہر اُس ریل کے ذریعہ پہنچانے کے مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے جو مقام لفکر سے کل شام کو عسکی شہر کی طرف جانے والی تھی، احسان نے مجھے بتلایا کہ جمال نے اُسے ایک خط لکھا ہے جس میں اُسنے عائشہ کو عسکی شہر پہنچانے کی خواہش کی ہے۔

جس علاقہ میں اسوقت ہم مقیم تھے وہ شورش کا زبردست میدان بنا ہوا تھا نارِ جہنم کے شعلے سارے خطہ میں بھڑک رہے تھے اور قریہ کیوہ شورش کا مرکز یا صدر مقام قرار پا گیا تھا، مقام ارلو و کوی کے رومیوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا تھا اور مقام تولی کی شورش کے شعلے کیوہ کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے، اس دار و گیر سے احسان بہت متاثر تھا اور عائشہ کی زندگی کے خوف سے بچوں کی طرح کانپ رہا تھا، دوسری طرف احسان کی روح کو اس خیال نے پژمردہ کر دیا تھا کہ عائشہ اُس سے جدا ہو رہی ہے، اُس کے خیال میں عائشہ اُس سے جدا نہیں ہو رہی تھی بلکہ اُس کی روح جسم سے جدا ہو رہی تھی میں نے آجتک احسان کے چہرہ پر کبھی اتنا اضطراب و قلق نمایاں نہیں پایا جتنا کہ آج اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے خوف و ہراس نمایاں تھا، غم و الم کی وہ تیز و تند آندھی جو اسوقت اُسکے پُر سکون جسم کے اندر چل رہی تھی اور رنج و اندوہ کا وہ جذبہ جسکو وہ بہ تکلف چھپا رہا تھا آج اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اُسروز احسان نے جبکہ وہ اپنے خیالات میں محو و مستغرق تھا اور اُس کے ہونٹوں پر

خفیف اور حسرت انگیز مسکراہٹ نمایاں تھی مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"جب ہماری وہ خوبصورت کاشتکار بہن جو گلابی پٹی پیشانی پر باندھے اور سفید کپڑے پہنے رہتی ہے ہم سے جدا ہو جائے گی تو پھر ہم ہتھیاروں اور آگ کے گرد رہ جائیں گے"

میں نے جواب دیا ممکن ہے عائشہ ہم کو چھوڑ کر جانا پسند نہ کرے۔

احسان۔ کاش کیوہ میں ہمکو کوئی ایسا محفوظ مکان ملجاتا جسمیں ہم عائشہ کو ٹھہرا کر اس کی زندگی سے مطمئن ہو جاتے بایں ہمہ میرا خیال ہے کہ تم دھوکہ میں ہو، میں دیکھتا ہوں کہ احمد رفقی کی شہادت کے بعد اب عائشہ کی آنکھوں میں وہ شعریت باقی نہیں رہی ہے جو قبل ازیں تھی اور نہ ہماری وہ وقعت ہے جو پہلے تھی.......................

یہ الفاظ اس نے اس لہجہ میں کہے جس سے بے انتہا تاثر ٹپکتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ الفاظ اس کے دل سے نکلے ہیں ہاں اس دل سے جسکو قلق و اضطراب نے جلا کر خاک کر دیا ہے اور جسپر تیر و سناں چل رہے ہیں۔ میں نے اس کے جواب میں ایک اذیت رساں جملہ کہا یعنی یہ کہ بلاشبہ احمد رفقی افسانہ کی شورش کا ہیرو تھا۔ اور اس کی آنکھوں میں شعریت پائی جاتی تھی۔

اس کے بعد میں نے کہا کہ "سمرنا کی کونسی ایسی بیٹی ہے جو ایک ایسے خوبصورت نوجوان کو دیکھکر متاثر نہ ہو گی جس نے ساری دنیا سے اپنے تعلقات کو منقطع کر کے اپنی جان کو وطن کی آزادی کی راہ میں لگا دیا ہو اور اس گرد و غبار سے بھرے ہوئے علاقہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو گیا ہو اور پھر ایسی بے کسی و محرومی کی حالت میں اس نے وطن پر اپنی جان کو قربان کیا ہو کہ اس کے جسم پر قمیص بھی نہ ہو آہ احمد رفقی کا وہ سر کہاں ہے؟ جو گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر ایک درخت کے نیچے جسم سے جدا پڑا تھا اور عائشہ کی گود میں ٹھنڈا ہوا تھا، آہ اس کا وہ درخشاں زخم کہاں ہے جو اس کے سفید دھواں سینہ میں سرخ زہرہ کی طرح چمک رہا تھا، آہ تمام چیزیں میری نظروں سے پنہاں ہو گئیں، اور احمد رفقی پرندہ کی مانند ہم میں سے اڑ گیا، آہ کبتک خون کی یہ ندیاں بہتی رہیں گی؟ اور کب تک ہم ان مصائب و آلام کو برداشت کرتے رہیں گے، کب ہم وطن کی خاک کے اس ڈھیر کے مالک ہونگے اور کب ہم کو اس کا استحقاق حاصل ہو گا کہ ہم اس چیز کو پا سکیں جس کے لئے ہم اپنے نوجوانوں کا خون اور آنکھوں کے آنسو معمولی قیمت پر بہا رہے ہیں۔

میرے ان الفاظ سنکر احسان کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اُسنے چونکر کہا۔

پیامی بیشک احمد فتی ایک پاک طینت لڑکا تھا لیکن اُس کے جسم پر جس کا نہ ہونا ہمارے جسمانی حرارت کے مقابلہ مین کوئی بڑی بات نہین ہے۔

احسان کے الفاظ ختم ہوئے تھے کہ ایک سپاہی کمرہ مین داخل ہوا اور عرض کیا۔

حضور والا سیدہ عائشہ نے آپکو طلب فرمایا ہے۔

احسان تیر کی رفتار کے مانند سرعت کے ساتھ اُٹھا اور آگے بڑھنے ہی کو تھا کہ سپاہی نے کہا۔

جناب والا آپکو نہین پیامی بیک کو بلایا ہے۔

ان الفاظ نے مجھ مین بھی وہی سرعت پیدا کی جو احسان مین پیدا کی تھی اور مین فوراً کمرہ سے تیر کی طرح نکلا اور عائشہ کی خدمت مین پہنچا، کمرہ مین داخل ہوکر مین نے دیکھا کہ عائشہ نے پھر وہی سیاہ لباس پہن لیا ہے جو وہ آستانہ مین پہنا کرتی تھی اسوقت وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی میز کے سامنے بیٹھی تھی اور دیوار پر ہلکی روشنی کا ایک چراغ جل رہا تھا اُس کی آنکھون سے تعب تفکر کے آثار نمایان تھے مجھکو دیکھکر عائشہ نے کہا۔

بھائی پیامی آؤ مجھے تم سے کچھ باتین کرنی ہین۔

مین نے کرسی پر بیٹھکر جواب دیا کہو مین حاضر ہون۔

اسوقت مین نے محسوس کیا کہ عائشہ کی نگاہون مین بچون کی سی سادگی اور طمانیت پائی جاتی ہے اور اُس کی نگاہین میرے دل مین پیوست ہو رہی ہین لیکن اُس کی یہ نگاہین میرے نزدیک کوئی خاص وقعت نہین رکھتی تھین اور ان کی قدر وقیمت بالکل اتنی تھی جتنی کہ ایک بھوکے شخص کے نزدیک روٹی کے بجائے پتھر کی ہوسکتی ہے، مین اس امر سے اچھی طرح واقف تھا کہ میرا قلب عائشہ کی اخوت سے بھرا ہوا ہے، اور اُس کی پاکیزہ صداقت سے لبریز ہے لیکن مین کسی اور نظر کا متمنی تھا یعنی میرا دل اُن تیرون کا شکار ہونا چاہتا تھا جو اُس کی کمان ابرو سے نکلتے تھے یا یہ کہ مین اُن نظرون کا محتاج تھا جن کا تبادلہ احسان کیساتھ گاڑی کے پائدان پر ہوا تھا، ایک دفعہ اگر عائشہ کی نگاہین مجھپر اسی طرح پڑتین جس طرح احسان پر پڑی تھین تو پھر مین اُس کی نیلگون آنکھون کے تیرون کی بوچھار ظلم وجفا اور نفرت وحقارت سب کو برداشت کرسکتا تھا

عائشہ نے میری طرف بدستور نظر اخوت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پیامی کیا یہ ممکن نہین ہے کہ مین احسان کے فوج کے ساتھ بحیثیت ایک تیماردار کے رہون۔

ثمین۔ عائشہ اس صورت میں بہت سے خطرات ہیں۔

عائشہ۔ وہ کیا خطرات ہیں؟ کیا میں اُن خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکتی جن کا مقابلہ احسان کر سکتا ہے
اگر اسوقت جمال سمرنا میں ہوتا تو میں ضرور اُس کے پاس چلی جاتی۔ لیکن عشق کے شہر میں جا کر کیا کرونگی

ثمین۔ احسان کے خیال میں یہاں اتنے خطرات ہیں کہ ایک عورت کی طاقت اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی

اسوقت عائشہ کی آنکھیں اس طرح ساکن تھیں جس طرح پانی کے چشمے سبز پتوں کے نیچے ساکن خاموش رہتے ہیں میرے الفاظ سنکر عائشہ کی آنکھوں کی سبزی نے شدید بحری آندھی کی صورت اختیار کر لی اور اُسنے اضطراب و بے چینی کے لہجہ میں کہا۔

احسان نہیں چاہتا کہ میں اُس کی سپاہ کے ساتھ رہوں اُس کی خواہش یہ ہے کہ وہ تنہا ہو اور ہماری نظروں سے دُور دُور رہے۔ آج میں نے کذبان کی حقیقت اچھی طرح معلوم کر لی ہے۔

ثمین۔ عائشہ تمہارے یہ الفاظ احسان کے متعلق کہنا اور ایسے خیالات ظاہر کرنا واقعہ یہ ہے کہ احسان پر ظلم کرنا ہے۔

عائشہ۔ ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو لیکن اس امر میں تو شبہ ہی نہیں ہے کہ وہ میرا یہاں رہنا پسند نہیں کرتا افسوس ہے اُس انسان پر جو اپنی خواہشوں کا بندہ ہے۔

ثمین۔ عائشہ احسان کی غرض صرف تمہاری صیانت و حفاظت ہے۔

عائشہ۔ پیاری ثمین دیکھو میں اُس شخص کو بہت بُرا سمجھتی ہوں جو میری حفاظت و صیانت کا خواہشمند ہو یا مجھکو کوئی ایسی نازک چیز سمجھتا ہو جس کی نرم نرم بستروں اور گدّوں پر حفاظت کی جائے، میں اگرچہ آزادی سمرنا کے لئے بندوق نہیں اُٹھا سکتی اور نہ اتنی قوت رکھتی ہوں کہ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر غاصب یونانیوں کو سمرنا سے نکال باہر کروں لیکن ہاں میں ایک کام کر سکتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں اُن لوگوں کا ماتم کیا کروں جو سمرنا کی راہ میں غریب الوطن شہید ہوں ہاں ایسے حال میں شہید ہوں کہ نہ تو اُن کے جسم پر پہننے کو قمیص ہو اور نہ پینے کو سگرٹ بلکہ کھانے کو روٹی بھی نہ ہو، اُن کی زندگی میں۔ میں اُن کے ساتھ رہوں، بیماری میں اُن کی خدمت کروں اور جب وہ شہید ہو جائیں تو ایک پیاری بہن کی مانند اُن کی آنکھوں کو بند کر دوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ مجاہدین وطن کے ساتھ رہوں سامان جنگ اُٹھانے میں اُن کو مدد دوں اور مصائب و آلام میں اُن کے شریک حال، احسان مجھے کیوں اِن کاموں

سے روکتا ہے کیا اُس کی زندگی میں کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع ہو گئی ہے اور کیا اب وہ یہ نہیں چاہتا کہ وہ ایک ایسی زندگی بسر کرے جسکو میں دیکھ سکوں اور اطمینان حاصل کر سکوں اگر واقعی یہی ہے تو ایسی زندگی موجب عار و شرم ہے ۔ اگر احسان کا مقصد صرف میری صیانت و حفاظت ہے تو یہ ایک ایسا مقصد ہے جسکو میں غصہ اور نفرت کی نظر سے دیکھتی ہوں اور اس سے دور بھاگتی ہوں جو مصائب آلام میرے حصے میں آتے ہیں وہ میرے لئے کافی نہیں ہیں اور میں اس سے زیادہ مصائب آلام کو چاہتی ہوں ۔ میں اُس شخص کو بہت زیادہ پسند کرتی ہوں جو میرے مصائب آلام کو زیادہ کرے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جو شخص میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو آگ اور خطرات کے سمندر میں پھینک دے ، میرے جسم میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور جو شخص ان شعلوں کو زیادہ بھڑکائے گا وہی میرا سچا دوست ہے ۔ آہ مسکین احمد رفقی ، میں اُس کو کبھی نہ بھولوں گی وہ جب دشمنوں سے لڑنے جاتا یا اور کسی خطرناک مہم پر جاتا تو مجھے یہی مشورہ دیتا تھا کہ میں تیمار داری کے لباس کو اتار کر پھینک دوں اور خطرات کے سمندر میں اُسکے ساتھ چلوں ، لیکن آہ تم میرے لئے امن و سلامتی چاہتے ہو ، ہاں شہری عورتوں کا سا امن و امان ، کیا تم نے تھوڑا عرصہ گذرا اُس بیس سالہ استنبولی عورت کو نہیں دیکھا جو کندھے پر بندوق رکھے اپنے شوہر کے ساتھ سمرنا کے راستہ پر جا رہی تھی ۔ پھر کیا تم کو کنزبان بھی یاد نہیں رہی جو تم سے بندوق مانگتی تھی ، آہ تم سب کچھ بھول گئے اور زیادہ سے زیادہ تم اس امر کو پسند کرتے ہو کہ میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرتی رہوں اور بس آہ ....

اس موقعہ پر عائشہ نے اپنی پُر جوش تقریر کو جسکو اُسنے ایک سانس میں پورا کیا تھا ختم کر دیا اور بچوں کی مانند ناک بھوں چڑھا کر بیٹھ گئی ، میں اسوقت عجب مشکل میں تھا کیا جواب دوں اور کیونکر اس سے بات کروں آخر میں نے کہا۔

اگر تمھارا منشاء یہ ہے تو ٹھہرو میں احسان کو بلاتا ہوں تم اُس سے اپنا مقصد بیان کر دینا۔

عائشہ ۔ نہیں نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اب میں اسوقت تک یہاں نہ رہونگی جب تک کہ احسان کے قلب میں یہ خیال جاگزین ہے کہ مجھ میں ایک ایسی عورت کی روح نہیں ہے جو اُن کے درمیان زندگی بسر کر سکے میں پہلی ٹرین سے عسکی شہر جاؤنگی اور خود اُس راستہ کو تلاش کرونگی جو مجھکو سمرنا پہونچا دے ۔

مین نے محسوس کیا کہ اسوقت عائشہ کی آنکھین عجیب غریب منظر پیدا کر رہی ہین یعنی جس طرح سورج کبھی بادلون مین چھپ جاتا ہے اور کبھی بادلون سے نکلکر روشن ہوجاتا ہے اسی طرح اُس کی آنکھین کبھی چمکنے لگتی ہین اور کبھی بے رونق ہوجاتی تھین اور اُن سے حسرت ویاس ٹپکنے لگتی تھی۔ مین نے عائشہ کی اسوقت کیحالت سے یہ نتیجہ نکالا کہ آج پہلی مرتبہ اُسپر حب وطن کے بجائے نسوانی خودداری غالب آگئی ہے مین نے آج اُسکو بالکل بچون کی مانند ضدی پایا اور محسوس کیا کہ اگر اسوقت اُس سے زیادہ گفتگو کی گئی تو بہت ممکن ہے کہ اسکا نتیجہ خراب نکلے آخر مین بالکل خاموش ہوگیا اور عائشہ کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔

رات کا کھانا ہم تینون نے ساتھ کھایا احسان کی آنکھین اسوقت اُس کی مکدر پیشانی مین پنہان تھین جس کے آثار چہرہ پر واضح طور پر نظر آرہے تھے وہ اسوقت اپنے خیال مین اس قدر مستغرق ہو تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی عائشہ کے متعلق کوئی خیال اُس کے دل و دماغ مین پیدا نہ ہوا اور نہ اُس نے کھانے پر عائشہ کی روانگی سمرنا اور دجال کے اُس خط کا جو اُسنے اس خصوص مین لکھا تھا کوئی تذکرہ کیا۔

میرے دلمین اسوقت یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص جو اس امر پر راضی ہوچکا تھا کہ اپنی روح کے دو ٹکڑے کرکے عائشہ کو اس خیال سے کہ اُس کی زندگی خطرات سے محفوظ رہے عسکی شہر بھیجدے، اب اس امر کا خواہشمند ہے کہ عائشہ اُس کے ساتھ یہین رہنے پر آمادہ ہوجائے لیکن عائشہ نے کوئی آمادگی ظاہر نہین کی اور کھانے کی پلیٹ سے نظر ہٹائے بغیر اُس نے دریافت کیا۔

عسکی شہر کی گاڑی کسوقت جائے گی۔

مین نے دیکھا کہ عائشہ کے اس سوال نے احسان کے چہرہ کے رنگ کو متغیر کردیا گویا ان الفاظ نے اُسپر ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا آخر وہ اپنے خیال سے چونکا اور کہا۔

کل رات کو عسکی شہر کی گاڑی جائے گی اگر تم صبح کو یہان سے روانہ ہو تو شام کو تفکہ کے اسٹیشن پر پہنچ جاؤ گی۔

عائشہ۔ بہتر ہے۔ کیا رات کو تم میرے لئے گاڑی تیار کردوگے۔

احسان۔ تعمیل ارشاد کی جائے گی۔

احسان اور عائشہ کی گفتگو ختم ہوگئی اور دونون مین سے ہر ایک اپنے اپنے فکر و آلام مین مبتلا ہوگیا اب رہا مین اس زندگی مین بجز اس کے کہ خون کی ندیون کو بہتا دیکھون اور آلام و مصائب کو برداشت

کردن اور کوئی کام میرے متعلق نہ تھا اور یا پھر مین عشق و محبت کے اُن مناظر کو دیکھتا تھا جن کا اظہار لوگ میرے سامنے کیا کرتے تھے رہا میرا عشق اور میرے آلام وہ ایک ایسی صورت رکھتے تھے جسکو بجز میرے کوئی دوسرا نہین دیکھ سکتا تھا۔

اس طفلانہ آندھی کے بعد عائشہ کو سکون حاصل ہوگیا لیکن اس سکون مین بھی خطرناک و جانکاہ زہر کی تلخی شامل تھی چند منٹ کے بعد پھر عائشہ نے سر اُٹھایا اور ساکن نظرون سے احسان کی طرف دیکھکر دریافت کیا۔

پیامی کی نسبت تم کیا کہتے ہو وہ اناطولیہ مین کیا کام کریگا۔

احسان۔ کیا وہ تمھارے ساتھ نہین رہیگا۔

عائشہ۔ غریب پیامی! اُس نے اناطولیہ آنے کی تکلیف صرف اس لئے گوارا کی ہو کہ وہ اپنی خالہ زاد بہن کی اُس کی اس عمر مین تربیت کرے بلاشبہ یہ ایک عجیب بات ہو، پیامی یہان اس لئے آیا ہو کہ وہ دشمنون سے اسی طرح لڑے جس طرح تم لڑتے ہو اور سمرنا کو نجات دلانے کے لئے اسی طرح کام کرے جس طرح تم کرتے ہو اس لئے مناسب یہ ہو کہ اُس کو فوراً اُن لوگون مین شامل کردیا جائے جو سپاہ مین داخل ہین اور دشمن سے لڑتے ہین۔

عائشہ کے اِن الفاظ نے باوجود اس کے کہ وہ میرے اور عائشہ کے درمیان جُدائی ڈالنے والے تھے مجھ پر کوئی بُرا اثر نہین ڈالا بلکہ مین ان کو سُنکر بہت خوش ہوا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ عائشہ نے مجھکو اس قابل خیال کیا تھا کہ مین سمرنا کے مجاہدین مین شامل ہون اور وہ اُس دفتر وزارت کو بھول گئی تھی جس مین مین کام کرتا تھا اور جس کے نزدیک کاغذ اور خراب آب وہوا مین مین نے زندگی بسر کی تھی اگرچہ مین اُن نوجوان فوجی افسرون مین شامل نہ تھا جنھون نے عائشہ کے ہاتھ پر رات کو حلف اُٹھایا تھا۔

احسان عائشہ کے الفاظ سُنکر ہنسا اور کہا۔

محترمہ عائشہ تمھارا خیال درست ہو مین پیامی کو انگورہ بھیجدونگا تاکہ وہ وہان فوجی تربیت حاصل کرکے فوجی افسر بنجائے لیکن اُس کو تھوڑے دنون میرے پاس رہنا ضروری ہو۔ مین اس اَمر کی پوری کوشش کرونگا کہ تمھارے خالہ زاد بھائی کو موت کے ہاتھون سے محفوظ رکھون۔

عائشہ۔ کیا موت کو حقیر و ذلیل خیال کرنا فوجیون کی خصلت نہین ہو۔

احسان ۔ ہونہہ عائشہ بیشک تمہارا اقبال درست ہو ۔

میں نے کہا ۔ وہ تم بچوں کی طرح باہم یہ جھگڑ رہے ہو عائشہ کے ساتھ عسکری شہر جا رہا تھا اور اس کو جمال کے پاس پہنچا کر واپس آجاتا ۔

احسان نے کہا ۔ عائشہ کے ساتھ میں شادیش محمد کو بھیجوں گا کیونکہ عائشہ اس امر کو پسند نہیں کرتی کہ کوئی شخص اس کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ ہو ۔

اس روز مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کیوں احسان نے شادیش محمد کو عائشہ کے ساتھ بھیجنا ضروری سمجھا تھا ۔ آیا اس لئے کہ شادیش محمد مجھ سے زیادہ عائشہ کی حفاظت کرسکتا تھا یا اس لئے کہ احسان کو یہ امر گوارا نہ تھا کہ میں عائشہ کے ساتھ ہوں لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس نوجوان مسکین نے مجھے صرف اس لئے روک لیا تھا کہ میں بحیثیت ایک ایسے شخص کے جس کو عائشہ کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اس کی تسکین و تشفی کرتا رہوں ۔

(۶)

شادیش محمد

۲۳ نومبر ۱۹۲۱ء

عائشہ کی روانگی نے آزادی کی عجیب و غریب خواہش میرے قلب میں پیدا کردی تھی اور میں اس حقیقت پر غور کر رہا تھا کہ میں اناطولیہ میں صرف اس لئے نہیں آیا ہوں کہ عائشہ کی نگہبانی اور حفاظت کرتا رہوں بہت ممکن ہے کہ عائشہ کے قلب میں میرے لئے کوئی جگہ نہ ہو لیکن میں ہمیشہ اس امر کا آرزومند رہا کرتا تھا کہ عائشہ مجھ کو بھی اپنی نیلگوں آنکھوں سے اسی طرح دیکھے جس طرح وہ ہر اس شخص کو دیکھتی ہے جو آزادئ ترکیا کی راہ [illegible] ہاں جس طرح وہ ہر اس مجاہد کو دیکھتی ہے جو ترکوں کے لئے جیتا ہے اور ترکوں کی جدوجہد میں ہر [illegible] آمادہ رہتا ہے اور پھر وہ اس امر کا اعتراف کرلے کہ میں بھی ایک ایسا ہی شخص

ہوں جو ستر اپنی جوانی کو قربان کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ اب میں دفتر وزارت خارجہ کا وہ عہدہ نشین ہونا نہیں چاہتا۔

عائشہ جب تمام مباحثات کے ساتھ قصے سنتی تھی جو جبل الطارق کے تمام سانحوں اور مناقب بیان کر دیتی تھی اور ان زخموں کا ذکر کرتی تھی جو اسنے سمندر کی راہوں میں کھائے ہیں تو میرے دل میں غیرت کا جذبہ بے اختیار پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت میں اس کی آواز میں ایک ایسا نغمہ محسوس کرتا تھا جو اخوت کی خوبی سے زیادہ انسانی صداقت کو رکھتا تھا۔

اب میں کھیوا میں ہوں اور عائشہ کی جدائی کے خطرات و مصائب کے برداشت کی مشق کر رہا ہوں اور اس کوشش میں ہوں کہ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح گھوڑے اور بندوق کو اپنا دوست بناؤں اور یہ کہ اس غیر آباد اور بنجر زمین میں اپنا وہ فرض ادا کروں جو میرے دوسرے بھائی ادا کر رہے ہیں اور ان کی طرح موت کے آغوش کی طرف اسی طریقہ پر رواں ہوں جس طرح قریب میدان میں تفریح کے لئے لوگ جاتے ہیں۔

عائشہ کی روانگی کے بعد احسان خاموش رہنے لگا تھا اور ہر وقت اُس پر رنج و غم طاری رہتا تھا لیکن باین ہمہ وہ اپنی خدمات کو اسی طرح ادا کرتا تھا جس طرح ایک نڈر اور بہادر افسر ادا کرتا ہے۔ جب ہم دونوں یکجا ہوتے تو میں دیکھتا کہ احسان کا برتاؤ میرے ساتھ کبھی کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ یعنی اُس پر دو حالتیں طاری رہتی تھیں کبھی وہ اُس شخص سے جسکو عائشہ سے کوئی خصوصیت حاصل ہوتی تھی نہایت اخلاق و نرمی کے ساتھ پیش آتا تھا اور کبھی وہ اُس سے انتقام کے درپے ہو جاتا تھا اور عائشہ سے اُس کی خصوصیت و قربت کو رشک و حسد سے برداشت نہ کر سکتا تھا جب اُس پر پہلی حالت طاری ہوتی تھی تو وہ مجھ پر ایسا مہربان نظر آتا تھا جیسا کہ کوئی بچوں پر مہربان ہوتا ہے اور مجھے سردی اور گرمی سے بچانے کی کوشش کرتا تھا اسی حالت میں جب کبھی وہ میرے کمرہ میں داخل ہوتا اور مجھکو سوتا ہوا پاتا تو وہ مجھے چادر اُڑھاتا اور آرام سے سوتے رہنے کا موقع بہم پہونچاتا تھا اور میں اُس کی اس ہمدردی سے شرمندہ ہو جاتا تھا لیکن جب اُس پر دوسری حالت کا غلبہ ہوتا تھا تو اُس کی ساری مہربانیاں ختم ہو جاتی تھیں اور وہ تمام پابندیوں اور تعلقات کو خیرباد کہدیتا تھا اور مجھ کو ایسے ایسے خطروں میں بھیج دیتا تھا جنکو صرف وہی لوگ برداشت کر سکتے تھے جنھوں نے بیس سال تک پہاڑوں میں زندگی بسر کی ہو وہ

مجھے ایسے سخت سے سخت فوجی تجارب پر مجبور کرتا اور ایسی شدید شورش سے میرا مقابلہ کرا دیتا تھا جس سے عہدہ برآ ہونا کسی ایسے سپاہی سے غیر متوقع تھا جو ابھی تعلیم و تربیت حاصل کر رہا ہو۔ میں احسان کے حکم سے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر ایسے ایسے خطرناک ورزشی کھیل میں حصہ لیتا تھا جن سے زندہ بچنے پر آج مجھکو تعجب ہو رہا ہے۔ احسان مجھ کو زندگی ہی میں نہایت بے دردی کی روش سے مجبور کرتا کہ میں پہاڑیوں، ٹیلوں، خندقوں اور پست و بلند زمینوں پر گھوڑے کو دوڑاؤں اور دیواروں کو پھاندوں با اینہمہ جب میں ان تمام کاموں میں کامیاب ہو کر نیم جان واپس آتا تو احسان کی زبان میری تعریف میں ایک جملہ بھی نہ نکلتا تھا جس سے میرا دل خوش ہوتا۔ ہتھیاروں کے استعمال کا طریقہ بتلانے اور اسلحہ کو کام میں لانے کی تعلیم دینے کے لئے مجھ کو شاویش محمد کے حوالہ کر دیا گیا تھا اور وہ مجھ اسلحہ کے استعمال کی تعلیم دیتا تھا۔ شاویش محمد اناطولیہ کا ایک انتہا پسند سیاسی آدمی تھا اُسنے اپنی زندگی کا ایک حصہ بلغاری ڈاکوؤں کی سرکوبی کی مہم میں صرف کیا تھا اور مقدونیہ کی شورشوں نے اُس کو مضبوط اور تجربہ کار بنا دیا تھا۔ اُس کا یہ مضبوط عقیدہ تھا کہ تمام اجنبی قومیں مسلمانوں کی فکر میں ہیں اور اُن کو تباہ و برباد کر دینے کے لئے موقع ڈھونڈھ رہی ہیں پھر اُس کا یہ بھی خیال تھا کہ بلغاری انسانی زندگی میں ایک اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں ایک اور خیال اُس کے قلب میں یہ جاگزیں تھا کہ سلطان کی شخصیت قابل نفرت ہو اس سلسلہ میں وہ کہا کرتا تھا کہ

"قوم کو چاہئے کہ اب حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور خود ملک کا انتظام کرے۔"

لیکن اس خصوص میں اُس کے خیالات واضح نہ تھے اور نہ کسی کو یہ معلوم تھا کہ قوم سے اُس کی مراد کیا ہے اور قوم کس طرح حکومت کا انتظام کرے گی بہر نوع وہ اُس شخص کو قوم میں شمار نہ کرتا تھا جو ہتھیار نہ اٹھا سکے اور نہ دشمنوں سے جنگ کر سکے۔

جسوقت احسان پر حکومت کا نشہ غالب آجاتا تھا تو میں اُس کی جانب سے منہ پھیر لیتا تھا اور شاویش محمد کو اپنے پاس بلا کر اُس سے باتیں کیا کرتا تھا وہ مجھے حیرت انگیز واقعات اور تعجب انگیز قصے سنایا کرتا تھا وہ کبھی کبھی خیالی دنیا کی سیر کرتا اور کہتا کہ وہ ایک پاشا کے ساتھ درہ خیبر کی راہ سے ہندوستان بھی ہو آیا ہے اور پھر کہتا کہ جب وہ مصطفےٰ کمال پاشا کے ساتھ ایتھنز (دار السلطنت یونان) پر قبضہ کرنے کے لئے جائے گا تو کیا کیا واقعات پیش آئیں گے لیکن با اینہمہ وہ بعض اوقات حسرت کے ساتھ آہ کرتا

میں داخل ہونے کی آرزو ظاہر کیا کرتا تھا۔

ترکی مقبوضات کے انتظام کے متعلق بھی وہ ایک خاص رائے رکھتا تھا اس کا خیال تھا کہ قوم کے جو لوگ گھروں میں بیٹھے ہیں اور میدان جنگ میں کام کرنے کے لئے نہیں آسکتے وہ اس امر کے مکلف ہیں کہ مجاہدوں کی ضروریات کی تمام چیزیں اُن کے لئے بہم پہنچائیں بجٹ اور مالی مسائل کے متعلق اس کو کوئی خاص علم نہیں تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میزانیہ (بجٹ) اور مالی معاملات سے وہ قطعاً آگاہی نہ رکھتا تھا، اس کا یہ عقیدہ تھا کہ چونکہ کاروباری آدمی اور وہ لوگ جو ہتھیار نہیں اٹھا سکتے مجاہدوں کی وجہ سے نجات حاصل کریں گے اس لئے ان کا فرض ہے کہ وہ مجاہدوں کی خوراک بہم پہنچائیں اور پہننے کے لئے ان کو کپڑا دیں، وہ جب کبھی احسان کو کوئی چیز بہ نقد دیکر خریدتا ہوا دیکھتا تھا تو غضبناک ہو جاتا تھا اور اس سے دریافت کرتا تھا تم یہ روپیہ کہاں سے حاصل کرتے ہو کیا قوم سے نہیں لیتے ؟ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ٹیکس باندھے جائیں اور فوجی پولیس اور بزدل لوگوں کی تنخواہیں مقرر کی جائیں کیا کاشتکاروں کی فلاح وبہبود کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم ٹیکس وغیرہ تمام باتوں کو چھوڑ دیں اور ان سے صرف خدا کا غلہ اور تمام ضروریات کو آئندہ مفت لے لیا کریں اور اسوقت تک یہ انتظام قائم رہے جب تک کہ جنگ جاری رہے جنگ ختم ہونے کے بعد ہم میں سے ہر شخص کوئی کام پسند کرلے اور اس کے ذریعہ اپنی ضروریات کا انتظام کرے۔

شادلیش محمد کو یونانیوں کے بعد سب سے زیادہ نفرت فوجی پولس کے لوگوں سے تھی اور اس کی دلی آرزو یہ تھی کہ وہ ایسی جگہ جاکر توطن اختیار کرے جہاں نہ تو یونانی ہوں اور نہ فوجی پولس کے آدمی۔

شادلیش محمد اگرچہ ٹیکس وغیرہ کے معاملہ میں نہایت سخت اور خوفناک رائے رکھتا تھا لیکن بایں ہمہ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ وہ بھوکا اور نیم جان دیہات میں اپنا کام کرتا پھر رہا ہے لیکن کسی سے کچھ نہیں طلب کرتا البتہ تمباکو کبھی کبھی وہ کاشتکاروں سے تھوڑا سا مانگ لیا کرتا تھا، یونانیوں نے جب بروصہ پر قبضہ کر لیا تو کیوہ کے قریب مقام "ارناوط کوئی" کے رومی باشندوں نے بغاوت شروع کر دی، ان باغی جماعتوں کے پاس بم کے گولے تھے جن سے وہ ہم کو دھمکایا کرتے تھے، موضع خندق کی شورش اور ارناوط کوئی کے باغیوں کے مقابلہ میں احسان کی ماتحت سپاہ کام کر رہی تھی اور اس شورش کو دبانے کی اہم خدمت احسان کے سپرد تھی لیکن یہ عجیب اتفاق اس مقابلہ کے زمانہ میں پیش آیا کہ ہمارا ذخیرہ جنگ

ٹھہر گیا احسان ذخیرہ جنگ کی کمی سے سخت پریشان تھا اور کھا پیتا یہان تک کہ بات کرنا تک اُس نے چھوڑ دیا تھا لیکن بایں ہمہ وہ پوری قوت سے باغیون کا مقابلہ کر رہا تھا اور تکلیفون اور مصائب کی پروا نہ کرتا تھا۔ انھین ایام مین ایک روز صبح کے وقت جبکہ اُس کے چہرہ پر سنگدلی کے آثار نمایان تھے اُسنے مجھے اور شادیش محمد کو طلب کیا اور کہا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ذخیرہ جنگ جو ابتدائی جدوجہد کے زمانہ مین چھپا کر لایا گیا تھا مقام قندیرہ کے اطراف مین کسی جگہ مدفون ہے لیکن وہ جگہ کسی کو معلوم نہین ہے اُس علاقہ مین ایک نوجوان فوجی افسر یوزباشی صفوت قومی جدوجہد مین عرصہ سے مشغول ہے اور قسطنطنیہ سے بھاگ کر اناطولیہ مین آنے والے لوگون کو مدد دیتا ہے۔

ان الفاظ کو ختم کر کے احسان نے ہم سے خواہش ظاہر کی کہ ہم یوزباشی صفوت کو تلاش کرین اور اُس سے ملکر ذخیرہ مذکور کو مناسب طریقہ پر یہان لے آئین تاکہ ہماری سپاہ مدافعت کو برابر قائم رکھے اور وطنی جہاد کو جاری رکھ سکے۔

مین اور شادیش محمد دونون فوراً اس مہم کو انجام دینے کے لئے تیار ہوگئے اور اپنے اپنے گھوڑون پر سوار ہو کر علاقہ قندیرہ کی طرف روانہ ہوئے اسوقت شادیش محمد کی ہیئت بہت خوفناک تھی اسکی کلاہ بائین جانب سے اسطرح نکلی ہوئی تھی جیسے سینگ ہوتا ہے وہ اس سفر مین جب زمین پر لیٹتا تو اپنی کمر کو دیوار سے لگا لیتا اور آسمان کی طرف نظر رکھتا تھا اور بندوق کو اسطرح اپنے پہلو سے لگائے رکھتا تھا جس طرح بچہ کو سینہ سے لگا لیتے ہین اگر اُس روز رات کو زمین پھٹ جاتی اور کوئی دیو اُس سے نکل کھڑا ہوتا تو اُس کا سر بھی اتنا خوفناک اور آنکھین اس قدر شرر ریز نہ ہوتین جس قدر کہ اسوقت شادیش محمد کی ہیئت خوفناک تھی۔ اناطولیہ کے وہ نوجوان شادیش محمد کی نظر مین ہم سے زیادہ محبوب تھے جو اپنے دین کی اور وطن کے پتھرون کی حفاظت و مدافعت کے لئے پہاڑون سے نکل کھڑے ہوئے تھے ان نوجوانون کی اس وطن پرستی کا یہ نتیجہ تھا کہ اناطولیہ کے تمام گیتون اور کہانیون مین اب انھین کا ذکر ہوتا تھا۔ یورپ نے جسوقت ہمارے سرون پر کاری ضرب لگائی تھی ہماری یہ حالت تھی کہ ہم حیران و پریشان کھڑے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہئے لیکن اناطولیہ کے نوجوانون کی کیفیت یہ تھی کہ وہ مدافعت کے لئے میدان مین نکل آئے تھے اور ہم کو اپنی دردناک صدا سے بیدار کر رہے تھے

بلاشبہ وہ پہلا ہاتھ جو مشرقی دنیا میں ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے اُٹھا تھا اور وہ اپنی طرح ظالموں سے مقابلہ کے لئے تیار ہوئی اناطولیہ ہی کے نوجوانوں کا ہاتھ اور وہ روح تھی جنہیں نوجوانوں نے اپنے قربان جان سے مجاہدوں کی پہلی صف تیار کی اور ہمیشہ صف آگے۔ دشمنوں اور خطرات میں ثابت قدم رہی یہاں تک کہ اب اناطولیہ کے دور دراز خطوں میں ہم منظم سپاہ کے قدموں کی آہٹ سن رہے ہیں جو بتدریج ترقی حاصل کر رہی ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ جب باقاعدہ سپاہ تیار ہو جائیگی تو ان بے قاعدہ جماعتوں کو اس میں شامل کر لیا جائے گا یا ان کو تباہ و برباد کرکے ان کی بے جان نعشوں کو قدموں کے نیچے روند ڈالا جائیگا۔

شادیش محمد کبھی کبھی اس حالت میں کہ ہم دونوں پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں یکایک خاموش ہو جاتا تھا اور پھر کسی مقام پر رُک کر چاند کی سفید روشنی میں اپنی آنکھوں سے جو انگارے کی مانند سُرخ تھیں اس طرح کسی چیز کو دیکھنے لگتا تھا گویا وہ کسی خطرہ کو محسوس کر رہا ہے آہ وہ کس قدر شجیع و بہادر، اور کتنا سادہ لوح تھا، وہ جو کام کرتا تھا وہ بچوں کی سی سادگی رکھتا تھا اور اُس کی سادگی کو ظاہر کر دیتا تھا۔

ایک مرتبہ جب میں نے اُس سے یہ دریافت کیا کہ جدوجہد کی ابتدا میں لوگوں کو کس قسم کے اسلحہ سے مسلح کیا گیا تھا اور وہ کیونکر ہتھیاروں اور سامان جنگ کو اُڑا لائے تھے تو میرے سوال نے اُس کو خوش کر دیا اور اُس کے چہرے پر مسرت کے آثار چمکنے لگے اور اُس نے اناطولیہ کے سخت لہجہ میں مجھے اُن بم گاڑیوں کا قصہ سنایا جو ہتھیاروں سے بھری ہوئی خفیہ طور پر اناطولیہ کے اندر لائی گئی تھیں ......

راستہ میں ابتدائے سفر سے ہماری سب سے بڑی مہم یہ تھی کہ ہم صفوت بیک کو تلاش کریں اور اُس سے ملنے کی سعی کریں جب ہم نہر سقاریہ کے کنارے پر پہنچے تو حالات نے مجبور کیا کہ ہم احتیاط سے کام لیں چنانچہ میں نے شادیش محمد کو ایک گھاس کی گاڑی میں جسکو ایک مہاجر لئے جاتا تھا چھپا دیا مقدونیہ کے دیہات کے مہاجروں کو میں نے اُن خطرات کے مقابلہ میں جو اناطولیہ کو گھیرے ہوئے تھے سب سے زیادہ صابر پایا وہ وطنی قوت کو سب سے زیادہ مدد دے رہے تھے اور جن علاقوں پر دشمن نے قبضہ کر لیا تھا وہاں سے اپنے کھیتوں کو دشمن کے حوالہ کرکے سب سے پہلے بھاگ کر آئے تھے ہاں ان مہاجرین نے اپنے سبز زمردین اور نمونۂ جنت کھیتوں کی پروا نہ کی گلاب کے اُن تختوں اور باغوں کا خیال بھی

نہیں کیا جن میں طبلوں نے گھونسلے بنا لئے تھے اور پھر اُنھوں نے اُن خوبصورت اور سفید مکانات کی بھی پروا نہیں کی جو صاف ستھرے اور سادات کا مخزن تھے اور سب کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگ آئے ہاں اُنھوں نے اُن مکانات کو بھی چھوڑ دیا جن میں اُن کے احباب اُن کی معصوم نوجوان لڑکیاں اور پردہ نشین دلہنیں قتل کی گئی تھیں اور جو خونی یادگاروں کی حیثیت رکھتے تھے یہ مقدونی مہاجر اسوقت تک اُس خونی آندھی کو نہ بھولے تھے جس نے اُن کو اپنا وطن چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا تھا اور جسنے اُن کو اناطولیہ میں لا ڈالا تھا یہ آندھی یورپ سے آنے والے دو سیاہ بادلوں سے پیدا ہوئی تھی اور اُن کے گرد سیاہ دھواں پھیلا ہوا تھا، اناطولیہ کے باشندے جن کی زمین پر اس سے پہلے کبھی کسی دشمن نے قدم نہ رکھا تھا ابتدا میں تو اس ہولناک واقعہ سے گھبرا گئے تھے لیکن پھر وہ جاگ اُٹھے اور خدا ہی جانتا ہے کہ کیونکر وہ جاگے۔ شادلیش محمد جو مقدونیہ کے خونی معرکوں میں شریک رہ چکا تھا اپنے آپ کو اناطولیہ کے کاشتکاروں کا رہنما خیال کرتا تھا اور اپنے ہاتھ میں لاٹھی اور ہتھیار لے کر اُن کے پاس اس لئے آیا تھا کہ اُن کو اپنی حقیقت سے آگاہ کر دے اور جو خطرات رونما ہیں اُن سے اُن کو واقف بنا دے۔

نہر سقاریہ کو عبور کر کے ہم نے تھوڑی سی مسافت طے کی ہوگی کہ موضع قندیرہ میں پہنچ گئے اور وہاں کے ایک معزز و با اثر شخص مرسل آغا کے ہاں ٹھہرے مرسل آغا نے ہمارے لئے اپنے مکان کا ایک آراستہ کمرہ کھول دیا اور وہ اور اُس کے دونوں بیٹے ہماری خاطر و مدارات اور خدمت میں مشغول ہو گئے۔

مرسل آغا اُس شورش اور خونریزی کو غور و فکر اور اضطراب کی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو اطراف میں جاری تھی لیکن اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہ کرتا تھا ممکن ہے وہ واقعات کی رفتار کو دیکھ رہا ہو تاکہ بعد کو کوئی رائے قائم کر سکے اور کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکے جیسا کہ عام طور پر اناطولیہ کے باشندوں کی حالت ہے کہ وہ فوراً کسی معاملہ پر رائے قائم نہیں کر لیتے۔

مرسل آغا کی داڑھی شہابی اور بڑا سر تھا جس پر وہ عمامہ باندھے رہتا تھا وہ اپنے ہم نشینوں کو ایسی تبسم آمیز نگاہ سے دیکھتا تھا گویا وہ اس کے قلب کی تہہ سے نکلی ہے لیکن وہ بہت کم اس طرح دیکھتا تھا۔

میں نے مرسل آغا کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا۔ یہ بوڑھا بلاشبہ دانشمند ہے اور اُن باتوں سے آگاہ

ہے جن سے ہم واقف نہین ہین وہ ہم کو اس طرح دیکھتا ہو گویا کہ ہم اُس کی نظر مین تنکے ہین"

مرسل آغا کے دونون بیٹے طویل قامت موٹے اناطولی جوان تھے - چہرے گول اور بھرے ہوئے اور شیرون کے مانند تھے لیکن وہ اناطولیہ کے دوسرے شرفا کے بچون کی طرح ڈھیلے ڈھالے اور پیوند لگے ہوئے پائجامے پہنے ہوئے نہ تھے بلکہ تنگ انگریزی پائجامے (پتلون) پہنے ہوئے تھے اور اُن مین اگرچہ پیوند لگے ہوئے تھے لیکن صاف ستھرے تھے یہ دونون جوان جب اپنے بازوؤن پر آستینون کو چڑھانا چاہتے تو نہایت باقاعدگی سے آستینون کو چڑھاتے تھے اُن کے سرون پر ٹوپیون کے اوپر رومال بندھا ہوا نہ تھا بلکہ ٹوپیان اس وضع سے زیب سر تھین کہ اُن کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دارالسلطنت کے وردی پوش سپاہی ہین - مین نے جب مرسل آغا سے اُس کے بیٹون کی اس وضع کے متعلق ایک سوال کیا تو مرسل آغا مسکرایا اور معًا اُس کے بیٹون مین سے ایک دیو کی مانند کمرہ مین داخل ہوا اسوقت وہ سلطانی محافظ گارد کا سا لباس پہنے ہوئے تھا، مین نے اُس کو دیکھکر فورًا پہچان لیا کہ وہ اُس کا بیٹا ہے، اور معًا میرا خیال آستانہ کی طرف منتقل ہو گیا، میری نگاہون کے سامنے "درہ کوئی" کی صاف ستھری سلطانی سڑکین آگئین اور پھر اُن سلطانی محافظ گارد کے سپاہیون کی شکلین میری نظرون مین پھرنے لگین جو پرندون کی مانند سڑکون پر سے گذر رہے تھے اور جن مین سے ایک کے سر پر سفید ٹوپی تھی اور وہ نیلا کوٹ اور سُرخ پائجامہ پہنے تھا اور اُس کی پشت سے فوجی یادداشتون کی کتاب بندھی تھی

مین اسوقت غور سے شادیش محمد کی آنکھون کو دیکھ رہا تھا جو مرسل آغا اور اُس کے بیٹون سے ترکی کے ٹھیٹ لہجہ مین اناطولیہ کے قضیہ کے متعلق گفتگو کر رہا تھا اس سلسلہ مین شادیش محمد نے نوجوانان اناطولیہ کی مدافعت حماست اور پامردی کا بھی ذکر کیا اور گفتگو کو پُر اثر بنانے کے لئے کسی قدر مبالغہ سے بھی کام لیا جیسا کہ عمومًا ایسے مواقع پر ہوتا ہے -

ادہر تو شادیش محمد باتون مین مشغول تھا اور اُدہر مین اپنے دل مین یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے شادیش محمد اپنے آقا کے کام کے متعلق کیا انتظام کرتا ہے پھر مین نے شادیش محمد کی آنکھون پر نظر ڈالی اور مجھ محسوس ہوا کہ اُس کے جسم مین ایک پاکیزہ رُوح کام کر رہی ہو جسنے اُس کے اہم عقائد کو گم کر دیا ہو اور اُن کی جگہ خاموشی رنج والم اور غیر متردد اضطراب نے لے لی ہو -

دوسرے روز صبح کے وقت جب ہم یہان سے روانہ ہوئے تو ہم نے دُور سے مرسل آغا کے ایک

پیچھے کو دیکھا جو راستہ کے پہلو میں ایک ٹیلہ پر کھڑا تھا اور رومال ہلا ہلا کر ہم کو ٹھہرا رہا تھا کہ ہم اُس کے پہنچنے کا انتظار کریں جب وہ ہمارے پاس پہنچ گیا تو آہستہ سے میرے باپ سے کہنے لگا کہ لوگوں کا ایک گروہ پیچھے لگا ہے میں تھوڑے سے فاصلہ تک بھی سمجھتا ہوں تم کو چاہئے کہ جب ہم اس گاؤں سے گذریں تو ہوشیار اور خبردار رہیں کیونکہ آجکل اس گاؤں میں آستانہ سے چار مشتبہ اشخاص آئے ہوئے ہیں اس کے بعد اُس نے طبعی سادگی کے ساتھ کہا "صفوت بک" موضع قالیانہ میں چھپا ہوا ہے اگر تم موضع ایکرجہ سے صحت و سلامتی کے ساتھ گذر گئے تو تم صفوت بک کو وہاں پاؤ گے، اچھا اب جاؤ فی امان اللہ"۔

ہم کو حیرت و قلق کی حالت میں چھوڑ کر وہ چلا گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا بلاشبہ یہ نوجوان قومی حرکت میں شامل ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اُس کو ہماری مہم کا حال معلوم نہ ہوتا چونکہ ہم نے گذشتہ رات اُس کے باپ مرسل آغا کے چہرہ پر احتیاط پسندی کی علامات نمایاں پائی تھیں اس لئے میں خوف زدہ ہو گیا تھا اور اسی باعث میں نے اُس کے سامنے صفوت بک کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

رات بھر ہم سفر کرتے رہے اور اُس وادی کو جو ایکرجہ تک چلی گئی تھی طے کر لیا یہ وادی شروع سے آخر تک گنجان درختوں اور خاردار جھاڑیوں سے بھری ہوئی تھی اور فضا میں چونکہ ابر غلیظ پھیلا ہوا تھا اسوجہ سے ماہتاب کی روشنی ہم تک نہ پہنچتی تھی، وادی کے خاردار درخت اس تاریکی میں جو دُور تک پھیلی ہوئی تھی، بعض انسانی بازوؤں کے مانند نظر آتے تھے اور بعض مردوں کی رانوں کی طرح۔ درختوں اور جھاڑیوں کی کثرت اور شدید تاریکی نے گھوڑوں کے لئے سخت مشکلات پیدا کر دی تھیں اور وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔ کانٹوں نے ہمارے ہاتھوں اور چہروں کو چھلنی بنا دیا تھا ہم جسقدر آگے بڑھتے تھے چاندنی کی روشنی کم ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ہم ٹیلہ پر پہنچے تو چاندنی کی روشنی کا پتہ نہ تھا اب ہم خاردار درختوں سے گذر چکے تھے اور ٹیلہ پر کھڑے ہوئے وادی کے اُن گنجان درختوں کو دیکھ رہے تھے جو تاریکی میں ایسے معلوم ہوتے تھے گویا وہ ایک دوسرے سے معانقہ کر رہے ہیں اور بعض بعض سے وابستہ ہیں۔ جس ٹیلہ پر ہم کھڑے تھے وہاں سے منتہائے نظر تک پست وادی کے خاردار درخت ایسے محسوس ہوتے تھے گویا ان درختوں میں اُنگلیاں نکل آئی ہیں اور ٹہنیوں پر اُنھوں نے نشو و نما حاصل کیا ہے۔ تاریکی میں اسوقت ہم یہ معلوم نہ کر سکتے تھے کہ جنگل کدھر ہے اور پہاڑ کی چوٹیاں کس جانب البتہ اُس نہر کے سفید سفید جھاگ جو وادی میں پھیلی ہوئی تھی صاف نظر آ رہے تھے، اس سفید

اور طویل نہر کے کنارہ پر اسوقت آگ روشن تھی جس کی روشنی تاریکی کے قلب مین گھستی چلی جاتی تھی، آگ کی سُرخی نے اپنے اطراف کی شدید تاریکی کو پگھلا دیا تھا اور تمام علاقہ روشن ہوگیا تھا۔ ہم نے اس آگ کو دیکھا اور اضطراب و شک ہمارے قلب مین پیدا ہوگیا، شک کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جب ہم اس مقام سے گذرے تھے تو وہان کوئی بھی نہ تھا آخر ہم احتیاط کے ساتھ اُس گاؤن کی طرف بڑھے جس کے سفید سفید منارے پہاڑی میدان کے دائین جانب نظر آرہے تھے، ہمارا ارادہ تھا کہ ہم گاؤن کے قریب سے چپ چاپ گذر جائین لیکن جب ہم گاؤن کے قریب پہنچے تو وہ ابر جو ماہتاب کے گرد چھایا ہوا تھا چھٹ گیا اور چاند کی شعاعین چراغ کی روشنی کی طرح گاؤن کے اوپر پھیل گئین، یہ گاؤن نہایت خوبصورت تھا اور خاص دلکشی اپنے اندر رکھتا تھا، اُس کے سفید سفید مکانات اور دو منزلہ عمارتین جن کی کھڑکیان صاف نظر آرہی تھین، چاندنی مین چمک رہے تھے گاؤن کے بائین جانب اُس وسیع راستہ پر جس پر سُرخ مٹی پھیلی ہوئی تھی ایک دُبلا پتلا شخص کھڑا تھا یہ شخص دراز قد تھا، مونڈھے چوڑے تھے اور چرمی لباس پہنے تھا، آہستہ آہستہ یہ شخص آگے کی طرف جا رہا تھا اور غور سے اِدھر اُدھر دیکھتا جاتا تھا راستے کے کنارہ پر ایک دو منزلہ مربع مکان تھا جس کے بالائی کمرہ مین ایک خوبصورت عورت لوہے کے سبز جنگلے سے پُشت لگائے کھڑی تھی اور اُس گہرے سکون مین جو اس وقت دُنیا پر محیط تھا ہلکی سُرخ روشنی مین کسی دُور کی چیز کو دیکھ رہی تھی اس سکون اور چاند کی ہلکی روشنی مین یہ عورت بالکل پُرانے قصّون کی روح معلوم ہوتی تھی اور خوفناک نظر آتی تھی۔

اسوقت یعنی شعر و جمال کی اس جذبہ انگیز ساعت مین میرے قلب مین بعض فلسفیانہ خیالات پیدا ہوئے جن کو مین اس موقع پر لکھتا ہون، مین نے اپنے دل مین کہا کہ

ہم چرکسون کی چھوٹی سی جماعت کے جُدا ہوجانے اور قومی تحریک مین اُس کے شریک نہ ہونے سے کیون غضبناک ہین کیا ہم مین سے ایک شخص بھی ایسا نہین ہے جو اُس کو اس امر کا اطمینان دلائے کہ ہمارے ملک مین اُسکو حکومت دینے کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ محض لغو اور بیہودہ ہے کیا ہماری جماعت مین چرکسی لوگ شامل نہین ہین جو وطنی جدوجہد مین پوری قوت سے کام کر رہے ہین اور وطن کی راہ مین قربانی دینے والے لوگون کی پہلی صف مین داخل ہین پھر یہ کہ دشمنانِ وطن کی صفون مین کیا ہمارے بعض وطن فروش و احسان فراموش ترک بھائی شریک نہین ہین، ہمارے یہ بھائی اپنے

انھوں سے ہمارا خون بہا رہے ہیں حالانکہ کبھی اُن میں بھی وطن پرستی کے جذبات اور ملکی خدمات کا شوق تھا، اور کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ انھوں نے ہمارے پہلو بہ پہلو ملک کی حفاظت کے لئے جنگ کی تھی اور اپنی شجاعت و بسالت اور وطن پرستی کا ثبوت دیا تھا اسی طرح بہت سے بڑے بڑے پاشا تھے جنھوں نے ملک کے لئے بہت سے مواقع پر جنگیں کی تھیں اور مدافعتِ حقوق کے لئے دشمنوں سے نبرد آزما ہوئے تھے لیکن پھر وہ قوم سے جدا ہو گئے اور دشمنوں سے جا ملے اور سیکڑوں برس سے ایسا ہی ہوتا آرہا ہے۔

اُس خوبصورت پرانے نقشوں کی روح نے جسکو میں نے سرِ جنگلے سے پشت لگائے چاند کی روشنی میں کھڑے دیکھا تھا اور جو کبھی نظروں سے غائب ہو جاتی تھی اور کبھی سامنے آجاتی تھی اور اُس دُبلے پتلے آدمی نے جسکو میں نے سرخ غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر جاتے دیکھا تھا میرے قلب کو نیکی محبت سے بھر دیا تھا یہاں تک کہ میرے دل میں بے اختیار یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش قدرت نے مجھے بھی ایسے مضبوط بازو دئے ہوتے کہ میں اُن سے کام لیتا اور اپنے خوبصورت بھائیوں کی صفوں میں شامل ہو کر دشمنوں سے لڑتا اور اپنا خون بہاتا اور اُس روز جبکہ قوم کے بہی خواہ اور وطن پرست قفقاز کی پہاڑیوں کے اوپر وطن کی بنیاد رکھنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور اُن اقوام کی تقلید کی تھی جنھوں نے غاصبوں سے اپنے حقوق کو واپس لیا تھا میں بھی اُن کے ہمراہ اور اُن کے کاموں میں شریک ہوتا۔

جب میں ان خیالات و افکار سے چونکا تو میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور گاؤں کی طرف بڑھا اور ارادہ کیا کہ سرخ گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ کو طے کر کے اُس مکان تک پہنچوں جو سرِ راہ واقع تھا کہ یکایک میں نے شادیش محمد کو مضطرب لہجہ میں یہ کہتے ہوئے سُنا

دوست پیامی کہاں جا رہے ہو کیا تمھاری عقل جاتی رہی ہے۔

میں نے شادیش محمد کے الفاظ کو سُنا بھی نہیں اور برابر گاؤں کی طرف بڑھتا چلا گیا، خاموشی چھائی ہوئی تھی اور بجز گھوڑے کے قدموں کی آواز کے اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی آخر میں اور شادیش محمد دونوں گاؤں میں داخل ہوئے، گاؤں کی گلیاں اسوقت بالکل سنسان تھیں اور زندگی کی کوئی علامت بجز کتوں کے بھونکنے کی آواز کے نظر نہ آتی تھی، گاؤں کی گلیوں سے گذر کر ہم ایک وسیع میدان میں پہنچے جہاں گاؤں کی مسجد تھی، یہاں پہنچکر میں نے دیکھا کہ گاؤں کے بعض مکانات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، چاند پھر بدلی میں آگیا اور ہم تاریکی میں گھوڑوں پر سوار برابر آگے بڑھتے رہے۔ ہم محسوس کر رہے تھے

کہ گویا ہم چٹیل میدان میں چل رہے ہیں لیکن تاریکی میں ادہر اُدہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ابر کے ٹکڑے فضا میں چکر لگا رہے تھے اور زمین سے بہت قریب آگئے تھے۔ تھوڑی ہی دور ہم گئے ہونگے کہ ہمارے ہاتھوں اور چہروں پر چند قطرے ٹھنڈے پانی کے گرے اسوقت میں بالکل محو خیال تھا نہ کسی چیز کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا اور نہ میرے کانوں میں کوئی آواز آتی تھی یکایک شادیش محمد نے گھوڑے کو روک لیا اور فوراً گھوڑے کی پشت سے زمین پر کود پڑا میں نے بھی مجبوراً یہی کیا اور بغیر اس امر کو معلوم کئے کہ شادیش محمد گھوڑے سے کیوں اُتر پڑا ہے میں بھی گھوڑے سے نیچے اُتر آیا نہیں معلوم شادیش محمد نے اس تاریکی میں جو موت کی سی سکنت وخاموشی رکھتی تھی کیا محسوس کیا تھا، پھر فوراً ہم نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور مٹی کے ایک تودے کے پیچھے جو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی پتھر زمین پر رکھا ہے چھپ گئے اور پھر آنکھوں کی پوری قوت سے ادہر اُدہر دیکھنے لگے۔ میں نے پہاڑ کے دامن میں ایک سیاہ چیز کو دیکھا جو آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔ پھر میں نے کسی کو بلند آواز میں یہ کہتے ہوئے سُنا۔

یہاں کون ہے

اس آواز نے میرے دلمیں یہ خیال پیدا کر دیا کہ اس متحرک اور گہری تاریکی میں کوئی فوج ہے پھر یہ محسوس کر کے میں ڈر گیا کہ کہیں شادیش محمد میرے قلب کی دھڑکن کو نہ سُن لے فوراً میں نے اپنے آپکو سنبھالا اور مصنوعی شجاعت اور گلوگیر آواز سے کہا۔

اور تم . . . . تم کون ہو؟ خبردار قدم آگے نہ بڑھانا ورنہ ہم تم پر فائر کر دینگے، میری آواز سُنتے ہی اُس گہری تاریکی کا ایک حصہ جدا ہوا اور تیزی سے ہماری جانب بڑھا اور کسی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سُنا فوراً جواب دو تم کون ہو . . . . ورنہ میں گولی مار دونگا۔

یہ الفاظ ختم نہ ہوئے تھے کہ میں نے سرعت واضطراب کے ساتھ بندوق کو سنبھالا لیکن شادیش محمد نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بندوق کو میرے ہاتھ سے لے لیا گویا اُس کو اس امر کا اطمینان ہو گیا ہے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پھر اُسنے کہا۔

ہم دو مسافر ہیں۔

ان الفاظ کے جواب میں یہ آواز آئی۔

اچھا اُٹھو اور ادہر آؤ۔

فوراً ہم مٹی کے تودے کے پیچھے سے نکلے اور آواز کی طرف بڑھے جب ہم اُس بڑی شکل کے قریب پہنچے جو تحرک تاریکی میں آگے بڑہتی نظر آتی تھی تو ہم نے دیکھا کہ ایک دراز قد شخص کھڑا ہے جس کے سر پر ٹوپی ہے ہم کو دیکھکر اُسنے کہا۔

برادران تم کہاں سے آرہے ہو۔

ہم نے کہا۔ کیوہ سے۔

شخص۔ کیا تم لوگ قومی تحریک میں شامل ہو۔

فوراً شادیش محمد آگے بڑہا اور کہا۔ جی ہاں جناب والا۔

شخص۔ تعجب ہے ۔۔۔۔ کیا تمھارا نام شادیش محمد ہے۔

شادیش۔ جناب بک ہاں میرا نام شادیش محمد ہے۔

شادیش محمد کے آخری لفظ سُنکر یہ دراز قد شخص غور سے دیکھتا ہوا میری جانب بڑہا اور گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملا کر کہا۔

اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے میں آپ کو دشمن سمجھا تھا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنی شخصیت سے آگاہ فرماکر مجھے معزز فرمائیں۔

میں۔ مجھ کو بیامی کہتے ہیں۔

شخص۔ اور میں "یوزباشی صفوت" ہوں۔

صفوت کے الفاظ سُنکر میں بے اختیار ہنس پڑا اور کہا۔

صفوت بک تم نے تو ہم کو ڈرا دیا۔ ہم واقعہ یہ ہے کہ بہت خوفزدہ تھے اور قریب تھا کہ تم اُن دونوں آدمیوں کو مار ڈالتے جو تم کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

صفوت بک۔ غالباً آپ استنبول کے رہنے والے ہیں۔

میں نے صفوت بک کو بتلایا کہ مجھ کو احسان نے تمھارے پاس بھیجا ہے اور پھر وہ غرض بیان کی جس کے لئے ہم نے یہ سفر اختیار کیا تھا۔ صفوت بک نے میرے بیان کو سُنکر کہا۔

میں بھی ایک ہفتہ سے اسی معاملہ میں سرگرداں ہوں اور سامان جنگ کو پہنچانیکی فکر کر رہا ہوں

اچھا اب چلئے راستہ میں باتیں ہونگی اور آج رات ہم ایکرچہ میں مہمان ہونگے۔

شادلیش محمد۔ کہا جاتا ہے کہ ایکرچہ ہمارے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

صفوت بک۔ ایکرچہ میں ہمارے آدمی موجود ہیں اس لئے ہم کو کسی خطرہ کی پرواہ نہیں ہے۔

اس چھوٹے سے چرکسی گاؤں میں اپنے ہم خیال لوگوں کی موجودگی کا حال معلوم کرکے میں بچوں کی مانند خوش ہوگیا، صفوت بک ہم کو گاؤں کے وسط میں ایک صاف ستھرے مکان میں لے گیا اور اہل مکان نے ہمارا استقبال کیا، مکان کا مالک ایک ادھیڑ شخص تھا جس کی ڈاڑھی سیاہ تھی اور چہرے سے سنگدلی و شقاوت ٹپکتی تھی اسوقت یہ چرکسی لباس پہنے ہوئے تھا۔

جب ہم روشنی میں پہنچے تو میں نے صفوت بک کو غور سے دیکھا جس کے سر پر سیاہ لمبی ٹوپی تھی اور جسم پر خاکی رنگ کا شکاری کوٹ۔ کوٹ کے نیچے خاکی قمیص تھی اور سرخ پٹکا قمیص پر باندھے تھا صفوت بک کے جسم اور ظاہری صورت سے ہرگز اس امر کا گمان نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ شخص پہاڑوں کی چوٹیوں پر کسی شورش پسند جماعت کی رہنمائی و قیادت کرتا ہوگا اس کی آنکھیں زرد تھیں جو معمولی سی معمولی چیزوں کو دیکھتی تھیں اور اس کے سفید دانت تبسم کے وقت ہمیشہ نمایاں ہوجاتے تھے جب صفوت بک نے میرے سامنے سگرٹ کی ڈبیا پیش کی تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کے ناخن نہایت صاف ستھرے اور باقاعدہ ترشے ہوئے ہیں اور بلور کی طرح چمک رہے ہیں مختصر یہ کہ یہ نوجوان افسر جسنے روسی باغی جماعتوں کی نیند حرام کردی تھی اور جس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ اس کی ایک گولی بھی ضائع نہیں جاتی اور وہ بے فائدہ ایک گولی بھی نہیں چلاتا ایک ایسے امیر کی طرح زندگی بسر کرتا تھا جو جنگل میں سیر و تفریح کے لئے نکل گیا ہو لیکن صفوت بک کا کھیل کوئی معمولی کھیل نہ تھا بلکہ اس کا کھیل شورش، اور آزادی کی واپسی کی جدوجہد پر مبنی تھا۔

کمرہ کے اندر پہنچکر صفوت بک نے مجھ سے کہا کل شام کو تم سامان جنگ اور ہتھیاروں کو لے کر روانہ ہوجاؤ لیکن سفر میں اس بات کا خیال رکھنا کہ دن کو کبھی سفر نہ کرنا رات بھر سامان کی گاڑیوں کو حفاظت تمام سفر کرنے دینا اور دن کو احتیاطاً اس سامان کو کہیں چھپا کر ٹھہر جانا۔

میں نے دریافت کیا سامان کی کتنی گاڑیاں ہونگی۔

صفوت بک نے جواب دیا تقریباً تیس گاڑیاں۔

اس شخص نے مجھے حیرت مین ڈال دیا اور آج مجھے آدمیون کی قدر معلوم ہوئی اب سے چند روز پہلے مین اپنے دل مین کہہ رہا تھا کہ جب مین سخت جدوجہد کے بعد اسلحہ اور سامان جنگ کو لے کر کیوہ پہنچون گا تو احسان کو راستہ کے سارے واقعات سناؤن گا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرونگا کہ اب مین اس قسم کے خطرات کی پروا نہین کرتا پھر مین ان تمام واقعات کو لکھکر عائشہ کے پاس بھیجون گا اور مجھے اُمید ہے کہ عائشہ ان واقعات کو پڑھ کر میرے شاندار کارنامون پر اظہار فخر ومباہات کریگی لیکن صفوت بک سے ملاقات کے بعد میرے سارے ارادے فسخ ہو گئے اور میری آنکھین کھل گئین اور پھر مین نے کسی سے کچھ نہین کہا۔

صفوت بک نے میری لوح دل پر اپنی محبت کا نقش کندہ کر دیا اور مین نے ایسا محسوس کیا کہ گویا میری روح اس خاص کشش رکھنے والے شخص کی روح سے خوشہ چینی کر رہی ہو ہان اُس شخص کی روح سے جو خوفناک تاریکی مین موت کی جانب بڑھا چلا جا رہا تھا اور پھر اس حالت مین کہ اُسکا ہاتھ تک حرکت نہ کرتا تھا اس مدت مین صفوت بک چارون طرف سے دشمنون مین گھرا ہوا تھا اور اُس کے ساتھ صرف دس پندرہ آدمی تھے لیکن کبھی اُسپر خوف وہراس طاری نہین ہوا۔

دوسرے روز غروب آفتاب کے بعد چاند کی روشنی مین جب ہم ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے تو مین نے صفوت بک کی آنکھون پر نظر ڈالی اور اُسنے بھی مجھ سے آنکھین ملائین دونون اگرچہ خاموش تھے لیکن ہر ایک اپنے دل مین یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے ہم مین سے کون پہلے دوسرے کی خبر شہادت سنتا ہے اس کے بعد گاڑیان روانہ ہو گئین اور رات بھر ہمکو گاڑیون کے پہیون اور بیلون کے قدمون کی آواز کے سوائے اور کوئی آواز سنائی نہین دی۔

ہمنے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ صبح کو ذخائر جنگ کے صندوقون کو گاڑیون سے اُتار کر کہین چھپا دیتے تھے اور پھر شام کو ان صندوقون کو اپنی پشت پر لاد کر گاڑیون مین چڑھاتے تھے اور رات بھر سفر کرتے تھے پھر ہم راستون کو برابر بدلتے رہتے تھے اور تمام ضروری احتیاطی تدابیر پر نظر رکھتے تھے رات کو جب تاریکی دنیا پر چھا جاتی اور مین اور شادیش محمد دونون گاڑیون کے ادہر اُدہر چلتے ہوتے تو شادیش محمد مجھے آستانے سے ذخائر اور اسلحہ کے اُڑا لانے کی ابتدائی داستان اناطولیہ کے لہجہ مین سناتا اور مین حیرت وتعجب سے اس واقعہ کو پوری توجہ سے سنتا تھا۔

(۷)

کدبان

۱۹ر نومبر ۱۹۱۲ء

موضع "صاریلہ" کے قریب پہنچکر شادیش محمد سے ذخائر جنگ کو چھپا دینے کے مسئلہ پر طویل بحث گفتگو ہوئی اور آخر باہمی مشورہ سے یہ قرار پایا کہ ذخیرۂ جنگ کے صندوقون کو ایک خالی مواشی خانہ مین جو گاؤن کی پشت پر واقع تھا چھپا دیا جائے، یہ مواشی خانہ اوپر سے پٹا ہوا تھا اور اس کی دیوارون پر گھاس اور خاردار جھاڑیان پھیلی ہوئی تھین آخر ہمنے صندوقون کو چھپا دیا اور گاڑی والون سے کہا کہ وہ اپنی اپنی گاڑیون کو لے جائین اور رات مین واپس لے آئین۔

ان تمام امور سے فارغ ہوکے مین نے یہ ارادہ کیا کہ احسان کے لشکر گاہ کا پتہ لگاؤن کیونکہ ہم کو یہ معلوم نہ تھا کہ احسان نے اپنے لشکر گاہ کو تبدیل کر دیا ہے یا سابق مقام پر ہے اور پھر جب احسان مل جائے تو مین اسکو بتلاؤن کہ ہم سامان جنگ کو لے آئے ہین۔

یہ ارادہ کرکے مین نے قرار دیا کہ موضع صاریلہ سے تحقیقات شروع کرون اور وہان کے کاشتکارون سے دریافت کرون کہ ان کو احسان یا اس کے آدمیون کی کوئی خبر ہے چنانچہ مین اور شادیش محمد گھوڑون پر سوار ہوئے اور زمین کو گھوڑون کی ٹاپون سے روندتے ہوئے صاریلہ کی طرف چلے اور ان گنجان بید کے درختون کے اندر پہنچے جو کبھی ہماری سیر و تفریح کا مرکز تھے، درختون کے اندر داخل ہوکر مجھ پر ایک عجیب غریب خود رفتگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی ان گنجان درختون مین جنھون نے مجھ پر یہ کیفیت طاری کی تھی اسوقت چند بطین (بطخین) بیٹھے کو زمین پر رکھے بیٹھی تھین ہم کو دیکھکر ان بطون نے بازو پھڑ پھڑائے اور اڑ گئین، آج کا دن بہت گرم تھا اور گرد و غبار اڑ رہا تھا ان گنجان درختون کے اندر سے جب مین نے اس مکان کو دیکھا جسکو عائشہ نے شفاخانہ بنا لیا تھا تو مین نے محسوس کیا کہ میرا دل دھڑک رہا ہے پھر میرے ذہن مین یہ تصور بندھا کہ عائشہ سفید کپڑے پہنے بالاخانہ پر کھڑی ہے اور اب جبکہ ہم کو دیکھنے والی ہے اچھا

تصور نے میرا خود فراموشی میں اضافہ کر دیا اور میں اس قدر غافل اور کھویا ہوا سا ہو گیا کہ گرد و پیش کی چیزیں تک بھی مجھے نظر نہ آتی تھیں اور نہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ گھوڑا مجھے کدھر لئے جا رہا ہے۔

چند قدم آگے بڑھ کر میری نظر ایک نوجوان لڑکی پر پڑی جسکو دیکھ کر خیال ہوا کہ میں نے اسکو کبھی پہلے بھی دیکھا ہے۔ یہ لڑکی کسی چیز کو گود میں لئے ہوئے بیٹھی درخت سے پشت لگائے ایسی ہیئت سے بیٹھی تھی جو دیہات کی عورتوں کی مرغوب ترین ہیئت ہے اور اُس کی آنکھیں اُس مکان پر لگی ہوئی تھیں جسکو میں خود محویت کے ساتھ دیکھ رہا تھا، اس چھوٹی سی کسان کی لڑکی کی صورت اسوقت تک میری آنکھوں میں پھر رہی ہے وہ پاؤں کی انگلیوں پر خاموش درخت سے سہارا لگائے بیٹھی تھی اور اُس کے دونوں گھٹنے جن میں سرخ پائجامہ تھا کھڑے تھے، پاؤں اور اُن کی جلی اور پھٹی ہوئی انگلیوں کو وہ ایک عجیب انداز سے جمائے ہوئے تھی کہنیاں گھٹنوں پر تھیں، اور دونوں ہاتھوں سے اُسنے سر کو جس پر ایک سفید میلی پٹی بندھی ہوئی تھی سکیڑ رکھا تھا، اُس کے قریب پہنچکر میں نے کہا۔

کذبان تم یہاں کیا کر رہی ہو۔

میرے الفاظ سنکر کذبان اس تیزی سے اٹھی گویا اُسکو کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا ہے اور میرے گھوڑے کے پاس پہنچکر اُس کی لگام کو پکڑ لیا، ابھی اُس واقعہ کو گذرے ہوئے پورا ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا جبکہ وہ ہم سے رخصت ہو کر گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر احسان کے لئے روتی ہوئی واپس ہوئی تھی لیکن اس قلیل مدت نے کذبان میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی تھی، آج کذبان وہ چھوٹی سی لڑکی نہ تھی جو پہلے تھی بلکہ آج وہ ایک جوان عورت تھی جسکا قد بڑھ گیا تھا اور جسم میں شباب کی تر و تازگی پیدا ہو گئی تھی اُس کے جسم کو دیکھکر ایک ایسے بڑے اور گول پھل کا تصور بندھتا تھا جو پکنے کے قریب ہو اُس کے خوبصورت چہرے میں خاص لطافت اور نزاکت پیدا ہو گئی تھی مختصر یہ کہ آج اُسمیں نسوانی روح کی وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک مرد کے قلب میں اثر پیدا کرنے کا خاص جوہر رکھتی ہیں۔

کذبان نے جسوقت مجھکو دیکھا اُس کی روح جسم سے سمٹ کر آنکھوں میں جمع ہو گئی گویا میری آواز نے اس میں اُس نوجوان لڑکی کی روح پیدا کر دی جس سے احسان نے گذشتہ مہینے میں ایک خود مختار حاکم کی طرح گفتگو کی تھی اور وہ احسان کے سخت لب و لہجہ سے پگھل گئی تھی اور گردن جھکائے کانوں کو سرخ کرتی ہوئی چلی گئی تھی، کذبان کو اُسوقت احسان کی وہ آواز میری آواز سنکر یاد آگئی اور اُسنے مجھکو دیکھا

میرا خیال ہو کہ جناب تاتار احسان اسنے آپکو بھیجا ہو اور مجھے طلب فرمایا ہے کیا ایسا نہین ہو۔ کل مین موضع سالک ہ کی طرف گئی تھی وہان ایک عورت نے مجھے بتلایا ہو کہ اب عورتین بھی سپاہ مین داخل ہونے لگی ہین۔

مین نے اس امر کو گوارا نہین کیا کہ اُمید کی جو چمک کزبان کی آنکھون مین پیدا ہوگئی ہو اسکو بجھا دون چنانچہ مین نے اُمید افزا الفاظ مین کہا۔

کزبان انشاءاللہ کسی وقت ہم تم کو لشکرگاہ مین لے چلین گے اسوقت مین جناب تاتار کے پاس سے نہین آرہا ہون اور ادہر صرف یہ دریافت کرنے آیا ہون کہ لشکرگاہ یہان سے کہین قریب ہی واقع ہو یا کچھ دور ہے۔

کزبان نے جواب دیا سنا جاتا ہو کہ لشکرگاہ دوغان چاپے کے قریب ہی کہین کسی مقام پر ہو لیکن خاص دوغان چاپے مین نہین ہو۔

اس کے بعد کزبان یہان اس مسکین نوجوان لڑکی نے اپنا قصہ سنایا اور بیان کیا کہ کیونکر وہ دوغان چاپے گئی (موضع صارلیر اور دوغان چاپے کے درمیان چار گھنٹے کی مسافت ہو) اور وہان اُسنے کس طرح میرا پریشان احسان کو تلاش کیا اور پھر کیونکر وہ وہان سے موضع صارلیر کو واپس آئی۔ پھر اُسنے بیان کیا کہ جب وہ دوغان چاپے سے واپس ہوکر صارلیر پہنچی تو اُس کی چچی نے اُس کو بہت مارا اس کے بعد اُسنے کہا کہ احسان کے ماتحت سپاہیون مین اُسکا بڑا بھائی بھی ہو اور ایسی حالت مین اُس کے لیے اُس کا سپاہیون کے ساتھ رہنے مین کوئی حرج نہین ہو۔ بہرحال وہ احسان کے ساتھ رہنے پر بہت مصر تھی۔ پھر اُسنے ظاہر کیا کہ جب احسان کی جماعت مین عورتین موجود ہین تو کیا وجہ ہو کہ مین اس جماعت مین شامل نہ ہون پھر اُسنے بیان کیا کہ جب سے اُسکا بڑا بھائی مجاہدین مین داخل ہوا ہے اُس کی چچی اُسپر ظلم وستم کرتی اور مارتی پیٹتی رہتی ہو اور جب تک وہ خود اپنے ہاتھون سے کوئی کام نہ کرے اُسکو پیٹ بھر کھانا ملنا مشکل ہو اس کے بعد کہا کہ اب وہ بالکل تنہا ہے اور یہ چاہتی ہو کہ اُن دشمنون سے جنگ کرے جنھون نے اُس کے باپ کو مار ڈالا ہو اور اُسکو بھوکا ننگا چھوڑ دیا ہو۔

کزبان نے دونون ہاتھون سے میرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اُسکا چھوٹا سا چہرہ زرد پڑ گیا، اور اُس کی آنکھون مین خطرہ کی ایسی روشنی پیدا ہوئی جیسی کہ وحشی درندون کی آنکھون مین اُسوقت پیدا

ہوتی ہو جیسے وہ حملہ آور ہونے کے لئے اُٹھ چکے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اسوقت کذبان اور عائشہ کے چہروں اُن کی سبز آنکھوں اور ٹھوڑیوں کے تناسب میں کامل مشابہت محسوس کی، صرف اتنا فرق پایا کہ کذبان کے منہ کا دہانہ بچوں کی مانند چھوٹا تھا جس سے اُس کی خوبیاں اور دلکشی ابتک واضح نہیں ہوئی تھی عائشہ کے ہونٹ بڑے بڑے تھے جن کے کھلنے پر ایک بے مثل گلاب کی سی سرخی پھوٹ نکلتی تھی لیکن وہ سبز چمک جو بجلی کی طرح سیاہ آنکھوں کے حلقوں میں کوندتی رہتی تھی اور اُس کے آتشین شعلوں سے حرص و خطرہ کے معانی واضح ہوتے تھے، اس اناطولی نوجوان لڑکی کذبان کی آنکھوں کے ساتھ مخصوص تھی اور اس کے مقابلہ میں عائشہ کی آنکھیں ایک ایسی روح کا پتہ دیتی تھیں جو کامل تجربہ کار، خطرات سے بے خوف اور نہایت گہری نظر رکھنے والی ہو۔ کذبان سے جب مجھے لشکرگاہ کے حالات معلوم ہو گئے تو میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُس کو اُن مصائب آلام میں پڑا رہنے دوں جو اُسکو گھیرے ہوئے تھے لیکن میں کیا کر سکتا تھا، میری حالت خود ایسی تھی کہ میں احسان سے ڈرتا تھا، اور اسی وجہ سے میں اُس کو ساتھ لیچلنے کی جسارت نہ کر سکا۔

میں اور کذبان اسی قسم کی باتوں میں مشغول تھے کہ میں نے درختوں کے درمیان ایک کریہہ آواز سنی یہ آواز ایک غضبناک عورت کی تھی جو کذبان کو بلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

بے حیا خدا تجھ پر بلا نازل کرے، سپاہیوں میں تیرا کیا کام ہے۔

کذبان نے گھبرا کر جواب دیا "پیچھی میں آ رہی ہوں" اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "تھوڑی دیر آپ میرا انتظار کیجئے کیا یہ ممکن ہے؟"

کذبان کا نظروں سے غائب ہونا تھا کہ میں نے گھوڑے کی باگ موڑی اور شادلش محمد سے کہا۔

کذبان کے واپس آنے سے پہلے میں ذوغان جانے جانا چاہتا ہوں اگر مجھے لشکرگاہ کا پتہ چل گیا تو میں ایک آدمی کو تمہارے پاس بھیجدونگا جو لشکرگاہ تک تم کو لیجائے گا اور یہ امر ضروری ہے کہ تم اس لڑکی کے واپس آنے سے قبل اس جگہ کو چھوڑ دو کیونکہ اگر یہ لڑکی ہمارے ساتھ ہولی اور لشکرگاہ تک پہنچ گئی تو ہم جناب قائد کے مورد عتاب ہونگے۔

شادلش محمد کے جواب کا انتظار کئے بغیر میں نے گھوڑے کو ایڑ دی اور روانہ ہو گیا لیکن مجھے اب تک وہ حالت یاد ہے جو میری روانگی کے وقت شادلش محمد کی تھی اُس کی آنکھیں خون کیوتر ہی

ہوئی تھیں اور وہ اس طرح ہانپ رہا تھا جس طرح گھوڑا سرپٹ دوڑنے کے بعد ہانپتا ہے۔ مختصر یہ کہ میں لشکرگاہ میں پہنچ گیا، لشکرگاہ ایک موضع کے جو "دوغان جائے" کے قریب تھا گنجان درختوں میں واقع تھا، لشکرگاہ میں داخل ہونے پر مجھے بتلایا گیا کہ احسان ایک دستہ سپاہ کو لے کر گیا ہے اور رضاکار راستے کے ناکوں میں دشمن سے لڑ رہے ہیں لشکرگاہ میں میں نے دیکھا کہ باقاعدہ سپاہ کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور رضاکار قبل کی تعداد سے اُس میں معقول اضافہ ہو گیا ہے۔ باقاعدہ سپاہ جو روز بروز بڑھ رہی تھی ہر جگہ بے قاعدہ جماعتوں سے اُس کی تعداد بڑھتی جاتی تھی اور اس علاقہ میں بھی اُس کے جوہر نمایاں نظر آ رہے تھے جس طرح بچہ انڈے سے نکلتا اور پھر ہوشیار ہو جاتا ہے اسی طرح میں نے شورش کی باقاعدہ سپاہ کو دیکھا جو قدیم ترکی سپاہ کے ساتھ بتدریج میدان عمل میں بڑھ رہی تھی اور فوجی کاموں میں حصہ لے رہی تھی لیکن یہ جدید سپاہ قدیم ترکی سپاہ سے زیادہ پُرجوش اور قومیت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔

ہم متوقع تھے کہ احسان کل واپس آجائیگا اس بنا پر میری یہ خواہش تھی کہ ذخیرۂ جنگ کل ظہر کے وقت تک آجائے، رات کو میں صرف تین گھنٹہ سویا اور شفق کے نمایاں ہونے پر گھوڑے پر سوار ہوا اور ذخیرۂ جنگ کو لانے کے لئے دوغان جائے کی طرف روانہ ہوا، دوپہر کے وقت گاڑیاں آتی ہوئی نظر آئیں جن کے آگے آگے شادیش محمد تھا، گاڑی والوں میں میں نے ایک لڑکے کو بھی دیکھا جس میں شباب کی تروتازگی نمایاں تھی وہ اگرچہ بہت دُور تھا لیکن میری نظروں کو اُس نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، یہ لڑکا کمال کا ایک پرانا کوٹ پہنے ہوئے تھا جو اُس کے جسم سے کسی قدر ڈھیلا تھا پاؤں میں دیہاتی پائجامہ سیاہ رنگ کا تھا اور وہ بندوق کو عمدگی کے ساتھ نہیں اُٹھا سکتا تھا مجھے خیال ہوا کہ چونکہ ابھی نوجوان ہے اور بندوق اُٹھانے کا پہلا موقع ہے اس لئے ایسا ہونا ممکن ہے پھر مجھے یاد آیا کہ اس لڑکے کو میں نے کہیں دیکھا ہے لیکن یہ یاد نہ آتا تھا کہ کہاں دیکھا ہے۔

تھوڑی دیر میں شادیش محمد میرے قریب پہنچ گیا اضطراب کے آثار اور خطرہ کی علامتیں اُسکے چہرے سے نمایاں تھیں اور وہ کچھ خود رفتہ سا معلوم ہوتا تھا آخر ہم دونوں آگے بڑھے، راستہ بھر شادیش محمد اس قسم کی باتیں کرتا رہا کہ اناطولیہ کی شورش کی دوسری جماعتوں میں عورتیں کام کر رہی ہیں پھر اُس نے اپنے خاص لب ولہجہ اور اصطلاح میں بیان کیا کہ بلغاریہ کی وطنی جدوجہد کی جماعتوں میں عورتیں بھی حصہ لیتی ہیں اور پھر مشہور ترکی خاتون شادلیشہ (سارجنٹ) رحیمہ جو شہید ہو چکی تھی شاد

عائشہ اور شاد لیشہ عطیہ کے حالات سنائے جو دشمنوں سے لڑ رہی تھیں اور ان کی زندگی کے بعض اہم و خطرناک واقعات بتلائے شاد لیش محمد نہایت فصاحت سے ان واقعات و حالات کو بیان کر رہا تھا اور میں پوری توجہ سے سن رہا تھا لیکن اسوقت مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ عورتوں کے اس تذکرہ سے شاد لیش محمد کی کیا غرض ہے البتہ بعد کو اس کا راز کھلا۔ جب احسان واپس آیا تو دیکھا گیا کہ اس کے چہرہ پر ستمگری و سختی کے جو آثار نمایاں رہتے تھے وہ اب نہیں ہیں اسکا شگفتہ چہرہ آج پژمردہ نظر آتا تھا اور آنکھوں میں بجلی کی سی چمک تھی، میں اور شاد لیش محمد جب ذخائر جنگ کے آجانے کی خبر دینے کے لئے اس کے پاس پہنچے تو اسنے ہم کو ناآشنا اور اجنبی نگاہوں سے دیکھا اور باوجودیکہ میں نے اس کے ہاتھ پر پٹی بندھی دیکھی جو اس امر کا ثبوت تھا کہ وہ مجروح ہے لیکن میں اس سے گفتگو کی جرأت نہ کرسکا، اول اول تو میں نے یہ خیال کیا کہ احسان کی نگاہوں میں جو بے توجہی شاد لیش محمد کی جانب پائی جاتی ہے وہ صرف شاد لیش محمد کے ساتھ مخصوص ہے لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ احسان کی یہ بے توجہی ان تمام لوگوں سے ہے جو اس نوع میں داخل ہیں جس سے شاد لیش محمد کا تعلق ہے احسان کی روح اور قلب میں ان تمام لوگوں سے جو غیر منتظم اور بے قاعدہ فوج سے تعلق رکھتے تھے غیظ و غضب بھرا ہوا تھا اور ان لوگوں سے وہ بہت جلتا تھا اس کی روح کا یہ غیظ و غضب اور اس کے قلب کی یہ نفرت اس کی آنکھوں سے صاف نمایاں تھی اور وہ بے قاعدہ سپاہ یا متفرق و غیر منتظم جماعتوں کو ایک آنکھ دیکھنے کا روادار نہ تھا۔

غیر منتظم جماعتوں کے افراد کی نسبت جو باوجود کثرت جرائم و تقصیرات کے صاف باطن اور نمائش سے بے پروا تھے، احسان کی روح نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس کی آنکھوں سے نمایاں تھا گویا وہ زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا "اب وہ دن قریب آگیا ہے جبکہ ہم ان تمام غیر منتظم جماعتوں کا خاتمہ کردیں گے"

احسان نہیں معلوم کن خیالات میں محو بیٹھا ہوا تھا کہ اسی ہو شاد لیش محمد نے کہا۔

موضع صابر لیسے جو یہاں سے قریب ہی واقع ہے ایک شخص میرے ساتھ آیا ہے اور رضاکاروں میں داخل ہونے کی خواہش رکھتا ہے اس کے متعلق آپکا کیا حکم ہے۔

احسان نے صحیح و سالم ہاتھ کو میز کی طرف بڑھایا اور جو پستول اسپر رکھا ہوا تھا اس سے شغل کرتے ہوئے بے توجہی سے شاد لیش محمد کی طرف دیکھا اور کہا۔

اگر وہ شخص عورت اور کم سن بچہ نہ ہو تو اسکو رضاکاروں میں داخل کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے تم

اُس کو مجسٹریٹ کے پاس لیجاؤ وہ اُسکا نام درج رجسٹر کر لیں گے"

میں نے دیکھا کہ وہ سرخی جو شاد بخش محمد کی آنکھوں میں پائی جاتی تھی احسان کے الفاظ سنکر اسمیں اضافہ ہوگیا اور اُس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اپنے دل میں میں نے کہا کہ یہ صرف احسان کی روش کے بدلجانے کا نتیجہ ہے کیونکہ شاد بخش محمد جیسے لوگ جو اپنے افسروں سے بے پروا رہنے کے عادی ہو چکے ہیں اور جو افسروں کو بھائیوں کے مانند خیال کرتے ہیں اب اُن سے اس کی توقع فضول ہے کہ وہ باقاعدہ فوجی نظام کے ماتحت آکر افسروں کی اطاعت کے خوگر ہو سکیں گے۔

شاد بخش محمد کے چلے جانے کے بعد میں نے احسان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اسوقت وہ میز پر جھکا ہوا کچھ لکھ رہا تھا میری طرف دیکھکر وہ مسکرایا اور کہا۔

کل ہم نے ایک متمرد اور سرکش گاؤں کی کافی سرکوبی کر دی ہے اور یہ تادیب و سرکوبی بعض اعتبارات سے بے ضابطہ جماعتوں کے طریقہ پر تھی لیکن جب ہم فوجی روح کو ہر ایک حکم کی اطاعت کی بنیاد پر قائم ہونیکی کافی مضبوط بنا لیں گے تو ہمیں ان لوگوں کو جن میں اشتراکیت کا جذبہ عام ہو گیا ہے اور جو ہمارے احکام کو تمرد و سرکشی سے ٹال دیتے ہیں ایک ایسے مرکز پر لے آئینگے جہاں سے وہ ہٹ نہ سکیں گے اور پھر اُن کو ایسا سبق دوں گا جو دوسروں کے لئے عبرت کا موجب ہوگا۔

احسان کے جواب میں میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کی حالت جندرمہ (فوجی پولس) کے سپاہیوں سے بُری نہیں ہے جو طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے ہیں لیکن احسان نے مجھے اسکا موقع نہیں دیا اور میری طرف ایسی نظر سے دیکھا جس سے استہزاء کے معنی پیدا ہوتے تھے پھر اُسنے اس طرح سر کو حرکت دی جس سے خوفناک مفہوم ظاہر ہوتا تھا۔

رات بھر مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری رہی اور میں ایک لمحہ کے لئے بھی نیند کا لطف نہ اُٹھا سکا، میرا خیمہ احسان کے خیمہ کے قریب ہی تھا رات کو ہم نے ساتھ چا پی اور دردناک الفاظ میں آتش کو یاد کیا لیکن احسان نے اپنے متعلق جو باتیں کیں وہ تسکین قلب کا پہلو لئے ہوئے تھیں اور غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے احسان کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔

میں ہمیشہ سے فوجی آدمی رہا ہوں جس طرح مجھ میں پہلے فوجی روح تھی اب بھی ہے میں ایک زمانہ میں سادہ مزاج نوجوان تھا پھر یورپین معاشرت اور تہذیب و تمدن کا دلدادہ ہوا اور اب بھی عجائبات

تمدن اور خوبصورت چیزیں مجھے مرغوب و محبوب ہیں اور ہمیشہ رہیں گی لیکن اب ہم ان چیزوں سے دُور جا پڑے ہیں اسوقت میری رائے یہ ہو کہ ہم صرف اُن لوگوں سے لڑنے ہی پر قناعت نہ کریں جو وسط اناطولیہ سے ادہر آئیں کیونکہ یہ ملک و وطن کی مدافعت کے لئے کافی نہیں ہو بلکہ ہمارا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ ہم صاحب مملکت و سلطنت بھی ہوں جس طرح ہمارے دشمن مالک تخت و تاج اور صاحب ملک و حکومت ہیں اسوقت تک ہم افرادِ قوم سے اس طرح جُدا ہو ہیں جس طرح پانی تیل سے جُدا رہتا ہے لیکن اب ہمارا یہ فرض ہو کہ ہم افرادِ قوم سے متحد ہو جائیں سیامی عنقریب تم دیکھو گے کہ جو سپاہ ہم تیار کر رہے ہیں وہ قوم کو ملک کا حقیقی مالک بنا دیگی۔

مین نے اس کے جواب مین کہا۔ احسان! ابھی ان خیالات کے اظہار کا وقت نہین ہو پہلے ہم کو سمرنا پہونچنا چاہیے کیا تمہارے لئے کافی نہین ہو؟

احسان۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جن خیالات کی کھچڑی میرے دماغ مین بہت دنون سے پک رہی ہے آجکی رات مین اُن کا خاکہ کھینچ دون تاکہ میرے مافی الضمیر سے لوگون کو آگاہی ہو جائے، سیامی واقعہ یہ ہے کہ صرف سمرنا کی واپسی ہمارے لئے کافی نہین ہو بلکہ اپنے سارے ملک کو دشمنون سے پاک کرنا ہمارا فرض ہو۔ مین نے جب کبھی عائشہ سے اس موضوع پر گفتگو کی تو ہمیشہ اُسنے مجھ سے سمرنا کی سرسبزی و شادابی اور رونق و خوبی کا ذکر کیا مختصر یہ کہ مین نے اور عائشہ نے اس امر پر اتفاق رائے کر لیا ہے کہ جب ہم یونانیون کو سمرنا سے نکال دین گے اور ترکی سپاہ اناطولیہ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک آباد کر لے گی تو ہم سمرنا مین اقامت اختیار کر لین گے اور پھر کبھی آستانہ نہ جائین گے۔

مین۔ احسان! میرے خیال مین تم سے آستانہ نہین چھوٹ سکتا۔

احسان۔ سیامی! تم دیکھ لوگے اور تم بھی تو ہمارے ساتھ ہی سمرنا چلو گے ہم وہان تمھارے لئے زراعت کا کاروبار شروع کرا دین گے، کیون کیا میرا خیال غلط ہو۔

ان دنون یہ افواہ گرم تھی کہ یونانیون کے ایک عام فوجی حملہ کا امکان پایا جاتا ہے۔ ادہر تو یہ افواہ اڑ رہی تھی اور ادہر باقاعدہ ترکی سپاہ اور بےقاعدہ جماعتون کے درمیان آویزش شروع ہو گئی تھی اور یہ اختلاف روز بروز بڑھ رہا تھا غرض یہ ایسا نازک وقت تھا کہ ہم ہزارون اندرونی و بیرونی مصائب مین گھرے ہوئے تھے اور پھر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اناطولیہ کی باقاعدہ سپاہ کی طاقت محدود تھی

لیکن باین ہمہ مشکلات و مصائب احسان ایک ایسے نوجوان کی طرح گفتگو کرتا تھا جو آیندہ زمانہ کی سپاہ کی فوجی کمیٹی کا رکن ہو ہاں اُس سپاہ کی فوجی کمیٹی کا رکن جو عنقریب صاف و شفاف آبشار کی مانند پہاڑ سے اُترے گی اور پوری قوت و جوش کے ساتھ اُن تمام خطرات و مصائب کو بہا لیجائیگی جو اُس کی راہ مین حائل ہونگے۔ احسان شاید اکثر عائشہ کے خیال مین محو رہتا تھا اور اپنی خیالی دنیا مین یہ محسوس کرتا تھا کہ سبز آنکھون والی عائشہ اُس کے سامنے کھڑی ہو اسوقت بھی مجھ سے گفتگو ختم کر دینے کے بعد اُسکی محویت کا یہی عالم تھا، اُس کی آنکھون سے محویت و استغراق کے آثار نمایان تھے اور اُس کا چہرہ سُرخ ہوگیا تھا اور وہ اس طرح فکر مین محو بیخود تھا جس طرح وہ شخص فکرمند ہوتا ہے جو بخار مین مبتلا ہو جب مین نے احسان کی یہ حالت دیکھی تو اپنے خیمہ مین چلا آیا خیمہ مین داخل ہوکر میری عجیب حالت ہوگئی رقت مجھ پر طاری تھی اور بچون کا سا خوف و مایوسی مجھ پر محیط۔ احسان کے دل و دماغ مین جو خوش آیند خیالات پیدا ہوتے تھے وہ اگرچہ قبل از وقت تھے لیکن انھون نے مجھ مین ردعمل کا اثر پیدا کیا تھا اور میرے قلب مین بُرے بُرے خیالات و اوہام پیدا ہوتے تھے۔

خیمہ مین پہنچکر فرش پر پڑے پڑے مین انھین خیالات مین دیر تک محو رہا اور پھر یہ خیال کرکے کہ آج کی رات مجھے نیند نہ آئے گی مین بستر سے اُٹھنے ہی والا تھا کہ قریب کے خیمہ سے مین نے احسان کی آواز سنی جس سے بظاہر غصہ ٹپکتا تھا لیکن نرمی اور ضعف کا نغمہ بھی پیدا تھا وہ کہہ رہا تھا "تم یہان کس چیز کو ڈھونڈ رہی ہو"

یہ جملہ سُنکر مین فوراً بستر سے اُٹھ بیٹھا اور تاریکی مین جھکر احسان اور اُس کے مخاطب کی باتین سُننے لگا۔ مین نے ایک نرم و نازک اور دلکش آواز سنی جو ایک ایسی لڑکی کی آواز سے مشابہ تھی جو رو رہی ہو احسان کی آواز اب نہایت کمزور ہوگئی تھی اور جب وہ کچھ کہتا تھا تو لڑکی کے رونے کی آواز مین مایوسی و الم کا اضافہ ہوجاتا تھا اس حالت نے مجھے مضطرب بنا دیا اور مین نے اپنے دل مین کہا یہ عورت یا لڑکی کون ہوسکتی ہے، بہرحال وہ کوئی ہو احسان کی بلا اجازت یا بلا علم اُس کے خیمہ مین داخل ہوگئی ہے اور احسان شروع مین تو اُسپر غصہ ہوا ہے اور اُس سے سخت لہجہ مین گفتگو کی ہو اور پھر اپنے آپ پر قابو حاصل کرکے نرم پڑ گیا ہے اور اُس کی آواز مین نرمی پیدا ہوگئی ہو اور اب اُسکو اخلاق و مہربانی کے ساتھ خیمہ سے باہر نکال دینے کی کوشش کر رہا ہے معاً میرے دل مین کذبان کا خیال آیا لیکن پھر مین نے

یہ رائے قائم کی کہ وہاں نہیں ہے کیونکہ وہ لشکر گاہ میں موجود نہ تھی۔

اسوقت میں حیران و پریشان تھا اور غور کر رہا تھا کہ یہ غیر متوقع نزاع عشق و محبت جو میرے پہلو میں ہو رہا ہے آخر کیسا نزاع ہے مثلاً میری آنکھوں میں عائشہ کی سبز آنکھیں پھرنے لگیں اور میں نے محسوس کیا کہ اس تاریکی میں اُس کی آنکھیں چمک رہی ہیں، میں اسی خیال میں محو تھا کہ احسان کو میں نے یہ کہتے ہوئے سُنا۔

غریب چھوٹی سی عائشہ! مسکین چھوٹی عائشہ اپنی آنکھیں کھولو ہاں عائشہ اب گریہ و زاری ختم کرو۔

یہ الفاظ سُنکر میں نے اپنے دل میں کہا یہ خیمہ کے اندر احسان کی کوئی معشوقہ ہے جسکا نام عائشہ ہے وہ رات کی تاریکی میں دو غان چاٹے سے آئی ہے اور خیموں کے پہرہ دار کی آنکھ بچا کر احسان کے خیمہ میں داخل ہو گئی ہے اور اُس کو عاجزی و خوشامد سے راضی کر رہی ہے اس حقیقت نے مجھے مسرور بنانے کے بجائے مضطرب بنا دیا فوراً میں یہ محسوس کرتا ہوا کہ میرا دم گھٹا جاتا ہے خیمہ سے باہر نکلا اور اُن درختوں کو جو سامنے کھڑے تھے دیکھنے لگا اسوقت سکون چھایا ہوا تھا تاریکی دنیا کو گھیرے ہوئے تھی آسمان ابر آلود تھا گرم ہوا چل رہی تھی اور نسیم ساکن تھی، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس خاموشی اور تاریکی کے عالم میں کیونکر میں یہ محسوس کر سکا کہ میرے قریب ایک شخص کھڑا ہے فوراً میں نے جیب سے دیاسلائی کو نکال کر جلایا اور اُس کی روشنی میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ہاتھ میں ایک لمبی بندوق لئے ہوئے کھڑا تھا یہ شخص احسان کے خیمہ سے تقریباً تیس قدم کے فاصلہ پر ہوگا وہ بے فکری کے ساتھ بندوق سے شغل کر رہا تھا لیکن اُس کے کان احسان کے خیمہ کی طرف لگے ہوئے تھے اور خیمہ میں جو گفتگو ہو رہی تھی وہ اُسکو پوری توجہ سے سُن رہا تھا جسوقت میں نے دیاسلائی کو جلایا ہے اس شخص کا چہرہ میری جانب تھا میں نے محسوس کیا کہ اُس کے چہرہ پر کسی حادثہ سے تاثر اور غم و غصہ کی ایسی علامتیں نمایاں ہیں جن کی تفصیل کے لئے ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے، یہ شخص شادلیش محمد تھا، شادلیش محمد کو دیکھکر میں ساری حقیقت سے آگاہ ہو گیا اپنی عمر میں میرے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں نے بجلی کی سی سرعت کے مانند ایک فیصلہ کیا تھا، میں آہستہ آہستہ شادلیش محمد کی طرف بڑھا اور اپنے طبعی لہجہ میں بے پروائی کے ساتھ کہا: شادلیش محمد کیا کر رہے ہو۔

شادلیش محمد۔ پیارے کیا تم ہو۔

تنیس۔ ہان میں نہ سو رہا ہوں۔

ہماری یہ بات کسی طرح طلسم و سحر سے کم نہ تھی میں یہان تک کہہ سکتا ہون کہ اس رات میں رحمین کوشش کر رہی تھی کہ منہ کا دہانہ کھولکر راستہ پائین اور جسم سے باہر نکل جائین شادیش محمد کی سادگی، اور سیکھنی تو مولود بچہ کی سی تھی اُسنے یہ کہکر مجھکو اپنے قریب بلایا، تنیس آئو ایک مجھکو تم سے کچھ باتین کرنی ہین مین بے خوف اُس کے پاس چلا گیا، اُسنے جیب سے تمباکو کی ڈبیا نکالی اور سگرٹون کے کاغذ مین تمباکو ڈالکر سگرٹ بنانے لگا، مین نے کہا۔

شادیش محمد کیا بات ہو گیا تم کو آج رات نیند نہین آئی۔

جب دوبارہ سگرٹ روشن کرنے کے لئے مین نے دیا سلائی جلائی تو اُس کی روشنی مین مین نے شادیش محمد کے چہرہ کو خوفناک پایا مونچھون کے نیچے اُس کے ہونٹ اسوقت ترچھے نظر آ رہے تھے اُسنے جب میرے ایک سوال کا جواب دیا تو مجھے معلوم ہوا کہ واقعہ اتنا خطرناک نہین ہو جتنا کہ مین سمجھا تھا، بایں ہمہ اُسکے خطرات کے اسباب صاف و واضح تھے اُسنے مجھے بتلایا کہ کذبان میرے چلے آنے کے بعد اُس سے موضع صاریہ مین ملی اور اُسنے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ بحیثیت ایک عورت دالنیٹر کے لشکر گاہ مین جانے کا ارادہ رکھتی ہو پھر اُسنے اُس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اُسکو ساتھ لے چلے اور وہ اُس کی خواہش کو رد نہ کر سکا اور اُسکو مردانہ لباس مین اپنے ساتھ لے آیا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادیش محمد نے کذبان سے یہ کہا ہوگا کہ احسان اُس کی بات بہت مانتا ہے لیکن ذخیرہ جنگ کو لے آنے کے بعد جب ہم احسان سے ملے ہین تو شادیش محمد کی خواہش کے خلاف احسان نے جواب دیا اور اس جواب نے اُس کی بات بگاڑ دی اور پھر وہ کذبان کا نام درج رجسٹر کرانے کی جرات نہ کر سکا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ادھر تو کذبان کو اپنے بھائی کا ڈر ہوا اور ادھر لشکر گاہ کے لوگون سے خطرہ، ان وجوہ سے کذبان نے یہ ارادہ کیا کہ وہ خود احسان سے ملے اور اس کی خوشامد کرے اس عرصہ مین شادیش محمد کو کذبان سے محبت ہو گئی اور اُسنے اپنی محبت کا اظہار بھی کر دیا اور اُس سے خواہش کی کہ وہ اُس کی بیوی بننا قبول کر لے، شادیش محمد نے کذبان کو آمادہ کرنے کے لئے یہ بھی کہا کہ میرے پاس کافی دولت ہو اور اگر وہ اُس سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے تو وہ اُس کے لئے جس گانون مین وہ چاہے ایک مکان بنا دے گا اور تمام ضروری سامان خانہ داری وغیرہ بہم پہنچا

دیگا اور اُسکو کوئی کام نہ کرنا پڑیگا، لیکن کذبان نے اُس کی بات پر کان نہ دھرا اور ظاہر کیا کہ اگر اُس کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور احسان نے اُسکو رضا کارون مین قبول نہ کیا تو وہ کسی نہر مین ڈوب مرے گی۔ آخر شادیش محمد نے کذبان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ آدھی رات گذر جانے کے بعد احسان کے خیمہ مین جائے اور منت و سماجت سے اُسکو راضی کرے ادہر تو کذبان احسان کے خیمہ مین داخل ہوئی اور اُدہر اِس خیال سے کہ کذبان ناکام ہو کر کہین اپنی جان نہ گنوا دے وہ اپنی بندوق کو لیکر احسان کے خیمہ کے قریب کذبان کے انتظار مین کھڑا ہو گیا۔

شادیش محمد نے مجھ سے کہا کہ اُس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ مجھ سے اجازت طلب کرے اور اُمید رکھتا تھا کہ مین اُس کی سفارش احسان سے کرون تاکہ وہ کذبان کو اِس امر پر آمادہ کر دے کہ وہ اُس سے نکاح کر لے لیکن چونکہ احسان اور کذبان کی باتون کے سُننے مین وہ محو تھا اِس لئے وہ میرے خیمہ مین نہ آسکا، پھر شادیش محمد نے کہا کہ جب کذبان احسان کے خیمہ مین داخل ہوئی تو پہلے تو احسان اُس پر بہت خفا ہوا پھر مین نے سُنا کہ کذبان رو رہی ہے اور بہت بُری طرح رو رہی ہے اور اب بہت دیر سے خاموشی کا عالم ہے اور کوئی آواز خیمہ سے نہین آتی حالانکہ کذبان کو خیمہ مین داخل ہوئے بہت عرصہ گذر گیا ہے۔

شادیش محمد نے یہ الفاظ نہایت سخت و درشت لہجہ مین ادا کئے، پھر یکایک وہ خاموش ہو گیا، اُس کی خاموشی نے میرے قلب مین بندوق کی اُس گولی کی سی آواز کا اثر پیدا کیا جو کہ بندوق سے نکلکر کسی نوجوان افسر کے دماغ مین ایسے وقت جا کر پیوست ہو گئی ہو جبکہ وہ اپنے خیمہ مین بیٹھا ہوا کچھ رہا ہو۔ مین نے نہایت طمانیت کے ساتھ شادیش محمد سے کہا۔

احسان اتنا سنگدل نہین ہے جتنا کہ وہ ظاہر مین معلوم ہوتا ہے ممکن ہے کذبان اسوقت یہ بیان کر رہی ہو کہ تم اُسکو اپنے نکاح مین لانے کی خواہش رکھتے ہو، احسان کذبان کو بہت عرصہ سے جانتا ہے اور اُسپر یہ معلوم کر کے بہت مہربان ہے کہ اُس کا باپ ایک سپاہی تھا جو قومیت کی راہ مین شہید ہو چکا ہے۔

شادیش محمد نے میرے الفاظ کو سُنکر سر کو حرکت دی اسوقت شادیش محمد ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ایک ایسی روح ہے جو احسان کے پیچھے لگی ہوئی ہے اُسنے اِس بات کو تسلیم نہین کیا کہ ایک وہ شخص جو باقاعدہ اور منتظم سپاہ سے تعلق رکھتا ہو کسی ایسے شخص کا خیر خواہ ہوگا جو بے قاعدہ جماعتون مین مُنسلک

ہو، شاداتش محمد کو منتظم سپاہ کے آدمیوں پر عموماً اور فوجی کمیٹی کے ارکان پر خصوصاً کسی قسم کا اعتماد نہ تھا، پھر اُس نے اس بات کو بھی تسلیم نہیں کیا کہ کنزیان جسکو احسان نے خیمہ مین بند کر رکھا ہے اُس کی محبت کا ذکر کر رہی ہو۔ شاداتش محمد کی نفرت باقاعدہ سپاہ کے لوگون سے اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ اپنا سخت سخت اتہام لگاتا اور طرح طرح کے الزامات اُن پر عائد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ "جو کچھ ہونا تھا ہو گیا" لیکن باین ہمہ بے اعتمادی و نفرت مین اُس سے جو بات کہتا تھا وہ اُسکو مان لیتا تھا۔

ہم اسی قسم کے خیالات مین محو کھڑے تھے کہ ہم نے مرغ سحر کی آواز سنی اور فوراً مین نے کہا۔

شاید کنزیان اُس مقام پر واپس چلی گئی ہو جہان سکاٹیان ٹھہری ہین تم وہان جاکر اُس سے ملو اور اُسکو مشورہ دو کہ آج دن بھر مخفی رہے مین احسان سے ملکر اُسکو راضی کرونگا اور پھر ہم مجلس نکاح کو ترتیب دینگے۔

میرے الفاظ سنکر شاداتش محمد عجیب غریب طریقہ پر ہنسا اُس کی آواز اسوقت بھرا گئی تھی اور وہ بہت متاثر نظر آتا تھا، آخر اُسنے کہا۔

احسان راضی ہو یا نہ ہو مجھے اسکی پروا نہین ہے، مین نے قسم کھائی ہے کہ مین اس لڑکی کو ضرور حاصل کرونگا خواہ وہ زندہ ملے یا مردہ۔

مین اپنے خیمہ مین واپس چلا آیا اور احسان کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا چونکہ معاملہ خطرناک درجہ تک پہنچ گیا تھا اس لئے ضرورت تھی کہ جلد سے جلد شاداتش محمد کو خوش کیا جائے تاکہ خطرہ وقوع مین نہ آنے پائے جسکا وقوع پذیر ہونا یقینی تھا۔ دوپہر کو احسان بیدار ہوا اور اپنے خیمہ مین دیر تک ایک فوجی افسر سے تقسیم ذخائر جنگ اور سامان کو دوسری سمتون مین روانہ کرنے کے مسئلہ پر گفتگو کرتا رہا، مین انتظار مین تھا کہ یہ فوجی افسر خیمہ سے باہر آئے تو مین احسان سے جاکر ملون لیکن فوجی افسر کے باہر آنے سے قبل شاداتش محمد خیمہ مین داخل ہو گیا۔ مین نے اسوقت شاداتش محمد کے چہرہ سے یہ محسوس کیا کہ وہ احسان کا بلوایا ہوا آیا ہے۔ خیمہ مین داخل ہو کر شاداتش محمد خاموش کھڑا ہو گیا امید کی علامتین اُس کے چہرہ پر نمایان تھین اور جب اُسنے مجھ کو بھی خیمہ کے قریب ہی پایا تو اُس کے مضطرب قلب کو کامل طمانیت حاصل ہو گئی، احسان کے چہرہ پر اسوقت بھی سختی و درشتی کے آثار پائے جاتے تھے اور وہ بدستور محویت کے عالم مین تھا آخر اُسنے شاداتش محمد کو حکم دیا کہ وہ اطراف کیوہ مین جائے اور وہان سے فلان فلان

چیزیں خرید کر لے آئے۔ اس کام کی انجام دہی میں چونکہ ایک رات شادیش محمد کو لشکر گاہ سے باہر رہنا پڑتا تھا اس لئے وہ یہ حکم پاکر فکر میں پڑ گیا احسان نے شادیش محمد کے چہرہ پہ نظر ڈالی یہ پہلا موقع تھا کہ میرے قلب میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا شادیش محمد جیسا شکستہ دل شخص بھی اپنے جذبات کی اس سخت آندھی کو ہماری طرح چھپا سکتا ہے جو اس کے دل و دماغ میں چل رہی ہے، شادیش محمد کا چہرہ زرد تھا وہ بار بار کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا چاہتا تھا لیکن اس کے خوفناک دانت چمک کر رہ جاتے تھے اور بولنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ بہرنوع شادیش محمد نے احسان کے حکم کو سکون کے ساتھ سنا اور خیمہ سے باہر نکلنے کے لئے پلٹا ہی تھا کہ احسان نے کہا۔

ہمارے سپاہیوں میں جو ایک شخص مصطفےٰ نامی ہے اس کی ایک بہن ہے جو موضع صاریلر کی رہنے والی ہے اس کا نام کذبان ہے وہ ذخیرۂ جنگ کی گاڑیوں کے ساتھ لگ لی تھی اور یہاں آگئی ہے تم مصطفےٰ سے کہو کہ وہ گاڑیوں کے ساتھ اس کو گاؤں بھیج دے۔ میں یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے اسکو یہاں دوبارہ لانے کی جرأت کی تو میں اسکو پھانسی پر چڑھوا دونگا۔ شادیش محمد اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔

جب میں اور احسان اکیلے رہ گئے اور میں نے اسکو مخاطب کرنا چاہا تو اُسنے میری طرف تیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔

"ایسی حالت میں کہ ہم ایک زبردست جنگ سے دوچار ہونیوالے ہیں میں بچوں کی سی باتیں سننا پسند نہیں کرتا۔"

لیکن بعد میں اُسکو معلوم ہوا کہ بچوں کی سی ان باتوں کا انجام نہایت دردناک ہوا۔ اُسی روز احسان نے مجھکو بھی ایک سخت کام سپرد کیا اور پھر میں اتنا وقت نہ پاسکا کہ کذبان کے مسئلہ پر دوبارہ غور کرسکوں اگرچہ کذبان کے مسئلہ کے متعلق میں بہت بیچین تھا لیکن کیا کرسکتا تھا، احسان نے رات کا کھانا سویرے ہی کھالیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی فوج کے دستہ کو ہمراہ لیا اور یہ کہکر کہ وہ صبح کو واپس آجائیگا ایک طرف روانہ ہوگیا۔

پانی کا چھینٹا پڑجانے سے اس وقت فضا مرطوب تھی اور مٹی کی خوشبو لطیف و خوشگوار ہوگئی تھی۔ ستاروں سے روشن شعاعیں نمودار تھیں جن کی روشنی میں ان درختوں کے پتوں کو بآسانی دیکھا

جا سکتا تھا جو ہمارے قریب کھڑے تھے دیر تک مین اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا یہ سوچتا رہا کہ کیا لشکرگاہ سے کذبان چلی گئی اسوقت بے اختیار میرے قلب مین یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش احسان واپس آجائے اور اسکو مین ساری حقیقت سے آگاہ کر دون - آخر مین سوگیا اور چونکہ مین بہت تھک گیا تھا اس لئے دیر تک گہری نیند سویا کیا - مین سو رہا تھا کہ کسی شخص کے قدمون کی آہٹ سے جو میرے خیمہ مین داخل ہوا تھا میری آنکھ کھل گئی چاند جو دیر سے طلوع ہوا تھا اُس کی ہلکی ہلکی روشنی خیمہ کے سوراخون سے خیمہ کے اندر داخل ہو رہی تھی پھر مین نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا لیکن یہ معلوم نہ کر سکا کہ کہنے والا کون ہے -

پیامی بک .... پیامی بک -

کون ہے - مین نے جواب دیا -

آواز - مین ہون ....

مین - میرے قریب آؤ تاکہ معلوم کر سکون تم کون ہو -

فوراً مین نے چراغ روشن کیا جو قریب ہی تھا روشنی ہوتے ہی مجھے ایک شکل نظر آئی جو آہستہ آہستہ میرے قریب آرہی تھی لیکن وہ اسوقت بہت خوفزدہ تھی، قریب آجانے پر مین نے اُسکو پہچان لیا وہ وہی لڑکا تھا جسکو مین نے ذخیرہ جنگ کی گاڑیون کے ساتھ دیکھا تھا اور پھر اُس کی سیاہ ٹوپی کے نیچے اُس کے چہرہ کی زردی کو دیکھے بغیر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ کذبان ہے مین نے پوچھا -

کذبان تم کیا چاہتی ہو -

میرے الفاظ ختم نہ ہوئے تھے کہ اُسنے درد انگیز آواز مین رونا شروع کیا اور دیر تک روتی رہی اُس کا یہ رونا اُس کی موجودہ شکل کے بالکل منافی تھا کیونکہ اسوقت اُس کی شکل ایسی تھی جسکو دیکھکر بے اختیار ہنسی آتی تھی اور دل مین اُس سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا بڑی کوشش کے بعد مین نے اُس کی گریہ وزاری کو روکا اور اُس کے آنے کا سبب دریافت کیا جس کے جواب مین اُسنے آہستہ آہستہ اپنا پورا قصہ سُنایا جس طرح شاہ دلیش محمد نے کل رات اپنی داستان سنائی تھی -

سب سے پہلے اُسنے بیان کیا کہ وہ احسان سے محبت رکھتی ہے اور باوجود اپنی سادگی، طفولیت اور نسوانی خصائص کے اُسے احسان سے کامل محبت ہے اور اگرچہ بعض مبہم امور وقوع مین آئے ہین

لیکن اُس کی محبت میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی ہے پھر اُسنے بتلایا کہ احسان سے اُس کی محبت کا آغاز اُس شفقت حمایت سے ہوا ہے جو احسان نے یہ معلوم کرکے خاص طور پر کی تھی کہ اُسکا باپ آتا نہ میں دولِ حلفاء کے قبضہ کے روز شہید ہوگیا ہے، احسان کی یہ عادت تھی کہ وہ شہداء کے بچوں اور بیکسوں پر خاص مہربانی کرتا تھا، مختصر یہ کہ احسان کی مہربانی و شفقت نے اُس کے دلمیں محبت کا تخم لگایا پھر یہ تخم پھوٹا اور احسان کی جرأت شجاعت نے اُس کی آبیاری کرکے اُسکو تروتازہ درخت بنایا اور نشوونما کا موقع بخشا۔

اس کے بعد کذبان نے بتلایا کہ اگرچہ وہ احسان کی محبت میں خوف و یاس کے درمیان گھری ہوئی تھی لیکن اُسنے بایں ہمہ یہ محسوس کیا کہ احسان کی ہستی اُس کے لئے ایک عزیز ترین ہستی ہے اور یہ کہ احسان اُس کی زندگی اور اُس کی دنیا ہے۔

پھر اُسنے بتلایا کہ احسان کے موضع صارلیر سے چلے آنے کے بعد اُسنے سخت تکالیف برداشت کی ہیں اور جب شاہ ولیش محمد نے اُسکو آمادہ کیا کہ وہ اُسکے لشکرگاہ کو چلے تو وہ محض اس خیال سے اُس کیساتھ ہوئی کہ لشکرگاہ میں اُسکو احسان کی زیارت کا موقع نصیب ہوگا۔

پھر اُسنے کہا کہ اُس کی صرف ایک آرزو تھی اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ وہ احسان کی خدمت میں پہنچ جائے تاکہ اپنے آپ کو اُس کے قدموں میں ڈال دے اور پھر وہ اس امر پر راضی ہے کہ احسان اپنے قدموں سے اُسکو کچل ڈالے۔

اس کے بعد کذبان نے اُس مدنی عورت کا جسکا نام عائشہ ہے غیرت و حسد کے ساتھ ایسے الفاظ میں ذکر کیا جس کی توقع مجھے اس سن کی لڑکی سے نہیں ہوسکتی تھی عائشہ کے متعلق جو الفاظ اُسنے کہے اُن میں یہ بھی تھا کہ یہ عورت احسان سے اتنی محبت نہیں کرسکتی جتنی کہ میں کرتی ہوں۔ کذبان کے یہ الفاظ سنکر میں نے اُسکو اطمینان دلانے کے لئے کہا۔ عائشہ کو احسان سے محبت نہیں ہے اور احسان بھی دوسرے لوگوں کی طرح عائشہ کو بمنزلہ بہن کے خیال کرتا ہے۔

کذبان نے سر کو ہلایا اور کہا۔

"وہ بہادر عورت ہے" ان الفاظ کے سوائے اُس کے لئے میں اور کوئی جملہ استعمال نہیں کرسکتی میں یہ نہیں کہتی کہ وہ فاحشہ ہے لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ وہ مردوں میں اس طرح بیٹھتی ہے جس طرح فاحشہ عورتیں اور اُس کے سبب سے بہادر مردوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں، تم کو معلوم ہے احمد رفقی کیونکر

قتل کیا گیا ہاں وہ تندرو رنگ لڑکا کیوں ہار گیا محض اسوجہ سے کہ اُسکو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اس شہری عورت کے دل میں احسان کے لئے خاص سوز و گداز ہے جیسا کہ میرے دل میں ہے۔

کذبان کی ساری داستان سُنکر میں نے کہا، ان تمام باتوں کا مجھ سے کیا تعلق ہے۔

میرے الفاظ سُنکر کذبان زار زار رونے لگی اور پھر مجھ سے کہا کہ وہ کل رات احسان کے پاس گئی تھی شروع میں تو وہ بہت خفا ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دینے کی کوشش کی لیکن اُسنے اس کی پروا نہ کی اور زمین پر لیٹ گئی اور اُس کے جوتوں کو پکڑ کر رونے اور عاجزی کرنے لگی آخر اُسکو رحم آیا اور وہ تسکین دینے کی کوشش کرنے لگا، اُس کی گریہ وزاری کی آگ پر اس ہمدردی نے تیل کا کام کیا اور وہ بے اختیار ہو کر رونے لگی، اسی حالت میں اُسنے اپنی خوش قسمتی کے ستارہ کو چمکتا ہوا پایا لیکن اُسنے اپنے تاثر کو چھپانے کی پوری کوشش کی اگر وہ اپنے تاثر کو نہ چھپاتی تو بہت ممکن تھا کہ اُس کے قلب میں ہلچل پیدا ہو جاتی آخر احسان نے اُس کی ٹھوڑی میں ہاتھ ڈالکر اُسکو اُٹھایا اور اُس کی طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دیکھا اُس کا نام عائشہ رکھا اور پھر بے اختیار اُسپر رقت طاری ہوئی اور وہ رونے لگا، احسان بچوں کی طرح رو رہا تھا اور وہ بھی اُس کے ساتھ رو رہی تھی۔

اس کے بعد کذبان نے کہا کہ عائشہ نے احسان کی ڈاڑھی کو نوچ لیا ہے اور اب وہ اُس کے سحر سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

بہر حال کل رات اُن چند ساعتوں کے اندر جو کذبان کو احسان کی ہمدردی کی حاصل ہوئی یقین ہے جنت کی نعمتوں کو سستے داموں خرید لیا یعنی " وہ قربانی " جسکا اُسنے اضطراب و بے چینی کی حالت میں ارادہ کیا تھا اور جو اُس کی زندگی کی کڑی کو عذاب جہنم کی کڑیوں سے قریب پیوستہ کردے گی۔

صبح کو شادیش محمد کذبان سے ملا اور اپنی درخواست کو قبول کرنے پر اُسے مجبور کیا، کذبان سمجھ گئی کہ شادیش محمد کا مجبور کن اصرار خطرناک نتائج پیدا کریگا اور ممکن ہے کہ احسان کو بھی اس سے گزند پہنچے کذبان اب شادیش محمد سے اس طرح ڈرنے لگی تھی جس طرح پرندہ سانپ سے ڈرتا ہے اور اُس کا نام آتشی سرکش جن رکھدیا تھا اُسنے اس خوف سے کہ کہیں شادیش محمد احسان کو گزند نہ پہنچائے شادیش محمد کی درخواست کو منظور کر لیا تھا اور اس امر کا وعدہ کر لیا تھا کہ وہ عنقریب گاؤں چلی جائے گی اور اُس سے نکاح کر لے گی، مگر دل میں اُسنے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ موقع پا کر اُس سے نجات حاصل کرنے کے لئے

کہین نکل جائے گی لیکن اُسنے یہ نہین بتلایا کہ وہ کیونکر ایسا موقع حاصل کریگی یا کیونکر شادیش محمد سے نجات پا لے گی۔

کذبان نے اگرچہ شادیش محمد سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ذخیرۂ جنگ کی خالی گاڑیون کیساتھ گاؤن کو واپس چلی جائے گی لیکن وہ واپس نہین گئی اور لشکر گاہ ہی مین چھپی رہی اُسکا ارادہ تھا کہ آخری مرتبہ احسان کو وہ پھر دیکھ لے جب اُسکو یہ معلوم ہوا کہ احسان لشکر گاہ سے باہر چلا گیا ہو تو وہ میرے پاس آئی اور مجھے وصیت کی کہ مین احسان کی حفاظت کرون کیونکہ شادیش محمد کے دل مین رقابت کی آگ بھڑک رہی ہو اور غیرت و رشک کے بچھو اُس کے جسم مین ڈنک مار رہے ہین، شادیش محمد احسان کی کمزوریون سے واقف ہو اور بہت ممکن ہو کہ وہ جلد یا کچھ دنون بعد خیانت کرے۔

آخر مین کذبان نے مجھسے یہ خواہش کی کہ وہ آخری مرتبہ احسان کے خیمہ مین جانا چاہتی ہو اور مین اُس کی اس خواہش کو پورا کرنے کا ذریعہ بہم پہنچا دون تاکہ وہ باسانی خیمہ مین داخل ہوسکے اور پہرہ دار اُسکو نہ روکین، اس خواہش کو ظاہر کرتے ہوئے اُسنے کہا۔

کیا حرج ہو اگر مین گاؤن جانے اور اُس سرکش جن (شادیش محمد) کے ہاتھون مین پڑنے سے قبل ایک نظر پھر اُس خیمہ کو دیکھ لون جسمین احسان رہتا ہو۔

کذبان کے ان الفاظ سے مین بہت متاثر ہوا اپنے خیمہ کا دروازہ مین نے کھولا اور احسان کے خیمہ کے پہرہ دار کو مخاطب کر کے کہا۔

مین اس لڑکے کے ہاتھ جناب قائد کے خیمہ مین اخبارات بھیج رہا ہون تم اُسکو اندر جانے دینا روکنا نہین۔

پہرہ دار نے جواب مین کہا۔ بہت اچھا جناب والا۔

مین نے فوراً اخبارات کا پیکٹ کذبان کے حوالہ کیا اور کہا۔

یہ کاغذات لیکر خیمہ مین جاؤ اور وہان رکھکر فوراً واپس چلی آؤ۔

کذبان خیمہ مین چلی گئی جب بہت دیر ہوگئی اور وہ باہر نہ نکلی تو مین اُٹھا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ کذبان کیون اب تک نہین واپس آئی احسان کے خیمہ کی طرف بڑھا آہ کمرہ کے اندر داخل ہوکر مین نے دیکھا کہ غریب کذبان احسان کے پلنگ کی پائنتی دوزانو بیٹھی ہو احسان کے جوتے اُسنے گلے مین ڈال

لٹکے ہین۔ جگنون کے چہرے کی رخسارون سے ڈھل رہی ہو اور اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھون سے آنسو ڈھلک ڈھلک کر زمین پر گر رہے ہین۔ مین نے اُسکا ہاتھ پکڑ لیا اور آہستہ آہستہ اُسکو خیمہ سے باہر لایا اور پھر ہمراہ لیکر اس خیال سے آگے بڑھا کہ لشکرگاہ سے اُسکو باہر پہنچا دون اور لشکر کی حدود سے نکال دون اور اس کے بعد اُسکو شادلیش محمد کے تباہ کن عشق کے گڑھے مین گرنے کے لئے چھوڑ دون۔

مین اور کذبان دونون پہلو بہ پہلو خیمون کے درمیان سے گذر رہے تھے کذبان کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ زمین کی طرف دیکھتی ہوئی اس طرح چل رہی تھی گویا وہ خواب دیکھ رہی ہو، لشکرگاہ سے باہر نکلکر جب ہم دو خان چاہے کے قریب پہنچ گئے جہان سے وہ بآسانی صحرا طے کر تنہا جا سکتی تھی تو مین نے اُسکو رخصت کر دیا اور واپس لوٹتے وقت مین نے کچھ زر نقد اُسکو دینا چاہا وہ ایک درخت سے پشت لگا کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔

مین نہین لون گی ۔۔۔ مین نہین لون گی۔

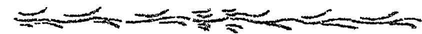
مین نے مجبور کرنے اصرار کیا لیکن وہ برابر انکار کرتی رہی آخر زر نقد اُس کی چھوٹی سی ہتھیلی پر رکھکر مین لوٹنا ہی چاہتا تھا کہ گولی کی آواز سنائی دی اور معاً مین نے اپنے بازو مین بجلی کا سا دھکا محسوس کیا پھر میرے جسم سے زمین پر کوئی چیز پانی کے قطرات کی مانند ٹپکتی نظر آئی، کذبان یہ دیکھکر پریشان ہو گئی اور ادہر اُدہر دوڑنے لگی پھر مین نے شادلیش محمد کی شکل دیکھی جو چیتے کے مانند درختون کے درمیان دوڑ رہا تھا، کذبان کے قریب پہنچکر اُسنے اُس کی کمر کو گرفت مین لے لیا اور کہنے لگا مین نے تجھ کو گاؤن مین تلاش کیا لیکن تو وہان نہین ملی مجھے معلوم ہو گیا ہو کہ تو نے مجھے دھوکہ دیا ہو، فاحشہ، تو عنقریب دیکھے گی کہ مین کیونکر اس شخص کے قلب اور احسان کے جگر کو اپنی گولی کا نشانہ بناتا ہون،

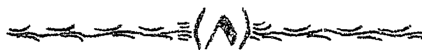
گولی کی آواز سنکر لشکر کے پہرہ دار دوڑ پڑے اور اُن کو دیکھکر شادلیش محمد نے کذبان کو کندھے پر ڈال دیا اور بھاگ گیا، پہرہ کے سپاہی سے مین نے کہا۔

دوست کوئی خطرہ نہین ہو یہ گولی جو کہین دور سے آئی تھی غلطی سے میرے بازو پر آ لگی ہو مین اپنے خیمہ مین چلتا ہون تم ڈاکٹر اور مرہم پٹی کے سامان کو فوراً بھیجدو۔

دوسرے روز احسان نے واپس آکر بیان کیا کہ باقاعدہ سپاہ اور بے قاعدہ جماعتون کے درمیان اختلاف نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہو اور اب منتظم سپاہ کی بقاء و زندگی کی صورت صرف یہ ہو کہ

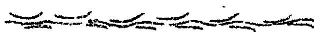
بے قاعدہ جماعتون کو بالکل تباہ کر دیا جائے - تمام فوجی افسر جن مین سب سے آگے احسان تھا اور اسی طرح تمام منتظم سپاہ اب بے قاعدہ جماعتون کو یونانیون کی طرح اپنا دشمن خیال کرنے لگی تھی - کچھ دنون بعد احسان نے یہ تجویز پیش کی کہ مین اپنے زخم کا علاج کرانے اور تبدیلی آب و ہوا کے لئے عسکی شہر چلا جاؤن اور اسپر اسنے اپنی پوری قوت سے اصرار کیا -





(۸)

کابوس



یکم دسمبر ۱۹۲۱ء

میرے قصہ کے سلسلہ کی کڑیون مین ایک کڑی مفقود ہو بلکہ یون کہنا چاہئے کہ میری سرگذشت کے اوراق مین ایک ورق آشفتہ اور سوختہ ہو گیا کہ زبان اور شاکیش محمد کو اس کے بعد کہ وہ اسکو کاندھی پر ڈالکر خشک جنگلون کے اندر تاریک رات مین لے بھاگا تھا پھر کبھی مین نے دیکھا ہے میرا خیال ہو کہ مین نے دونون کو ان شعلون کی روشنی مین جو میرے دماغ کے اندر بھڑک رہے ہین دیکھا ہو اور پھر میدان جنگ کی آتشباری، گولیون کی آواز اور شورش کے نعرون مین ان کو دیکھا ہو میری زندگی کا یہ دور مختصر بلا شبہ ایک خوفناک دماغی کابوس کا دور ہو -

اب کہ ان سطرون کو لکھتے وقت مین اس واقعہ پر غور کر رہا ہون میری پیشانی سے سرد پسینہ ٹپک رہا ہے، جسم مین آگ کے شعلے بھڑک رہے ہین، ہونٹ خشک ہو گئے ہین، اور آنکھین اس طرح گردش کر رہی ہین گویا مین سخت بخار مین مبتلا ہون، کیا جو کچھ مین دیکھ رہا ہون یا دیکھتا رہا ہون وہ صرف میرے دماغ کی اثر آفرینی ہو؟ مین اس کو تسلیم نہین کر سکتا البتہ مین ان لوگون اور خود اپنی ذات کے متعلق بھی شک و شبہ مین ضرور پڑا ہوا ہون، بلا شبہ یہ کابوس ہو (روحانی و دماغی صدمہ یا دماغی امراض مین جو حالت تخیل انسان پر طاری ہو جاتی ہو اسکو کابوس کہتے ہین) ہان حقیقی کابوس اب

میں اپنے مشاہدہ کی کیفیت جو اقلم کرتا ہوں اور جس صورت میں اُن کو میں نے دیکھا ہے اُسکو پیش کرتا ہوں، ہم اُس سپاہ میں شامل تھے جو قونیہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے گئی تھی احسان کے آدمیوں کے ساتھ ہم ایک گاؤن کے قریب جسکا نام مجھے اسوقت یاد نہیں آتا آتے ہم کو معلوم ہوا کہ اس مقام تک ابھی باغی نہیں پہنچے ہیں اس علاقہ کا ایک مختصر وفد احسان کی خدمت میں اظہار اخلاص وفاداری کے لئے حاضر ہوا اور احسان سے اُسنے وعدہ کیا کہ وہ کسی باغی کو اپنے علاقہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیگا بشرطیکہ ترکی سپاہ کا کوئی آدمی اُن کے علاقہ میں داخل نہ ہو کیونکہ ترکی سپاہ کو یا اُس کے آدمیوں کو دیکھکر علاقہ میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

پھر وفد نے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ افسر سپاہ (احسان) تنہا علاقہ کے اندر داخل ہو سکتا ہے اس لئے ہم جناب قائد کو علاقہ کے معائنہ کی دعوت دیتے ہیں اس کے بعد وفد کے ارکان نے کہا کہ وہ جناب قائد کو علاقہ کے معائنہ کی دعوت دیتے ہیں، اس کے بعد وفد کے ارکان نے کہا کہ وہ جناب قائد کی تشریف آوری کی خوشی میں دنبوں کو ذبح کریں گے اور اظہار مسرت میں شہر کو آراستہ کریں گے اس وفد میں دو سن رسیدہ شخص تھے جن کے سروں پر عمامے تھے اور اُن کے ساتھ موضع کے دو زمیندار تھے احسان اِن لوگوں سے مطمئن ہو گیا اور اُن کی محبت اُس کے قلب میں جاگزین ہو گئی با ایں ہمہ احسان نے حفاظت کی تمام تدابیر اختیار کیں مجھکو اپنے ساتھ لے چلنے کے لئے بلایا اور پانچ سواروں کو ساتھ لیا اور اپنی سپاہ کے ایک دستہ کو محسن بک کی قیادت میں دیکر حکم دیا کہ وہ علاقہ کے قریب تیار کھڑا رہے، احسان نے ارادہ کیا تھا کہ اگر علاقہ کے لوگوں پر اُسکو کوئی شک و شبہ ہوگا تو وہ اپنے ہمراہی سواروں میں سے ایک کو اطلاع دینے کے لئے محسن بک کے پاس بھیجیگا تاکہ محسن بک فوراً اپنی ماتحت سپاہ سے گاؤن پر حملہ کردے۔

محسن بک احسان کی اس رائے کے خلاف تھا اُسنے ظاہر کیا کہ دیہاتی لوگ جو آج اظہار خلاص وفاداری کر رہے ہیں کل اُن پر بھی اُس بغاوت کا بھوت سوار ہو جائیگا جو آندھی کی طرح قونیہ کی جانب بڑھتی چلی آرہی ہے۔

یہ گاؤن جس کے قریب ہم ٹھیرے تھے تین سو مکانات پر مشتمل تھا اور زرد رنگ کی شور زمین میں واقع تھا، مکانات اسی زرد مٹی کے تھے اور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر اُن کا زیادہ حصہ تھا، ٹیلے کے

سامنے سبز میدان تھا دوپہر کی دھوپ نے اس زرد مٹی کا رنگ منفشی بنا دیا تھا ہلکی ہلکی ہوا جو سبز میدان میں چل رہی تھی اُسنے طبل و فریاد کی آواز کو تمام اطراف میں پھیلا دیا تھا ٹھیک اسی وقت میں اور احسان اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار گاؤں کی طرف جا رہے تھے اور کذبان و شادیش محمد کے متعلق باتوں میں مشغول تھے بعض لوگوں نے بیان کیا تھا کہ کذبان اسوقت تک گاؤں میں واپس نہیں پہنچی اور شادیش محمد اُس بے قاعدہ جتھے میں شامل ہوگیا ہے جو چرکسیوں اور ترکوں سے مرکب اور حمزہ بک کے ماتحت ہے اس جتھے نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا، میں شادیش محمد کے واقعہ پر حیرت و محویت کے عالم میں غور کرتا چلا جا رہا تھا اور اُس کی نفسانی خواہشات نے مجھکو تعجب میں ڈال رکھا تھا اُسنے کذبان کی سبز آنکھوں سے متاثر ہوکر اپنی گذشتہ بہترین زندگی کو تباہ کر دیا تھا احسان نے محویت کے عالم میں مجھ سے کہا۔

غریب چھوٹی سی کذبان ... آہ وہ مسکین لڑکی۔

جب ہم سبز میدان کے قریب پہنچے تو ہم نے ایک اجتماع کثیر دیکھا ان کو دیکھکر میں نے اپنے دل میں کہا شاید یہ لوگ ہمارے استقبال کو آئے ہیں لیکن یہ اژدحام اتنا زیادہ کیوں تھا اور سارے لوگ خاموش کیوں کھڑے تھے ؟

جب ہم سبز میدان میں داخل ہونے لگے تو ہم نے اپنے سامنے ایک گہری اور طویل خندق کو دیکھا احسان نے گھوڑے کو ایڑ دی اور وہ خندق کے پار تھا گویا احسان کا گھوڑا ایک پرندہ تھا جو دونوں بازوں کو حرکت میں لاکر اُڑ گیا۔ احسان کے بعد میں نے اور پانچ ہمراہی سواروں نے خندق کو عبور کیا اور آگے روانہ ہوئے اس سبزہ زار میں ہم دس قدم سے زیادہ آگے نہ بڑھے ہونگے کہ ایک جماعت ہمارے بائیں پہلو سے ایک شکستہ پن چکی کی عمارت سے برآمد ہوئی اور ہمارے پیچھے آکر اُچھلنے کودنے لگی اس جماعت کو دیکھکر احسان نے تیزی کے ساتھ اپنے گھوڑے کی باگ اُس کی طرف پھیر دی اور معاً کاوس کا دور شروع ہوگیا، ہمارے اور ان باغیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہمارے پانچ سوار پچاس باغیوں سے لڑ رہے تھے جو ہم پر پتھروں۔ لاٹھیوں، کلہاڑوں اور گالیوں سے حملہ آور ہوئے تھے چند منٹ کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ ہمارے ساتھی سواروں میں سے دو سوار گھوڑوں کی پُشت سے گرے اور باغی کاشتکاروں نے اُن کو خندق میں ڈالدیا پھر میں نے اپنی پشت پر بہت سے قدموں کی خوفناک آواز سُنی اور ایسا محسوس ہوا کہ یہ آواز زمین کی تہ سے آرہی ہے یہ آواز اُس دیہاتی ہجوم کی تھی جو آندھی کی طرح جوش میں بھرا چلا

آرہا تھا، اب وہ باغی کاشتکار جو پہلے آدمیون سے لڑ رہے تھے کمزور پڑ گئے تھے اور مغلوب ہو چکے تھے لیکن جب کاشتکارون کی نئی جماعتین آگئین تو ہم پھر ایک جتھے مین گھر گئے جو گویا مادہ انقلاب کی بیماری مین مبتلا اور دیوانہ کتون کی مانند جوش مین بھرا ہوا تھا اُس روز مجھ کو خوف کی پوری حقیقت معلوم ہوئی اور مین نے محسوس کیا کہ خوف ایک زرد رنگ کی چیز ہے جسکی دو آنکھین ہین اور وہ جسم بھی رکھتا ہے اور اُس کے اندر اختلاج کا دورہ ہوتا ہے۔

اب مین اُس سخت جان اور رقیق القلب جوان کا ذکر کرتا ہون جسکا نام احسان ہے جنگ کی حالت مین وہ پستول ہاتھ مین لیے ہوئے تھا جسکے دہانہ سے برابر دھوان نکل رہا تھا اُس کی سُرخ ٹوپی ایک جانب کو جھکی ہوئی تھی اور نہایت طمانیت و بے خوفی کے ساتھ وہ مجمع کو منتشر کرنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ اپنی پوری کوشش اس امر پر صرف کر رہا تھا کہ اُس کی گولی سے کوئی شخص ہلاک نہ ہو اور باین ہمہ کہ چارون طرف سے باغی اُسکو گھیرے ہوئے تھے لیکن وہ کسی کو اپنے قریب نہ آنے دیتا تھا باغی کاشتکار احسان کی شجاعت و بسالت کو حیرت و تعجب سے دیکھ رہے تھے اور اُن کی نظرین اس صاحب قدرت شخص کی آنکھون پر تھین جن سے بجلی کی سی چمک نکل رہی تھی اور جو اُن کو ٹھنڈی نظرون سے دیکھ رہا تھا سب سے زیادہ عجیب بات اس ہنگامہ مین یہ تھی کہ یہ باغی لوگ جنھون نے چلا چلا کر آسمان کو سر پر اُٹھا رکھا تھا جو ہم کو گالیان دے رہے تھے۔ جن کے جسمون سے پسینہ جاری تھا اور جو کلھاڑون اور لاٹھیون کو ہلا رہے تھے مجھ سے وہ کوئی تعرض نہ کرتے تھے گویا مین اُن کی نظرون مین اُنھین مین کا ایک آدمی تھا اور کسی طرح وہ مجھے کسی قسم کی تکلیف و اذیت پہنچانے کے روادار نہ تھے پھر مین نے سُنا کہ باغی لوگ آپس مین ایک دوسرے کو مخاطب کرکے کہہ رہے ہین۔

تم نے اس کی مونچھین نہین دیکھین۔

اسکو زمین پر گرا دو۔

اسکو مار ڈالو۔

اجی پھانسی پر چڑھاؤ۔

ادہر تو یہ ہنگامہ آرائی جاری تھی اور اُدہر مین نے ڈھول کی آواز سُنی پھر ایک جماعت کو دیکھا جو کتون کی طرح ادہر سے اُدہر دوڑ رہی تھی سنگریزے ہوا مین اُڑ رہے تھے اور آفتاب ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ خونکا

ایک مطابق ہو جاوق سے نیچے کی جانب آہستہ آہستہ جارہا ہے تاکہ صحرا کے گوشہ مین چھپ جائے۔
میرے اور احسان کے درمیان ایک جماعت حائل ہو گئی ہین نہین کہہ سکتا کہ اسوقت یہ جماعت کیا کر رہی تھی اسمین سوار بھی تھے اور پیدل بھی کوئی فخر و غرور سے تالیان بجارہا تھا کوئی شور مچار ہا تھا، کوئی پتھر مار رہا تھا اور کوئی اچھل کود رہا تھا مختصر یہ کہ سب کے سب جوش و خروش مین تھے۔
یہ انسانی آندھی سرخی آمیز تاریکی مین گانون کی طرف روانہ ہوئی اس کے آگے آگے مشعل بردار لوگ تھے اور ان مشعلون کی دھوئین آمیز روشنی مین ان لوگون کے چہرے بہت خوفناک نظر آرہے تھے، احسان اور ہمارے دو ساتھی سوار اس جماعت کے حلقے مین تھے جنکو وہ زنجیرون سے کھینچے لئے جاتے تھے ان کو دیکھکر مین نے اپنے دل مین کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ احسان وغیرہ زندہ ہین اگر خدانخواستہ پٹ جاتے تو باغی ان کو بھی خندق مین پھینکدیتے جیسا کہ انھون نے دو مقتول سوارون کو پھینکدیا ہے۔
دو دیہاتی جو میرے پہلو مین چل رہے تھے مین نے سنا کہ وہ آہستہ آہستہ کچھ باتین کر رہے ہین مین نے توجہ کے ساتھ سنا اور ان کو یہ کہتے ہوئے پایا۔
ایک ایسا بہادر شیر سا جوان ہو دروانیال پر یہ ہمارا افسر تھا جب وہ حملہ کے وقت آگے بڑہتا تھا تو ہمارے قلوب کانپ اٹھتے تھے اور ادہر تو دیکھو وہ خبیث کون ہو جسکو لوگ حمزہ بک کہتے ہین۔
دوسرا۔ تم شادلیش محمد کو جانتے ہو یہ تمام ہنگامہ اسی کی شرارت کا نتیجہ ہے۔
پہلا۔ لیکن ہمارا یہ کاشتکار رہنا تو بالکل گدہا سا معلوم ہوتا ہے۔
آخر ہم ان باغی کاشتکارون کے ساتھ گانون مین داخل ہوئے اور پھر مین نے ان دونون آدمیون کو باتین کرتے سنا پہلے نے کہا بہادر افسر (احسان) کیساتھ کیا برتاؤ کیا جائیگا۔
دوسرا۔ اُسکو قیدخانہ مین بند کردین گے۔
مین اس خونی مجمع کے ساتھ ساتھ تھا جو مشعلون کی روشنی مین چل رہا تھا عورتون کے دیہاتی گانے کی آواز گانون کی چارون سمتون سے آرہی تھی جو مختلف قسم کے گیت گارہی تھین، ڈھول کی جھنجھی آواز کانون کے پردون کو پھاڑے ڈالتی تھی مینڈک الگ چلا رہے تھے اور کبھی کبھی اس پُرشور ہنگامہ مین بندوقون کی آواز بھی آجاتی تھی جو فضا کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی۔
آخر ہم گانون کی ایک گلی مین پہنچے جو غبار سے بھری ہوئی تھی اور متعدد جگہ اس مین پیچ و خم تھے

گلی کی ایک موڑ پر مین نے ایک گاڑی کو دیکھا جو خالی پڑی تھی اور بیل اُس مین جُتے ہوئے نہ تھے، گاڑی کے سامنے ایک بڑا کچا مکان تھا جسکا دروازہ کھلا ہوا تھا کاشتکارون نے احسان اور دونون ساتھی سوارون کو اس مکان مین داخل کیا اسوقت کاشتکارون کا جوش بہت بڑھ گیا تھا اور وہ شور مچا رہے تھے اور گالیان دے رہے تھے۔ مین گاڑی کے پاس کھڑا ہوگیا اور دیر تک وہان کھڑا رہا آخر مین نے ایک شخص کو دوسرے سے یہ کہتے ہوئے سُنا۔

اس شخص کو قتل کیون نہین کر دیتے۔

دوسرا۔ مین اسکا سبب نہین بتلا سکتا۔

پہلا۔ لوگون کا خیال ہو کہ کوئی پاشا انگورہ سے آنیوالا ہو کیا اس نے تو ان آدمیون کو نہین روکا گیا ہو کہ وہ ان کے پاس یرغمال کے طور پر رہین۔

دوسرا۔ جوان! مین نہین کہہ سکتا کہ تمھارا خیال دُرست ہو۔

گلی مین پھر ہجوم ہوگیا دیہاتی کاشتکار پھر ادھر اُدھر کودنے اور دَوڑنے لگے مشعلین روشن کی گئین اور ڈھول پٹنے لگے پھر مین نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔

اُن کو پھانسی دی جائے گی ہان وہ اُن کو پھانسی پر چڑھائین گے۔

یہ الفاظ سنکر مین نے محسوس کیا کہ سرد پسینہ میری کنپٹیون سے ٹپک رہا ہے میرے ہاتھ کانپنے لگے اور قلب اُس گُڑیا کی مانند جو فضا مین ناچ رہی ہو زور زور حرکت کرنے لگا۔

پھر مین نے قدمون کی آہٹ اور دیہاتی لہجہ مین ایک تقریر سنی جس سے میرے کان آشنا تھے اور فوراً مین گاڑی کے پاس سے ہٹ کر ایک گوشہ مین کھڑا ہوگیا اور دیکھا کہ اُس دروازہ کے اندر جسمین احسان کو لیجایا گیا تھا مشعلین روشن ہین اور اُن کے شعلے دھوئین اور تاریکی مین بلند ہو رہے ہین پھر مین نے ایسے لوگون کے خوفناک چہرے دیکھے جو برابر گفتگو کر رہے تھے اور شور مچا رہے تھے مین یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہین اور آگے بڑھا۔ پھر مین دروازہ کے اندر جا کر کھڑا ہوگیا جہان چار پانچ وہ کاشتکار بھی آکر کھڑے ہوگئے تھے جو راستہ سے گذر رہے تھے اور تماشہ دیکھنے لگے تھے۔

دروازہ کے اندر داخل ہو کر مین نے مکان کے اندر نظر ڈالی سامنے ایک بدنما پائخانہ نظر آیا جسکی پہلو مین زینہ تھا۔ صحن کا فرش کچا اور غلیظ تھا اور اس کے ایک گوشہ مین آہنی طوق اور زنجیر وغیرہ رکھے

ڈھیر لگے پڑے تھے ۔ دائیں جانب ایک اور دروازہ تھا جس میں لوہے کے کواڑ چڑھے ہوئے تھے دروازہ کے سامنے دو مشعلیں روشن تھیں جو زمین میں نصب کر دی گئی تھیں مکان کی اس ہئیت کو دیکھکر میں سمجھ گیا کہ یہ اس علاقہ کا دارالحکومتہ ہے اور لوہے کے کواڑوں والا حصہ قید خانہ ہے ۔

احسان لوہے کے دروازہ والے مکان میں کھڑا تھا خون اُس کے سر سے ٹپک رہا تھا ایک لمبی آہنی زنجیر اُس کے ہاتھوں میں پڑی تھی جو پاؤں تک لٹک رہی تھی اور گلے میں طوق تھا ۔ دروازہ کے باہر وہ بدصورت شخص جسکا نام شاد لش محمد ہے لوگوں کو جوش دلا رہا تھا اور اس امر پر آمادہ کر رہا تھا کہ وہ قید خانہ کا دروازہ توڑ ڈالیں اور احسان کو قتل کر دیں وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا " تمنے حاکم علاقہ اور جند رمہ کے سپاہیوں کو مار ڈالا لیکن اس ناپاک اور جاہل شخص کو قتل کرنے میں تم تامل کر رہے ہو آخر وہ کیا بات ہے جس سے تم متاثر ہو اور خاموش بیٹھے ہو ۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیہاتیوں کی جماعت اپنے اُن مجنونانہ جرائم پر جن کا ارتکاب اُسنے آج شام کو کیا تھا پشیمان تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اُسنے شاد لش محمد کی باتوں پر کان نہ دھرا اور خاموش بیٹھی رہی ۔

میری نظریں اور میرا قلب اسوقت احسان کے گرد اس طرح گھوم رہا تھا جس طرح پروانہ شمع کے گرد گھومتا ہے نہ تو میری نظر اُس کی جانب سے ہٹتی تھی اور نہ قلب کسی دوسری جانب مائل ہوتا تھا آہ اُس کا چہرہ کتنا دلکش اور نورانی تھا اور وہ کتنا باہمت اور صاحب عزم و حوصلہ تھا احسان کی اُن بڑی بڑی آنکھوں سے جن کے اوپر " سرخ رنگ " سر سے خون ٹپک رہا تھا اسوقت بجائے خوفناک جلال و جرءت کی کسی قدر تلخی ۔ کراہت اور نفرت آمیز شفقت و ہمدردی ٹپک رہی تھی ، اب میری سمجھ میں یہ راز آگیا کہ زبان کیوں احسان کے جوتوں کو خشوع و اشتیاق کے ساتھ اپنے رخساروں سے مس کر رہی تھی اور چوم رہی تھی اور اپنی زندگی کی انھیں چند ساعتوں میں میں نے یہ راز بھی پالیا کہ عائشہ یا ہر وہ عورت جو احسان کو دیکھتی تھی اُس کی آنکھوں کے جادو سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھی بشرطیکہ عائشہ نے اُسکی آنکھوں کو کبھی ایسی حالت میں دیکھا ہو جیسی حالت کہ اسوقت تھی ۔ ۔ ۔ لیکن نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس شخص کی روح کو جو اسوقت طوق پہنے کھڑا تھا ، جسکے ہاتھوں میں لمبی آہنی زنجیر بندھی تھی اور

جو اُنہی دروازہ کے اندر کھڑا جلادون کی طرف استقامت، شجاعت اور مضبوط ایمانی قوت سے دیکھ رہا تھا اب سے بہت پہلے اپنی نو مردین آنکھون کے خاص نور سے پہچان لیا تھا۔ میرے ہاتھون مین کپکپی پڑھ گئی اور سرد پسینہ پیشانی سے رُخسارون پہ ٹپکنے لگا۔ شادلش محمد دیہاتی مجمع کی کمزوری سے واقف ہو گیا تھا اور جس ضعف نے اُس کے قلب مین جگہ پکڑ لی تھی اُسنے اُسکو پا لیا تھا چنانچہ دیہاتی مجمع کو مخاطب کر کے اُسنے بیان کرنا شروع کیا کہ اگر احسان اُن کے ہاتھون سے نکل گیا تو وہ اُن کے گاؤن مین آگ لگا دیگا اور گاؤن کے سارے آدمیون کو یہان تک کہ عورتون اور لڑکیون کو بھی پھانسی پہ چڑھوا دیگا۔

شادلش محمد کے ان الفاظ نے دیہاتیون کو تردد مین ڈالدیا اور وہ اُس کی باتون سے متاثر ہو کر اَب اُس سے نفرت کے بجائے محبت کرنے لگے اُن کی آنکھون مین چمک پیدا ہوئی اور اُنھون نے شادلش محمد کی طرف اعتماد کی نظرون سے دیکھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ احسان کی زندگی چند لمحون کی نظر آنے لگی۔

ہم اسی تردد و انتشار مین تھے کہ ہمارے کانون مین گھوڑون کے سرپٹ دوڑے آنے کی آواز پڑی جو دمبدم قریب ہوتی جاتی تھی اس آواز کو سن کر شادلش محمد کے کان کھڑے ہو گئے اور دیہاتیون کے مجمع کی حالت یہ ہوئی کہ وہ گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر یہ مجمع حالت انتشار مین بیرونی دروازہ کی طرف بڑھا اور چند لمحون مین مین نے دیکھا کہ لوگ سخت اضطراب مین مبتلا ہین اور اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہین اور اُن کے پیچھے باقاعدہ ترکی سپاہ کا دستہ ہے جو تیزی سے گھوڑون پر سوار آرہا ہے۔

چند منٹ کے بعد حالت بدل گئی اور جب مین نے اپنی آنکھون سے احسان کو محسن بک کے سوارون مین دیکھا جس کے سر سے بدستور خون جاری تھا تو میرے دماغ سے کابوس کی ظلمت رفع ہو گئی میرے دل پر جو بھاری بوجھ رکھا تھا وہ ہٹ گیا لیکن جو واقعات آج مین نے دیکھے تھے مین اُن سے اسقدر متاثر تھا کہ قریب تھا مجھ پر عورتون کی سی غشی طاری ہو جائے۔ احسان قیام گاہ پہنچ کر اپنے خیمہ مین جا کر بیٹھا پٹی اُس کے سر پر بندھی ہوئی تھی اور وہ فوجی افسرون سے گذشتہ واقعہ کے متعلق اس طرح گفتگو کر رہا تھا گویا وہ کوئی اہم حادثہ نہین ہے۔

محسن بک نے احسان کو مخاطب کر کے کہا۔

ہم سب لوگ سو رہے تھے کہ پہرہ دار کو ایک باریک زنانہ آواز نے متنبہ کیا گویا وہ کسی بچہ کی آواز ہے، یہ

آواز ایک خوبصورت سولہ سالہ لڑکے کی تھی جو چرکسی لباس پہنے تھا، اُسنے کہا

اے جناب افسر...... اے حضور والا

فوراً لڑکے کو میرے پاس لایا گیا اسوقت اُس کی حالت نہایت خراب تھی اور وہ نیم جان ہو رہا تھا دانت سے دانت بج رہے تھے اور ٹھوڑی کانپ رہی تھی اُسنے مجھ سے کہا کہ مین حمزہ بک چرکسی کی جماعت کا آدمی ہون پھر اُسنے بیان کیا۔

لوگون نے احسان کو گرفتار کر لیا ہو اور وہ اُس کو قتل کرنے والے ہین فوراً اُس کی مدد کو پہنچو لڑکے کا یہ بیان سُنکر ہم فوراً گھوڑون پہ سوار ہوئے اور گاؤن کی طرف چلدئے روانگی کے وقت ہم کو اتنا وقت نہ ملا کہ ہم مزید حالات دریافت کرتے، اگر آپ چاہین تو پہرہ دار سے زیادہ حالات دریافت فرماسکتے ہین کیونکہ وہ ہم سے زیادہ واقف ہو۔

پہرہ دار کو بلایا گیا اور اُسنے اس طرح حالات کو بیان کرنا شروع کیا گویا وہ عدالت کے سامنے بیان دے رہا ہے اُس کی آنکھون مین آنسو بھرے ہوئے تھے اور آواز مین گھبراہٹ نمایان تھی اُسنے بیان کیا جناب محسن بک کی روانگی کے بعد لڑکا تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھا رہا اُسنے مجھے بتلایا کہ احسان بک نے موضع صاریلہ مین اُس کے ساتھ بڑا احسان کیا تھا پھر وہ (لڑکا) شادیش محمد کے پنجہ مین پھنس گیا اور حمزہ بک چرکسی کی جماعت مین داخل ہوگیا، شادیش محمد احسان بک کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا لیکن یا ہین ہمہ دیہات کے اکثر آدمی آستانہ کے لشکر خلافت کے مقابلہ مین ہمارے ساتھ تھے شادیش محمد نے اُن کو بہکایا اور اپنے ڈھنگ پر لے آیا جب اُسکو (لڑکے کو) اُس کمین گاہ کا علم ہوا جسکو دیہاتیون نے احسان بک کو گرفتار کرنے کے لئے تیار کیا تھا تو وہ وہان سے بھاگ کھڑا ہوا اور کچھ گھنٹہ کی مسافت پیدل طے کر کے یہان ایسی حالت مین پہنچا کہ تکان سے نیم جان اور اضطراب خوف سے مثل مُردہ کے تھا۔

احسان نے پوری توجہ سے پہرہ دار کا بیان سُنا اور اُس کا چہرہ زرد ہوگیا پھر اُسنے کہا۔

وہ لڑکا کہان ہو۔

پہرہ دار۔ وہ نہر کے کنارے جا کر لیٹ گیا تھا اور وہین سو گیا تھا پھر اُسکو بہت تلاش کیا گیا لیکن اُس کا پتہ نہ چلا البتہ نہر کے کنارے ایک چرکسی کوٹ اور جوتے پڑے ملے۔

جب احسان گاؤن کی سرکوبی و تادیب کے لئے سپاہ لے کر گیا ہو اُسوقت مین اپنے بستر پر پڑا ہوا تھا

سر مین گرانی تھی اور ہاتھ کانپ رہے تھے بظاہر ایسا دیکھتا ہو کہ تادیب سرکوبی کا کام تین دن تک جاری رہا ایک روز رات کو احسان آیا وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا اور اُس کے پیرون کی آواز مین سن رہا تھا قریب اُسکے چہرہ پر تکلیف کے آثار نمایان تھے اور پٹی پیشانی پر بندھی ہوئی تھی خیمہ مین داخل ہو کر وہ میرے پاس فرش پر بیٹھ گیا اُس کی آنکھون سے سخت تکان اور اضطراب ظاہر ہو رہا تھا اور وہ کچھ گھبرایا ہوا سا تھا میرے پاس جھککر اُسنے کہا۔

گلانون کو مینے پاک کر دیا اور شادلیش محمد کو اُس مقام پر جہان تمنے اپنے تینون سپاہیون کو دفن کیا ہے پھانسی پر چڑھا دیا۔

مین نے دریافت کیا۔ اور کذبان ... کذبان کا کیا ہوا۔

احسان۔ پیاری مین نہین جانتا کہ اُس کا کیا حشر ہوا وہ تمام سبز آنکھون والی عورتون کی مانند ایک سربستہ راز ہے بلاشبہ وہ ایک حور تھی جو تاریکی مین سے آئی تھی اور تاریکی ہی مین چلی گئی۔

اس کے بعد احسان نے کہا۔ پیاری ادہر دیکھو تمھارے اعصاب بہت کمزور ہوگئے ہین اور تمھارے بازو کا زخم اب تک اچھا نہین ہوا ہے اس لئے مین تم کو عکی شہر بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہون لیکن شرط یہ ہے کہ تم اپنی عزت کا حلف میرے سامنے اُٹھاؤ۔

مین۔ احسان کس بات پر حلف اُٹھاؤن۔

احسان۔ اس امر کا حلف اُٹھاؤ کہ جو کچھ یہان پیش آیا ہو اُس سے عائشہ کو آگاہ نہ کرنا۔

مین۔ لیکن احسان وہ شخص جو تم جیسے کام کرے اس امر کو بہت پسند کرتا ہو کہ اُس کے کارنامون کو شہرت دیجائے اور لوگون مین بیان کیا جائے اور خصوصًا اس امر کا بہت شائق ہوتا ہے کہ عورتون کو اس قسم کے کارنامون کی خبر دیجائے۔

احسان۔ کیا تم اس امر پر حلف اُٹھانے کے لئے تیار نہین ہو۔

مین۔ کیون نہین احسان مین ضرور حلف اُٹھاؤنگا۔

اس کے بعد مین نے احسان کے سامنے قسم کھائی کہ مین عائشہ کے سامنے کسی بات کا ذکر نہ کرون گا۔ حلف اُٹھانے کے بعد مین نے احسان کی طرف دیکھا ہان اُس احسان کی طرف جو طمانیت و استقامت کے ساتھ موت کا استقبال کرنے کے لئے تیار رہتا تھا اور جو خائن و غدار کو بغیر کسی قسم کی رعایت و چشم

پوچھی کے فوراً قتل کر دیتا تھا اسوقت احسان نے دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ رکھا تھا اور بچوں کی طرح بے اختیار زار زار رو رہا تھا۔

(۹)

داستان کا درمیانی وقفہ

۵ دسمبر ۱۹۲۱ء

آج ڈاکٹر آیا اور دیر تک میرے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا اُس کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا کہ اس ہفتہ کے آخر میں میرا اپریشن (عمل جراحی) کیا جائیگا، آجکل میں ضعف و گرانی اپنے جسم میں محسوس کر رہا ہوں اور میرا خیال ہے کہ جس چیز کو میری ہستی کہا جاتا ہے اُس سے مُراد صرف وہ چند تصاویر ہیں جو میرے دماغ میں مرتسم و منقوش ہیں اور اب اُن کا کوئی ذکر دماغ میں نہیں ہے۔ جب وہ حالات جو میرے دماغ میں ہیں اس یادداشت میں جسکو میں مرتب کر رہا ہوں حوالۂ قلم کیے جاچکیں گے اور یہ یادداشت مکمل ہوجائے گی تو میرا دماغ بھی اُسی وقت خالی ہوجائیگا۔

اب مجھے کچھ زیادہ لکھنا باقی نہیں ہے صرف سقاریہ کے واقعات لکھنے ہیں جو حقیقت میں نہایت اہم واقعات ہیں اور اُن کا ذکر اس داستان کا آخری پردہ ہوگا۔

آج جب میں نے اپنی یادداشتوں کو دوبارہ دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ بہت سے ایسے واقعات ابھی لکھنا باقی ہیں جن کو اُن واقعات کے درمیان داخل کیا جاسکتا ہے جو اب تک لکھے جاچکے ہیں اور جو آئندہ لکھے جائیں گے یعنی جن کو ایامِ شورش کی گذشتہ داستان اور سقاریہ کے آئندہ واقعات کے درمیان دَرج کیا جاسکتا ہے لیکن اب مجھے بجز داستان کے درمیانی حالات کے اور کچھ زیادہ لکھنا نہیں ہے، آخری واقعات کے علاوہ جو حالات مجھے اب لکھنا ہیں وہ چونکہ داستان کے درمیانی وقفہ کے مشابہ ہیں اس لیے میں اس وقفہ میں صرف بعض پُرجوش نغموں کا ذکر کرتا ہوں جنہیں سب سے زیادہ اہم

عائشہ کے وہ خطوط ہیں جو اُسنے اُس زمانہ میں لکھے تھے۔

آج میں اپنی سرگذشت پر غور کرتا ہوں تو وہ مجھے تعدد کے بجائے ایک ڈراما سے زیادہ مشابہ نظر آتی ہے، کیونکہ ہم نے اپنی زندگی کو اس طرح بسر کیا ہے گویا ہم تھیٹر کے اسٹیج پر تھے کبھی ایک جگہ کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی برابر چلتے رہتے تھے اور پھر کبھی ہم باتیں کرتے اور چلا تے تھے اور کبھی ایک جگہ سے اس لئے اُٹھتے تھے کہ کسی دوسری جگہ جا کر ہیں اور پھر اپنی جان کو فرشتہ موت کے حوالہ کر دیں، یہی وہ واقعات ہیں جنکو داستان کے درمیانی وقفہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

وہ شخص جو بازو پر پٹی باندھے عسکی شہر کے اسٹیشن پر ریل گاڑی سے اُترا میں ہی تھا کیا ایسا نہیں ہے؟ تم اُن مضحکہ خیز خیالات کا کیا اندازہ کر سکتے ہو جو اسوقت میرے دل میں پیدا ہو رہے تھے، میں اسٹیشن پر کھڑا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ وہ سبز آنکھوں والی میری خالہ زاد بہن (عائشہ) میری پٹی بندھے بازو کو کس نظر سے دیکھے گی، معًا میرے قلب میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ زخم جو میرے بازو پر آیا ہو کسی معرکہ میں آیا ہوتا؟ گاڑی سے اُتر کر میں نے ارادہ کیا کہ اسٹیشن سے نکلکر سیدھا ہلال احمر کے دفتر میں جاؤں اور دل میں کہا کہ اگر عائشہ وہاں نہ ہوگی تو دفتر ہلال احمر کے آدمیوں کو یہ تو معلوم ہوگا کہ وہ کہاں ہے۔

اسٹیشن سے باہر نکلکر میں نے دیکھا کہ منتظم سپاہ سڑک پر سے گذر رہی ہے اور راستہ بند ہے۔ میں یہ دیکھکر ٹھہر گیا، گرم ہوا جو گرد و غبار اُڑا رہی تھی اُسنے میری نگاہوں سے اُس طویل و متحرک انسانی خط کو جو سڑک پر تھا نیز اُن مکانات کو جو میرے سامنے تھے اوجھل کر دیا میں نے جب غور سے سپاہیوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ پُر جوش نوجوان اور دراز قد بہادر ہیں اور اُن کے آگے آگے باجہ بجتا جا رہا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے جب میں بچہ تھا تو محلہ شیشلی میں یہ معلوم کر کے کہ یہاں سے کسی اجتماع میں شرکت کے لئے فوج گذرنے والی ہے اپنے مکان کے دروازہ پر آ کھڑا ہوتا تھا اور فوج کو دیکھکر میرے دل میں ایک عجیب و غریب جذبہ پیدا ہوتا تھا، آج بھی جب میں نے اسٹیشن سے نکلکر عسکی شہر میں اپنی جدید سپاہ کو دیکھا تو میرے دل میں پھر وہی پرانا جذبہ پیدا ہوا جسکو میں بچپن میں محسوس کرتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ شفاخانہ کے دروازہ پر عائشہ سفید کپڑے پہنے کھڑی ہے اور سر پر سیاہ دوپٹہ اوڑھے ہوئے ہے اور ہمہ تن سپاہ کو دیکھنے میں محو ہے اسوقت اُس کی محویت کا یہ عالم تھا کہ بجز سپاہ کے وہ اور کسی چیز کو نہ دیکھتی تھی، میں قریب گیا اور کہا عائشہ میں آگیا ہوں۔

عائشہ نے میری طرف دیکھا اور کہا۔

اہا پیامی تم ہو دیکھو سقرا کی آزاد کرانے کے لیے مجاہدون کی تعداد کسقدر بڑھ گئی ہے اور اب ہمارے پاس کافی لشکر فراہم ہو گیا ہے۔ ہائین یہ تمہارے بازو کو کیا ہوا؟ تم کہان زخمی ہوئے۔

یہ کہکر عائشہ نے اضطراب انگیز نگاہون سے میری طرف دیکھا اور اظہار تعجب کیا، میرا ارادہ ہوا کہ اپنی ساری حیرت انگیز داستان سنا دون لیکن مین بدستور سابق خاموش رہا اور جواب مین صرف یہ کہا۔

ایک چھچلتی ہوئی گولی میرے بازو مین لگی ہے اور صرف گوشت اُڑ گیا ہے اور چونکہ زخم کی زیادہ پروا نہ کی اس لیے وہ بڑھ گیا، یہان مین علاج کرانے کی غرض سے آیا ہون اور شفا پانے کے بعد مین انگورہ کے مدرسہ مین چلا جاؤنگا۔ ہان جمال کہان ہے۔

عائشہ۔ جمال یہین ہے شام کا کھانا ہم طاؤیہ کے ہوٹل مین کھائین گے تاکہ سب وہان اکٹھا ہو جائین تم بھی ہمارے ساتھ ہوگے اچھا اب آؤ اندر چلین، ہان اور احسان کیا کر رہا ہے؟

مین۔ احسان باغیون اور سرکشون کی بغاوت فرو کرنے مین مشغول ہے۔

عائشہ۔ آہ، وہ غریب الوطن نوجوان احسان! کیا تم کو اُس چھوٹی سی کذبان کی بھی کوئی خبر ملی خدا جانے اس غریب لڑکی پر کیا گذری۔

عائشہ کے آخری سوال نے مجھے مشکل مین ڈال دیا کیونکہ مین اصل واقعہ بیان کرنے کی قدرت نہ رکھتا تھا اور نہ جھوٹ بولنے کی جسارت کر سکتا تھا، مین ایک ایسے شخص کی طرح خاموش ہو گیا جو کسی بُری خبر کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے، میری خاموشی نے عائشہ کے مطمئن و ساکن چہرے پر اضطراب کے آثار پیدا کر دیے اور اُس کی یہ حالت دیکھکر مین نے اپنے دل مین کہا، عائشہ اُن اُمور سے کیون اسقدر پریشان و بدحواس ہو جاتی ہے جنکا تعلق احسان کے قلب سے ہے۔

شام کو ہم ایک میز کے گرد جمع ہوئے جو ہوٹل طاؤیہ کے ایک گوشہ مین ہمارے لئے خاص طور پر لگائی گئی تھی، جمال نے مخلص دوستون کی طرح حسب عادت میرا استقبال کیا اور ہاتھ ملاتے وقت میرے ہاتھ کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ قریب تھا میرا بازو اکھڑ جائے پھر اُسنے میرے رخسارون پر دوست صادق اور حقیقی بھائی کی طرح بوسے دیے لیکن جب ہم کھانے پر آہستہ آہستہ باتین کر رہے تھے تو مین نے جمال کی آنکھون مین غم و الم کا ایک پردہ دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ رنج و غم کے بوجھ مین دبا ہوا ہے بعد مین مجھے معلوم ہوا کہ جس

زمانہ میں یونانی سمرنا کے اطراف میں قبضہ کرچکے تھے۔ اُس وقت اناطولیہ کی شورش میں ایک خیانت ظاہر ہوئی جو دو دیہات
کے باشندوں نے برضا و رغبت اپنے گانوؤں اور آبادیوں کو یونانیوں کے حوالہ کردیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمال
اور اُس کے شرکائے کار سب کے سب یونانیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئے یونانیوں نے سب کو قیدخانہ میں ڈالدیا اور
پھر ایک ایک کو نکال کر گولی ماردی لیکن جمال کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور وہ قیدخانہ کے محافظوں کو ایک
بڑی رقم رشوت میں دیکر بھاگ نکلا اور غیر معمولی چالاکی و مہارت سے یہاں پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں مدافعت وطن
کا کام بے قاعدہ جماعتوں کے ہاتھوں سے تدریجاً باقاعدہ منظم سپاہ کے ہاتھوں میں آجا رہا تھا جو حال میں تیار
کی گئی تھی میں پہلے اس جانب اشارہ کرچکا ہوں کہ باقاعدہ سپاہ کے افسر اور خود سپاہ شورش کی بے قاعدہ جماعتوں
سے سخت نفرت رکھتے تھے یہاں تک کہ وہ اُن کو یونانیوں کی طرح اپنا بدترین دشمن خیال کرتے تھے اور اُن پر
دستبرد، لوٹ، تمرد سرکشی اور فساد کا الزام بھی لگاتے تھے جب منظم و باقاعدہ سپاہ نے کافی طاقت حاصل کرلی اور
وہ قومی دفاع کے کام میں اس قدر مضبوط و طاقتور ہوگئی کہ اُس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی تھی تو مدافعت وطن
کا کام ایک دَور سے دوسرے دَور میں داخل ہوگیا اور باقاعدہ سپاہ نے شورش کی بے قاعدہ جماعتوں اور اُن کے
رہنماؤں کے استیصال پر کمر باندھ لی اور اُن سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

ایام شورش اور باقاعدہ سپاہ کی جدوجہد کے درمیانی وقفہ میں جمال اور اُس کے ساتھیوں نے اپنی پوری
قوت اور کامل یقین کے ساتھ وطن کی مدافعت کی خدمت انجام دی اور دَور جدید کو وجود میں لانے اور اُسکو
قابل طمانیت بنانے میں اُسنے کافی قربانیاں دیں لیکن بایں ہمہ وہ اور اُس کے شرکائے کار اس خوف میں مبتلا
تھے کہ کہیں اُن کو خدمت وطن سے علیحدہ نہ کردیا جائے یا اُن کو آزادی کی اُس سپاہ میں جو یونانی لشکر سے
لڑنے کے لئے تیار ہو رہی تھی داخل ہونے سے منع نہ کردیا جائے اور پھر وہ فوجی خدمت سے محروم ہوجائیں۔

عائشہ اس زمانہ میں بھی بدستور سابق شورش کے اُن افسروں کی مانند جو آجکل کسی قدر پریشان اور شکستہ
دل تھے بینوائی دَور کی نمایندگی کر رہی تھی اُس کے خیال میں شورش کی بے قاعدہ جماعتیں اور باقاعدہ سپاہ
دونوں ایک چیز تھیں اور وہ کہا کرتی تھی کہ سپاہ شورش پسندوں سے پیدا ہوئی اور شورش کو سپاہ نے پیدا کیا گویا
دونوں عنصر اُس کے خیال میں لازم و ملزوم اور ایک دوسرے میں اس طرح داخل تھے کہ اُن کو ایک دوسرے
سے جدا کرنا یا علیحدہ علیحدہ سمجھنا ناممکن تھا۔ دونوں عنصروں کا موجودہ اختلاف اُس کی نسبت عائشہ کی رائے
یہ تھی کہ یہ اختلاف وقتی اور دو بھائیوں کا سا اختلاف ہے اور جب فوجی بگل کی آواز فضا میں پھیلیگی تو سب کے سب

اپنے اپنے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اپنے فرائض کو ادا کرنے کے لیے بلا اختلاف و وقت نکل پڑینگے۔

عائشہ نے اپنے بھائی جمال کو مخاطب کرکے کہا۔

جمال تم قائد اعظم (افسر اعلیٰ) کے پاس جاؤ وہ کل ہمارے ہاں آیا تھا اور شفاخانہ کا معائنہ کیا تھا میں نے اُس کے چہرہ پہ پریشانی اور طمانیت کے آثار دیکھے وہ تم لوگوں کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے تم اُس سے جا کر ملو اور اپنی حالت صاف صاف بیان کرو، جمال ہاں تم افسر اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرو کہ تم سب اپنے وطن کی پہاڑیوں پہ پہلو رہ کر مدافعت کرو گے۔

عائشہ کے الفاظ نے ہم سب کو خوش کر دیا ہم ہوٹل آ گئے اور مٹھائی اور خوراکیات کی میز پر بیٹھے تھے کہ ہمنے ایک فوجی افسر کے بوٹوں کی آواز سنی جو ہماری جانب آ رہا تھا دروازہ کھلا اور حشمت بک جس کے ہاتھ میں چابک تھا اندر داخل ہوا اُس کا فوجی لباس اُسی طرح تھا جس طرح میں نے قبل ازیں دیکھا تھا البتہ اُسکی کنپٹیوں کے بال پک گئے تھے اور چہرہ کا رنگ تانبے کی طرح ہو گیا تھا۔

کمرہ میں داخل ہو کر حشمت بک نے عائشہ کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور جمال کو خوش کرنے کے لئے اُس کے شانہ پر ہاتھ رکھا پھر ہمارے ساتھ مٹھائی اور قہوہ میں شریک ہو گیا حشمت بک بہت زندہ دل شخص تھا میرے بازو کے زخم کو دیکھ کر اُسنے ہنسی مذاق کی کچھ باتیں کیں وہ اسوقت بہت خوش تھا اور مجھے اُس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ جمال اور عائشہ دونوں بہن بھائیوں کا مخلص دوست تھا جب اُس کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ جمال قائد اعظم کے پاس جا کر اپنی خدمات سپاہ میں پیش کرنا چاہتا ہے تو اُسنے کہا کہ وہ بھی اس امر میں کوشش کریگا، اس کے بعد ہم سب ہوٹل سے نکلے۔ عائشہ کو ہم نے شفاخانہ میں پہونچا دیا اور پھر ہم اُس طویل سڑک سے جس سے میں مانوس ہو گیا تھا روانہ ہوئے دونوں پہلوؤں میں دونوں سپاہی (جمال اور حشمت بک) تھے اور میں اُنکے درمیان چل رہا تھا۔

اس کے بعد میری زندگی تھیٹر کے اسٹیج کے اُس وقفہ سے مشابہ بسر ہوئی جو موسیقی کی خاموشی اور کھیل کے درمیان ہوتا ہے کیونکہ میں دفتر میں کام کرنے لگا تھا اور کبھی ایک صیغہ میں کام کرتا تھا اور کبھی دوسرے محکمہ میں منتقل ہو جاتا تھا پھر میں انگورہ کی وزارت جنگ میں ایک منصب پر مامور ہوا اور اس طرح زندگی بسر کرنے لگا کہ کبھی ایک میز پہ کام کرتا تھا اور کبھی دوسری میز پہ چلا جاتا تھا پھر کبھی ایک جگہ سے دوسری جگہ کو تبدیل کر دیا جاتا تھا میرا کام صرف یہ تھا کہ میں سرکاری کاغذات کو الٹ پلٹ کرتا رہوں۔

عائشہ مجھے بہت کم خط لکھتی تھی لیکن دوسرے ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ آبان کو قائد آلائی (افسر رجمنٹ) کا منصب مل گیا ہے اور حشمت کو بھی قائد فرقہ (افسر دستہ) کے عہدہ پر مامور کیا گیا ہے عائشہ ابھی تک عسکی شہر ہی میں تھی اور لوگ اسکو وہاں بہن عائشہ یا بہن عائشہ کہا کرتے تھے پھر معلوم ہوا کہ احسان کو بھی قائد آلائی (افسر رجمنٹ) کا منصب تفویض ہوا ہے۔

ان ایام میں میرے اور میری حقیقی زندگی کے درمیان ایک کثیف حجاب حائل ہو گیا تھا میں پردہ کے ادہر تھا اور وہ اشخاص (رجال۔ عائشہ اور احسان) پردہ کے اُدہر تھے خدا معلوم پردہ کے اُدہر وہ سحر آگیں کیا کر رہی تھیں جو زندگی کا مرکز وحید اور روح کے قیام کا واحد حامل تھیں، گرمیاں گذر گئیں اور موسم سرما آگیا لیکن میں اسی طرح ان سے جدا ہوں جس طرح پہلے تھا۔

ان ایام میں "این ادنی" کا پہلا معرکہ وقوع میں آیا اور وزارت جنگ نے ایک خاص مہم پر مجھے اینابولی روانہ کیا عرصہ تک میں اینابولی کے ساحل پر خبریں حاصل کرنے کے کام پر مامور رہا لیکن ایک ایسے کام کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جسکا دارومدار محض اخبارات کو الٹ پلٹ کرنے اور کاغذوں کو سیاہ کرنے پر ہو جب میں اینابولی کے سواحل سے واپس ہو کر انگورہ پہونچا ہوں تو مجھ پر اناطولیہ کے محاسن اور عجائبات کا کوئی اثر نہ تھا اس لئے کہ میرا قلب ان لوگوں کی یاد میں محو و مشغول تھا جو میرے سامنے والے پردہ کے اُدہر تھے۔

"این ادنی" کے دوسرے معرکہ کے زمانہ میں میں اپنے سفر سے واپس آگیا تھا واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ احسان اور جمال انگورہ آئے تھے اور واپس چلے گئے اس زمانہ میں عائشہ نے جو خطوط مجھے لکھے وہ خشک اور پھیکے یا بیجان جسم کے مانند تھے کیا آجکل عائشہ بھی میرے مانند خالی الذہن تھی این ادنی کے دوسرے معرکہ کے زمانہ میں عائشہ نے مجھے دو خط تھیٹر کی اس تجربہ گاہ سے لکھے جسپر آزادی کا ڈراما کھیلنے کی لوگ مشق کر رہے تھے یہ دونوں خط ان شگافوں سے بہت مشابہ تھے جو تھیٹر کے پردوں میں اس لئے رکھے جاتے ہیں کہ ایکٹر ان سے تماشائیوں کو دیکھ سکیں انھیں شگافوں سے آج میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ ان واقعات کو دیکھوں جو پردہ کے اُدہر وقوع میں آ رہے ہیں۔

عائشہ کے خطوط

(۱) از عسکی شہر "این ادنی" کا دوسرا معرکہ شروع ہوا اور ختم ہو گیا اور اس قلیل مدت میں مجھے تمہارا

کوئی خبر نہ ملی مجھ سے کسی نے بیان کیا تھا کہ تم سفر میں ہو میری حالت یہ ہے کہ ابن آدمی کے پہلے معرکہ کے بعد میں روحانی اور جسمانی تکان اپنے جسم میں محسوس کر رہی تھی لیکن دوسرے معرکہ کے بعد یہ تکان رفع ہو گیا اور ساری تکلیفیں جاتی رہیں۔

ابن آدمی کے پہلے معرکہ کے وقوع میں آنے سے قبل تم ہمارے درمیان تھے یہ معرکہ باقاعدہ فوج کا پہلا معرکہ تھا جس میں منظم سپاہ نے سمرنا کی آزادی کے لئے کامیابی کے ساتھ جنگ کی اس معرکہ کے دوران میں میں نے محسوس کیا کہ ہماری سپاہ بچھڑے ہوئے بہادروں کی اولاد ہے جو دشمنوں میں گھر جانے سے محفوظ رہ کر میدان میں آئی ہے اور پہلی مرتبہ جنگ میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کی ہے۔

ہمارا شفاخانہ اس معرکہ میں مکمل اور عمل جراحی کے قابل نہ تھا لیکن دوسرے معرکہ میں ہم نے اپنے شفاخانہ کی کمزوریوں کو دور کر کے مکمل کر لیا اور عمل جراحی کا تمام سامان بہم پہونچا لیا اور اس معرکہ میں ہم نے کافی خدمات انجام دیں زخمی کثرت سے ہمارے شفاخانہ میں آتے تھے اور اگرچہ ان کے زخم خطرناک ہوتے تھے لیکن ہم پوری محنت سے ان کا علاج کرتے تھے۔

"ابن آدمی" کے دوسرے معرکہ میں بہت سے سپاہیوں سے ہماری شناسائی ہو گئی اور آئندہ جب ہم یونانیوں سے کسی مقام پر لڑیں گے تو میں کوشش کروں گی کہ سپاہ کے ساتھ سفری شفاخانہ میں۔ میں بھی جاؤں واقعہ یہ ہے کہ باقاعدہ سپاہ ایک اطاعت شعار طاقت ہوتی ہے نہ تو سرکشی اس میں ہوتی ہے نہ چیخ و پکار اور نہ بیجا تفاخر و غرور اسی طرح باقاعدہ سپاہ کے اندر مسکرات اور بارود کی دماغ کو پراگندہ کر دینے والی وہ بو ہوتی ہے جو بے قاعدہ جماعتوں میں پائی جاتی تھی اور نہ وہ فحش و بدگوئی .... آہ اسوقت مجھے مسکین احمد تقی یاد آ گیا۔

میں اپنے وقت کا زیادہ حصہ عملی جراحی کے کمرہ میں گذارتی ہوں یا میں ہمہ تن متعلقین شفاخانہ نے زخمی سپاہیوں کا ایک کمرہ بھی میری نگرانی میں دے رکھا ہے جب سے محکمہ حفظان صحت نے نئی چارپائیاں تیار کرائی ہیں میرا دل بے اختیار دھڑک رہا ہے اور میں اپنے دل میں کہہ رہی ہوں یا اللہ دیکھئے اب کون کون لوگ شفاخانہ میں زخمی ہو کر علاج کے لئے آتے ہیں، ہمارا شفاخانہ اسوقت دلہن کا سا گھر بنا ہوا ہے ڈاکٹر لوگ بھی میری طرح پریشان ہیں اور تیاریاں برابر جاری ہیں۔

جسوقت مجردین کا پہلا قافلہ عسکی شہر پہنچا ہے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش تم عسکی شہر میں

ہوتے، جسکی شہر کا اسٹیشن کثرت ازدحام سے میدان محشر معلوم ہوتا تھا جب ہمنے اُن لوگوں کو دیکھا جو پالکیوں اور ڈولیوں پر ڈالکر لائے جا رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ کسی دوسرے عالم (ملاء اعلیٰ) کی مخلوق ہیں اور یہاں یہ کہ عوام زخمیوں کو محبت و ہمدردی کی نظر سے دیکھ رہے تھے لیکن زخمیوں کو اس کی پروا بھی نہ تھی وہ اُن بچوں کی مانند تھے جن کو اپنی کوئی پروا نہیں ہوتی سب سے پہلے ہمارے پاس میدان جنگ کی پچھلی لائنوں کے زخمی پہنچے ہم اُن کو اُن کی پالکیوں میں سے چائے کے کمرے میں لے گئے لیکن اُن میں سے کسی ایک کو بھی چائے پینے کی خواہش نہ تھی اُنھوں نے چائے کی پیالیوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اُن کو کہاں رکھیں۔

ان زخمیوں میں ایک شخص تھا جسکا بڑا سر اور گندم گون رنگ تھا اور جو اپنی پٹی بندھی ران میں درد سے کراہتا تھا اسنے ایک تیماردار کو بلاکر کہا کہ وہ اسکو ٹانگ سیدھی کرنے اور پھیلانے میں مدد دے، تیماردار ایک فوجی سپاہی اور نہایت رحمدل تھا، جنگ اور زخموں نے اُس کے قلب میں ہمدردی، شفقت اور عنایت کے جذبات پیدا کر دئے تھے جیساکہ عام طور پر تر کی سپاہیوں کی شان ہے اُسنے فوراً عورت کی طرح اپنے آغوش کو کھولا اور مجروح سپاہی کو گود میں لے لیا اور پاؤں پھیلانے میں اُسکو مدد دی پھر اُسنے پوچھا

بھائی تم کہاں مجروح ہوئے۔

زخمی۔ خچر نے لات ماری اور میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔

شفاخانہ میں ایک شاویش (سارجنٹ) ہے گندم گون رنگ اس کے پاؤں اور پیٹ میں زخم آیا ہے اسکا سر شیر کا سا ہے اور وہ اُس کمرہ میں آرام کر رہا ہے جو عمل جراحی کے کمرہ سے ملحق ہو۔ میں جب کمرہ میں داخل ہوتی یا باہر جاتی تھی اُسپر میری نظر ضرور پڑتی تھی اور وہ ہر دفعہ مجھ سے پانی مانگتا تھا، اُس کی زبان سے اکثر یہ الفاظ نکلتے تھے "آہ کاش موت مجھے نہ آئے" یہ الفاظ سنکر میں اپنے دلمیں کہتی کوئی خاص بات ہے کہ یہ مجروح زندگی کو محبوب رکھتا ہو جب میں اُس کے پاس پانی لیکر جاتی اور پانی پلانے کے لئے اُس کا سر اُٹھاتی تو بے اختیار اُس کی زبان سے "میری خدیجہ ..... میری پیاری خدیجہ ....." کے الفاظ نکل جاتے جس رات کو مجروحین شفاخانہ میں داخل ہوئے ہیں رات بھر وہ اپنی اپنی فکروں میں محو، اور خیالات میں منہمک رہے لیکن دوسرے روز تک سب خوش اور مسرور تھے۔

دوسرے دن مجروحوں کی وہ جماعت آپہنچی جسکا تعلق میدان جنگ کی اگلی صفوں سے تھا اسکے زخم

گہرے اور خطرناک تھے ان زخمیوں کی پالکیوں اور ڈولیوں سے شفاخانہ کا سارا صحن دروازہ سے دالان اور عمل جراحی کے کمرون تک بھرا ہوا تھا اور راہ آمد و رفت بند ہو گئی تھی یہان تک کہ شفاخانہ کا پارک تک ان زخمیون سے بھر گیا تھا ان مین بہت سے ایسے تھے جو اپنی اپنی پالکیون سے اٹھ اٹھ کر لنگڑاتے اور مجروح عضو یا شکستہ بازو کو ہاتھ سے تھامے عمل جراحی یا مرہم پٹی کے کمرون تک چلے آتے تھے اور نہایت ضابطے افسرون مین سے جو لگ آئے تھے انھون نے کسی قسم کی شکایت ظاہر نہین کی اور نہایت طمانیت سے زخمون کی مرہم پٹی کرائی انکے چہرے جو شجاعت و وقار کا نمونہ تھے خون۔ کیچڑ اور بارود سے لتھڑے ہوئے تھے اور یہ سب کے سب سگرٹ پی رہے تھے۔

زخمی سپاہیون مین دو فریق ہین ایک فریق بچون کی مانند ضدی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ شفاخانہ کے تمام ملازم و کارکن صرف اُسی کی خدمت کرین ان مین سے جب کسی کے دوست یا افسر کے شہید ہونے کی خبر آتی ہے تو وہ چلا چلا کر روتے ہین۔ دوسرے فریق کے لوگ پہاڑی چٹانون کی مانند مستقل مزاج و صابر ہین انکے قلوب فراخ و کشادہ اور چہرے تصویر کی پلیٹ کے مانند صاف و چمکدار ہین جن پر اُن کی شجاعت و بسالت کی تصاویر نمایان ہین ان کے سرون پر چاند اور تارے کی خون مین لتھڑی ہوئی ٹوپیان ہین اور باوجود زخمی ہونے کے ان کے چہرون پر تغیر و تاثر کا کوئی نشان نہین یہان تک کہ اُن کی نگاہین تک ثابت اور پرسکون ہین۔

شام تک ہم مرہم پٹی کے کامون مین مشغول رہتے تھے اور آفتاب غروب ہونے پر اپنے کام کو ختم کر دیتے تھے کام ختم کرکے مین بڑے کمرے مین چلی جاتی تھی اور سپاہیون سے صداقت و دوستی کے روابط قائم کرنے کی کوشش کرتی تھی سپاہیون مین اکثر سارجنٹ کے عہدہ کے لوگ ہوتے تھے ہماری سپاہ مین سارجنٹ کا عنصر ایک زبردست اور قوی عنصر ہے اور ان مین سے ایک بھی ایسا نہین جو کبھی تکلیف یا شکایت کا لفظ اپنی زبان سے نکالتا ہو یہ طبقہ نفاست پسند اور اعلیٰ تربیت یافتہ ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کا مغرور بھی ہے اور کسی معمولی سپاہی یا تیماردار سے بات تک کرنا پسند نہین کرتا جب ان مین سے کسی کے قریب کوئی سپاہی زخمون کی تکلیف سے کراہتا تھا تو وہ ترشروئی اور درشت مزاجی کے انداز سے اُسکو مخاطب کرکے کہتا تھا۔

لڑکے خاموش رہو اس طرح کی فضول باتین سپاہی کے شایان نہین ہین۔

جب مین ان لوگون کے کمرے مین داخل ہوتی تو وہ اپنے اپنے بسترون پر سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے اور مؤدبانہ انداز مین مجھسے دریافت کرتے۔ "بہن تیدہ کہو جنگ کی کیا خبرین ہین"

شفاخانہ کے سامنے سے جب سپاہیوں کا کوئی دستہ گذرتا تو ان زخمیوں میں سے جو لوگ چلنے پھرنے کے قابل ہوتے وہ کھڑکیوں اور دروازوں پر جا کھڑے ہوتے اور سپاہیوں کو جاتے دیکھکر دل کو خوش کرتے آج صبح میں نے ایک دستہ فوج کے سامنے دو سپاہیوں کو دیکھا جنکو دیکھکر بے اختیار میرے دل میں ان کی جگہ پیدا ہوگئی یہ امر قابل تشریح نہیں ہے کہ افسران سپاہ فوج کی صفوں میں سب سے آگے ان لوگوں کو رکھتے ہیں جو دراز قد۔ خوبصورت اور مضبوط جسم کے ہوتے ہیں ان دونوں سپاہیوں میں سے ایک مقدونیہ کا رہنے والا تھا سرخ رنگ اور دراز قد یہ دستہ سپاہ جب کوئی رجز یا گیت گاتا تو سب سے پہلے یہی شخص رجز یا گیت کو شروع کرتا اور بقیہ سپاہی اسکا ساتھ دیتے تھے چنانچہ دستہ مذکور نے ہمارے شفاخانہ کے سامنے سے گذرتے ہوئے یہ رجز شروع کیا۔

آؤ۔ اور ہمارے ساتھ آگے بڑھو۔ تاکہ ہم سب ملکر مقدونیہ پر حملہ کریں۔

کس کو معلوم ہے کہ اس سپاہی کے قلب کا کونسا ٹکڑا مقدونیہ میں مدفون ہے کہ وہ مقدونیہ پر حملہ کرنے کی آرزو رکھتا ہے اور لوگوں کو حملہ کرنے کے لئے بلاتا ہے۔

دوسرا سپاہی جو دستہ کے آگے آگے تھا ایک اناطولی جوان تھا اسکا چہرہ اس قدر صاف و چمکدار تھا جیسی کہ تصویر کی پلیٹ ہوتی ہے اور قد اتنا دراز کہ اس کی خاکی رنگ چاند اور تارہ والی ٹوپی دستہ کے تمام سپاہیوں سے بقدر ایک بالشت زیادہ اونچی تھی اُس کی آنکھوں کا حلقہ اُس کی ٹوپی کے چاند سے بڑا اور آنکھیں چاند سے زیادہ چمکدار تھیں جنکا رنگ زردی مائل تھا یہ جوان اتنا خوبصورت اور اس کی آنکھیں اتنی دلکش تھیں کہ انسان کے تصور میں نہیں آسکتیں البتہ فسانوں یا ڈراموں میں ایسے حسن و جمال اور آنکھوں کا ذکر پایا جاتا ہے اُس کے قوی مضبوط اور موٹے بازو سرخ جھنڈے کو اٹھائے ہوئے تھے اور وہ محو و بیخود یہ رجز پڑھتا چلا جاتا تھا۔

"اے عزت و عظمت کے جھنڈے تو ہمیشہ قائم رہیگا + ہم تجھکو بلند کئے ہوئے دشمن کو ہزیمت دینگے اور تجھ پر اپنی جانیں فدا کردینگے" شفاخانہ کے مجروحوں نے اس رجز کو سنا اور بے اختیار وہ بھی اسکو گانے لگے اور اسی قسم کے اور رجز بھی اُن کی زبان سے سُنے گئے میں اسوقت محسوس کر رہی تھی کہ میرا دل اس قومی جھنڈے کی محبت و عظمت سے بھرا ہوا ہے اور یہ جھنڈا چاروں طرف سے مجھے گھیرے ہوئے ہے اور میرے قلب میں اسکی محبت خلش پیدا کر رہی ہے پھر بے اختیار میری آنکھوں سے گرم گرم آنسو جاری ہوگئے جو بالکل بچوں کے آنسوؤں

سے متاثر تھے۔

جہاں میں کھڑی ہوئی اس منظر کو دیکھ رہی تھی وہین ایک شاد لیش بھی کھڑا تھا جو میرے بہت قریب تھا اس شاد لیش نے نہ تو جشن مین شرکت کی اور نہ اُس کی زبان سے کوئی حرف نکلا وہ خاموش کھڑا تھا اور اِس منظر کو کوئی تاثر قبول کئے بغیر دیکھ رہا تھا آخر جب مین اسکا سبب دریافت کرنے کے لئے اُس کی طرف متوجہ ہوئی تو مین نے اُسکو بیٹھا ہوا اور زار زار روتا ہوا پایا مین نے پوچھا۔

شاد لیش حسین کیون۔ کیا بات ہے تم روتے کیون ہو۔

شاد لیش حسین نے جواب مین بتلایا کہ جھنڈے کے رنگ نے مجھے بریگیڈ کے ایک نوجوان کو یاد دلایا جو ہمارے دستہ کا علمبردار تھا اُس کا قد صنوبر کی مانند تھا جب ہم مترلیس پہاڑی کی چوٹیوں کے قریب لڑ رہے تھے تو وہ جھنڈا لئے میرے پاس کھڑا تھا کہ اچانک وہ اس طرح گرا جس طرح زمین پر درخت گرتا ہے اور شہید ہو گیا پیاری تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ احسان مجروح ہے اور آجکل ہمارے شفاخانہ مین ہے اور مین اس کی تیمار داری کر رہی ہون میڈم طادیہ بھی احسان کی خبرگیران رہتی ہے اب اُس کی حالت اچھی ہے۔ جمال کا ایک خط مجھے ملا ہے حشمت بک کا زخم اچھا ہو گیا ہے اور آستانہ مین جو لوگ ہمارے ساتھی تھے اُن مین سے اسوقت صرف سیفی ہمارے درمیان نہین ہے اُس کی نوجوان دلہن کے خط میرے پاس آتے رہتے ہین جنمین وہ سیفی کا حال دریافت کرتی ہے۔ مین اُسکو کیا جواب دون میری سمجھ مین نہین آتا۔ تم برابر خط لکھتے رہو۔

عائشہ

عائشہ کے خط کو پڑھ کر مین حیرت مین رہ گیا کیونکہ اُسمین احسان کا ذکر نہایت مختصر الفاظ مین کیا گیا تھا اور اپنے دل مین مین نے کہا "کیا احسان اس درجہ عائشہ کی نظرون مین خفیف ہو گیا ہے کہ وہ اُس کا پورا حال بھی نہین لکھتی" دوسری بات اس خط مین یہ عجیب تھی کہ عائشہ نے اسمین حشمت بک کا بھی جو زخمی ہوا تھا کوئی ذکر نہین کیا تھا حالانکہ اُسکا خط سپاہیون اور سپاہ کے سارجنٹون کے ذکر سے بھرا ہوا تھا۔ کیا عائشہ ان دونون فوجی افسرون کو سپاہیون سے بھی کم وقعت خیال کرتی تھی۔

(۳)

اس کے بعد عائشہ کا دوسرا خط مجھے ملا جو اُسنے کوتاہیہ کی جنگ کے زمانہ مین جنگی محاذ سے لکھا تھا اس خط کو پڑھ کر میری حیرت مین مزید اضافہ ہو گیا اور مجھکو یہ رائے قائم کر لینی پڑی کہ عائشہ کے قلب و دماغ

میں اب بجز سنترے کے کسی اور چیز کی اشتہا نہیں رکھتی ہوں۔ عائشہ نے اپنے دوسرے مختصر خط میں لکھا تھا۔

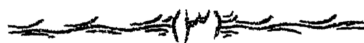
میں انگورہ گئی تھی اور وہاں زخمی خواتین کی عیادت کر کے واپس چلی آئی۔ ان ایام میں جمال انگورہ میں مقیم تھا۔ انگورہ میں مجھے بتلایا گیا کہ تم کہیں باہر گئے ہوئے ہو واپس آکر میں احسان سے ملی جسنے مجھ سے بیان کیا کہ انگورہ کی آب و ہوا اس کے لیے بہت مفید ہے انگورہ میں اس کے کچھ عزیز و اقارب بھی ہیں جو مسرور و راحت کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتے ہیں اور وہ ان میں رہ کر بہت خوش رہتا ہے اس کی صحت عود کر آئی ہے انگورہ میں احسان کے جو اعزہ ہیں ان کو اس نے بہت کبھی ذکر نہیں کیا۔ بہر حال وہ انگورہ سے سیدھا اپنی سپاہ میں چلا گیا تھا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگورہ کے قیام میں مجھے بخار ہو گیا تھا اور میں اپنے جسم اور دماغ میں حرارت اور شعور پاتی تھی لیکن جب تک حشمت کو لے کر واپس شفاخانہ ہو گئی میں نے اپنی علالت کا کسی سے ذکر نہیں کیا جب ہم نے حشمت بک کو گاڑی میں سوار کرا دیا اور وہ چلا گیا تو میں کئی روز تک بستر پر پڑی رہی جمال ان ایام میں سواروں کی رجمنٹ میں جنوبی علاقہ میں تھا اور میری حالت یہ رہتی تھی کہ دو روز اچھی اور دو روز بیمار علالت کے زمانہ میں میڈم طاؤس میری تیمارداری کرتی تھی۔

خط اس میں۔ میں کچھ ایسے آثار محسوس کر رہی ہوں جن سے بڑے بڑے معرکوں کے وجود میں آنے کا یقین ہوتا ہے اگر اس محاذ پر جنگ چھڑ گئی تو میں فوراً اپنی خدمت کو انجام دینے کے لیے اسی طرح تیزی سے روانہ ہو جاؤں گی جس طرح حملہ کا بگل سنکر افسر فوج کا گھوڑا آگے بڑھنے کے لیے بیچین ہو جاتا ہے۔

سپاہ جب شفاخانہ کے سامنے سے گذرتی ہے تو میڈم طاؤس کھڑکی سے اسکو ضرور دیکھتی ہے سپاہ کو دیکھکر بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور وہ ان کو کپڑے سے پاک کرتی ہوئی کہتی ہے آہ! کتنی ماؤں کے آنسو اب تک جاری ہونگے . . . آہ یہ جوان سب کے سب کس قدر خوبصورت ہیں۔ ان کا یہ حسن و جمال کس کے لئے ہے اور یہ اسقدر خوبصورت کیوں ہیں"

عائشہ



آخری خط جو عائشہ کی طرف سے مجھے بلا دہ یہ بولادن سے آیا تھا اسمیں لکھا تھا کوتاہیہ کی جنگ میں ہم کو بہت سے مصائب و متاعب سے سامنا کرنا پڑا لیکن تم مایوس نہ ہونا میں مایوس نہیں ہوں۔

سابق حالات تم کو لکھنے کے بعد جنگ شروع ہوئی ہے۔ آغاز جنگ کے وقت میں بیماری میں مدہوش اپنے بستر پر پڑی تھی ہوا تیز تھی اور کچھ کمرہ میں اضطراب انگیز ہیجان پیدا تھا اس لئے یہ ہوا اچھے اور گراں گذر رہی تھی ان ایام میں کوئی حالت اور مجبوری دماغ کی بے قراری نے میرے قلب کو پاش پاش کر دیا تھا بخار کی شدت کا یہ عالم تھا کہ میرے دل و دماغ ماؤف ہو گئے تھے اور میں بستر پر پڑی ہوئی یہ سمجھ رہی تھی کہ میں اپنے مریضوں کی تیمارداری کر رہی ہوں۔ کبھی یہ تصور بھی بندھتا تھا کہ میں شفاخانہ کے زینہ پر چڑھ رہی ہوں اور اتر رہی ہوں اور یہ کہ مل بانی کے مریضوں ڈاکٹروں کے پاس کھڑی ہوں، ڈاکٹر کسی کا بازو کاٹ رہے ہیں کسی کی ران سیا کی جا رہی ہے کسی کے سر میں اور سینہ کو چاک کیا جا رہا ہے اور گولیوں کے ریزے نکالے جا رہے ہیں پھر اسی تصور میں ان احکام کو بھی سنتی تھی جو ذیل کے الفاظ میں ہوتے تھے۔

"بہن عائشہ روئی لاؤ، بہن فاطمہ کلورا فارم (بیہوش کرنے کی دوا) لاؤ، بہن عائشہ مجروح کے سر کو ذرا اچھا رکھو" میں اسی عالم مدہوشی میں یہ بھی خیال کرتی تھی کہ ہماری ساری سپاہ مجروح ہو گئی ہے اور ہمارے شفاخانہ میں علاج کے لئے داخل ہوئی ہے اور سارے مجروح میرے ہاتھوں میں رہ چکے ہیں کبھی کبھی دل و دماغ میں یہ بھی تصور بندھتا تھا کہ بہت سے نوجوان فوجی افسروں کے سینے ننگے اور اس خون سے جو ان کے زخموں سے بہ رہا ہے لتھڑے ہوئے ہیں اور ان کے چہروں پر تکالیف اور آلام کی شدت سے جھریاں پڑ گئی ہیں اور ہم ان کے قوی اجسام میں سے ان کے اعضا کی قطع و برید میں مشغول ہیں، بہت سے وہ سپاہی جو مضبوط و توانا اور بلوط کے درختوں کی مانند قوی و دراز تھے اور جن پر مصائب و حوادث کی آندھیاں کوئی اثر نہ ڈالتی تھیں جب ان کا اپریشن ہوتا تھا تو بے اختیار ان کی زبان سے آہ نکل جاتی تھی اور میں انکو کراہتا ہوا پاتی تھی

پیاری تم کو یاد ہوگا کہ جب تم آستانہ میں کسی اناطولی خادم پر یا کسی اناطولیہ کے سپاہی پر خفا ہوتے تھے تو ان کو برا بھلا کہتے ہوئے تم "بلوط کی لکڑی" کہا کرتے تھے اب اناطولیہ کے سپاہیوں کی تیمارداری کے ایام میں اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ میں بخار میں مبتلا ہوں میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ جن الفاظ سے تم اناطولیوں کی حقارت کرتے تھے درحقیقت وہ الفاظ اس امر کا مدلل ثبوت ہیں کہ اناطولیہ کے آدمی نہایت سخت اور مستقل مزاج ہیں نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ اعصاب اور روحانی قوت کے اعتبار سے بھی گویا تمہارے وہ حقارت آمیز الفاظ اناطولیہ کے نوجوانوں پر صحیح معنی میں صادق آتے ہیں اور وہ فی الحقیقت بلوط کے درخت کی مانند ہیں میں محسوس کر رہی ہوں کہ اناطولیہ کی سپاہ ایک ایسے گنجان اور بڑے جنگل سے مشابہ ہے

جسمین کثرت سے بلوط کے درخت ہون جو توانا جیون سے خمیدہ ہو گئے ہین اور تیز ہوائین انکو جھکا سکتی ہین ہماری جماعت یعنی فرزندان سمرنا کے عادات و خصائل مشرقی اور وسطی اناطولیہ کے باشندون سے بالکل مختلف ہین میری نظر مین باشندگان سمرنا اپنے گندم گون چہرون نیلی آنکھون اور خوبصورت و نازک اجسام کی حیثیت سے صنوبر کے اُن نازک درختون سے مشابہ ہین جو ہلکی ہلکی ہوا سے بھی اُچھل جاتے ہین۔

لیکن استنبول کے لوگ اُن کا رنگ صاف و شفاف ہوتا ہے و جسم خوبصورت اور وہ ترقی یافتہ مخلوق کا ایک نمونہ ہین اگر ہم بلوط کے درخت کی مضبوطی کو صنوبر کی نزاکت و خوبصورتی مین شامل کر دین اور ان دونون سے ایک ایسا درخت بنائین جسمین دونون کے خصائل و اوصاف پائے جاتے ہون تو مین اُس درخت کا نام درخت استنبول قرار دونگی کیونکہ استنبول کا باشندہ ایسا ہی مضبوط و سخت ہوتا ہے جیسا کہ اناطولیہ کا آدمی اور پھر اُس کے ساتھ ہی اتنا نازک و خوبصورت بھی جتنا کہ سمرنا کا ایک باشندہ ہوتا ہے۔

اوپر کے الفاظ مین جو صفات مین نے بیان کیے ہین اُن کے علاوہ استنبول کی مخلوق ذی حسن کو فطرت نے زیادہ سے زیادہ خوبیون کی عزت بخشی ہے۔ خوبصورت آستانہ ہے ہان اُس آستانہ سے جو ترکی خواب کی روح اور ہزارون قسم کے رنگون سے مرکب ہے اُن تمام خوبیون اور تمامیون کو بھی حاصل کیا ہے جو وہان پائی جاتی ہین، مذکورہ بالا خیال نے میرے دل و دماغ مین ایک اور صورت کا تصور پیدا کر دیا ہے یعنی مین اپنے لشکر کو ایک ایسے وسیع جنگل سے مشابہ پاتی ہون جسمین کثرت سے بلوط کے درخت ہین اور اُس کے بعض اطراف مین ادہر اُدہر بہت سے صنوبر عہ اور سرو کے درخت بھی پائے جاتے ہین پھر اس جنگل کا سایہ ہمیشہ رہتا ہے اور اس کے درختون کی شاخین اسقدر مضبوط ہین کہ کبھی متزلزل نہین ہوتین اور اُن کی پھنگون پر اُمیدون کے پھول پھل لگے ہوئے ہین ہان وہ پھول اور پھل جو مصائب و خطرات کو ہلکا اور دُور کر دیتے ہین۔

یہ وسیع جنگل سامنے کھڑا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ وسیع دنیا جو ہمارے پیش نظر ہے اپنی کلہاڑیون سے اس کے درختون کو ہان بڑے بڑے درختون کو کاٹنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن جو درخت کٹ کر گرتا ہے اُسکا تخم زمین پر گر کر خاک مین مل جاتا ہے اور پھر اُس سے ایک اور مضبوط جنگل کھڑا ہو جاتا ہے جسمین کثرت سے درخت ہوتے ہین اور پہلے جنگل سے زیادہ مضبوط و سخت ہوتے ہین اس خیالی دنیا مین سیر کے بعد مین نے محسوس کیا

عہ ، صنوبر اور سرو کے درختون سے اس جگہ وہ خواتین مراد ہین جو ترکی سپاہ مین داخل تھین ۱۲

کہ میں غفلت و مدہوشی کی حالت میں بلند آواز سے یہ الفاظ کہہ رہی ہوں۔
یہ نیا جنگل عہ جو سابق جنگلوں کے درختوں کے بیجوں سے پیدا ہوگا عنقریب سمرنا میں داخل ہوگا ایک روز رات کے وقت نیند کی بیہوشی میں میں نے محسوس کیا کہ یونانی سپاہ میڈم طادیہ کے ہوٹل پر مست و مخمور حالت میں حملہ کر رہی ہے ان یونانی سپاہیوں کے کالے کالے اور گندے بال ان کی کنپٹیوں پر پڑے ہیں اور خون ان کی آنکھوں کے گرد محیط ہے وہ چلا رہے ہیں اور پیانو (باجہ) کے صندوق پر کھڑے گا بجا رہے ہیں میں اسی حالت میں تھی کہ توپ کے ایک گولے نے اور اس کی ان گولیوں کی آواز نے جو اس میں سے نکلی تھیں اور جن سے ہوٹل کی دیواریں ہل گئی تھیں مجھے بیدار کر دیا فوراً میں بستر سے اٹھی اور زینہ کے جانب دوڑی کیا دیکھتی ہوں کہ مسکین بڑھیا (میڈم طادیہ) زینہ سے افتان و خیزان اتر رہی ہے اس سے مجھے معلوم ہوا کہ دشمن کے ہوائی جہازوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے اور شفاخانہ کے منتظمین نے بعض خاص مریضوں کو یہاں سے منتقل کر دیا ہے اور شہر کو خالی کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے بڑھیا نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اس کی مدد کروں فوراً میں نے کپڑے پہنے اور شفاخانہ کی طرف روانہ ہو گئی، راستہ میں میں نے دیکھا کہ اسٹیشن بجلی کی روشنی سے جگمگا رہا ہے اور باربرداری کے سپاہی اپنے خچروں کے پہلو بہ پہلو اور ان گاڑیوں کے ساتھ جنکو بیل کھینچ رہے تھے چلے جا رہے ہیں ان کے سر جھکے ہوئے ہیں اور سکون و طمانیت کیساتھ منزل پوری کرنے کی فکر میں بڑھے چلے جا رہے ہیں اور چودھویں رات کا چاند اپنی روپہلی شعاعوں سے رات کو منور کر رہا ہے پھر میں نے راستہ میں فوج کے دستوں کو دیکھا جو پیدل خاک اڑاتے چلے جا رہے تھے اور باوجودیکہ ظاہری حالت سے یہ ثابت نہ ہوتا تھا کہ عسکری شہر کو خالی کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں لیکن میں اپنے قلب میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ سمرنا کی راہ میں ہم ایک قدم اور پیچھے ہٹ رہے ہیں ممکن ہے جو دستے سپاہ کے میرے سامنے سے گذر رہے تھے وہ بھی اسی بات کو محسوس کر رہے ہوں جس کا احساس مجھ کو تھا اور غالباً یہی سبب تھا کہ میں بلوط کے ان درختوں (اناطولی سپاہیوں) پر سکون و خاموشی طاری دیکھتی تھی ہاں ان درختوں کو خاموش و مطمئن پاتی تھی جنکو توڑنا۔ کاٹنا اور جلا دینا تو ممکن تھا لیکن ان کی سختی کو دور کرنا اور نرم بنا کر موڑنا قطعی ناممکن و محال تھا، ان سپاہیوں کو مطمئن دیکھکر مجھ کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ سمرنا کی راہ میں ہم آگے بڑھیں خواہ پیچھے ہٹیں ہم کو جنگ ضرور کرنا پڑے گی اور اس

عہ۔ جدید جنگل سے یہاں وہ سپاہ مراد ہے جو آئندہ منتظم طریقہ پر مرتب ہوگی ۱۲

وقت تک جب تک کہ ہم شفاخانہ پہنچ جائین، بہرنوع ہم کو لڑنا پڑیگا۔

شفاخانہ مین داخل ہوکر مین نے دیکھا کہ اسکا صحن جسمین پتھر کا فرش تھا مریضون اور زخمیون کی پالکیون سے بھرا ہوا ہے بجلی کی روشنی نے فضا کو منور کر رکھا ہے اور متعدد اناطولی سپاہی پالکیون اور ڈولیون مین اپنے خاکی کپڑون اور چاند تارے والی ٹوپیون کو پہنے سو رہے ہین بعض سپاہی ان مین ایسے تھے جن کے کوٹ کی آستینون مین بازو نہ تھے بعض کے چہرون پر پٹیان بندھی ہوئی تھین اور بعض کے جسمون کے ٹکڑے گوشت کو گولیون نے پاش پاش کر دیا تھا اور شفاخانہ کے آدمیون نے ان زخمون کو ڈھک دیا تھا۔

پھر مین نے دیکھا کہ شفاخانہ کے کچھ ملازم دو ڈولیان لائے جن کو باغ کے دروازہ سے شفاخانہ مین لایا گیا تھا ان ڈولیون پر کچھ سفید کپڑے کچھ خاکی وردیون کے ٹکڑے اور چند ٹکڑے گوشت کے تھے اور بہت سی چیزین سرخ رطوبت (خون) سے تر تھین، گوشت کے ان ٹکڑون مین سے کراہنے کی آواز سی یہ آواز [illegible] آواز سے مشابہ نہ تھی اسوقت شفاخانہ کے صحن مین سکون و خاموشی چھائی ہوئی تھی اور گوشت کے ان ٹکڑون کی آنکھون مین جو گندم گون تاریک سر مین چمک رہی تھین سخت روحانی اضطراب نمایان تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان مجروحین کو آلام زخم سے بھی زیادہ اور کوئی الم ہے جو ان کو ستا رہا ہے۔

شفاخانہ کے زینہ پر ڈاکٹر سے میری مڈبھیڑ ہوئی مین نے دیکھا کہ اُس کے سفید کپڑے اور ٹوپی خون مین بھری ہوئی ہے اور پسینہ اُس کی پیشانی سے ٹپک رہا ہے مجھ کو دیکھکر اُس نے کہا۔

بہن عائشہ خوب ہوا تم اچھے وقت پہونچین جلد اوپر جاؤ مین اسوقت تمھاری مدد کا بہت محتاج ہون

مین اس خیال سے کہ کہین نیند مجھ پر غالب آجائے آہستہ آہستہ زینون پر چڑھنے لگی نیز اس خطرہ سے بھی کہ کہین ضعف و کمزوری غالب آکر مجھے بیہوش نہ کر دے۔ مین زینہ پر چڑھتی جاتی تھی اور دلمین کہتی جاتی تھی "کیا مین بلوط کے جنگل کا ایک درخت نہین ہون میرا فرض ہے کہ مین بھی مضبوط ہون نہ تو جھکون اور مڑون اور نہ کسی سے مغلوب ہون"

جب عمل جراحی کے کمرے مین گئی تو مین نے دیکھا کہ وہ دونون سپاہی جنکو ابھی ابھی ڈولیون پر لایا گیا تھا، کلوروفارم کو سونگھتے ہی جسمون سے روح کو علٰحدہ کر کے چل بسے یہ دونون سپاہی نہایت بہادر اور تنومند تھے اور شیر کی مانند نظر آتے تھے مین نے اپنے ہاتھون سے ان کی آنکھون کو بند کیا اور پھر اُن کے بھاری بھاری گندم گون ہاتھون کو جو بالکل سرد تھے تھام کر رکھا۔

لیے ہم طلبوا فی امان اللہ تمہاری راہ مین ہم بھی عنقریب تم سے آکر ملین گے"

پھر عمل جراحی کے کمرہ مین توپخانہ کا ایک سپاہی لایا گیا اس کے چہرہ کا بالائی حصہ سیاہ اور متعفن تھا سر پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی دونون پانون کانپ رہے تھے اور وہ بچون کی مانند چلا چلا کر کہہ رہا تھا: خدا کے لئے میری خبر لو، مجھے خیمہ کے اندر کیون چھوڑ دیا ہے - آہ میرا سر پھٹا جا رہا ہے، مجھے کیا ہوا کیون مجھے خیمہ کے اندر ڈالدیا گیا ہے"

یہ سپاہی جو اسوقت عمل جراحی کی میز پر پڑا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ طوط کے درختون کا بادشاہ ہے یہ آخری سپاہی تھا جو اسوقت عمل جراحی کے کمرہ مین لایا گیا تھا آخر فوجی افسرون پر عمل جراحی شروع کیا گیا ڈاکٹر نے ان مین سے ایک کے دونون بازو اس طرح کاٹ ڈالے جس طرح کسی درخت کی ٹہنیان کاٹی جاتی ہین عمل جراحی جاری تھا اور افسرون پر رنج و غم طاری۔

عمل جراحی کے بعد جب ایک سپاہی کو بستر پر لٹایا گیا تو اُسنے اشارہ سے مجھ کو اپنے پاس بلایا اور جب مین اُس کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی تو اُسنے اشارہ سے بتلایا کہ جھک کر اُس کی بات سن لے پھر اُسنے ہونٹون کو اس غرض سے حرکت دی کہ مجھ سے کچھ کہے لیکن زبان نے یارا نہین دیا پھر اُسنے اپنی آنکھون سے اپنے درد و الم کو ظاہر کرنا چاہا لیکن اس طرح بھی وہ اپنے مفہوم کو ظاہر نہ کرسکا اُس کی ان کوششون سے مین سمجھ گئی کہ وہ اپنی درماندگی اور مجبوری سے رنجیدہ ہے آخر مین نے اُس کا جی خوش کرنے کو یہ حیلہ تراشا کہ اُس کو یہ سمجھا دیا کہ مین اُسکا مطلب پاگئی ہون پھر مین نے مسکراتے ہوئے اپنا کان اُس کے مُنہ سے لگا دیا اور رحمت و شفقت کا اظہار کرنے لگی لیکن مین اپنے آنسوؤن کو جو بے اختیار آنکھون سے جاری تھے نہ روک سکی، مینے اُس سے کہا۔

پیارے بھائی تم نے جو کچھ کہا ہے مین اُسکی تعمیل کرون گی۔

میرے الفاظ سپاہی نے سُنے اور آنکھین بند کرلین اور معًا اُس کی روح جسم سے پرواز کرگئی - مین نے ڈاکٹر کی طرف رُخ کیا اور دیکھا کہ آنسو اُس کی آنکھون سے جاری ہین پھر مینے سُنا کہ ایک سپاہی جس کا چہرہ بچون کا سا تھا یکایک رونے اور چلانے لگا پھر اُسنے کہا۔

آہ یہ نوجوان اپنی مان کا اکلوتہ بچہ تھا جب ہم آستانہ مین تھے تو اس کی مان نے اسکو میرے سپرد کیا تھا آہ جب مین اُس کی مان سے ملونگا تو کیا کہونگا۔

میں جلد ہی اس کے کمرے سے باہر نکلی اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگی ہر قدم پر ... مگر وہی
شفقت جو اس سے بھی بھی اُس کے مقابل کوئی چیز نہ تھی نیچے سے اتر کر میں نے دیکھا کہ شفاخانہ کے ملازم زخمیوں
کو جو چھوٹا قد رکھتے تھے کھانا کھلا رہے ہیں یہ ملازم عورتوں سے بھی زیادہ رحمدل اور شفیق تھے میں بھی ان لوگوں میں شامل
ہو گئی اور زخمیوں کو اس طرح چمچے میں چاول بھر بھر کر کھلانے لگی جس طرح ماں اپنے بچوں کو کھلاتی ہے ان زخمیوں میں
سے جن کو ہم کھانا کھلا رہے تھے ایک زخمی منہ کے بل اوندھا پڑا تھا میں نے اسکو سیدھا لٹانا چاہا تو اُسنے اپنی
آنکھیں سیاہ بڑی بڑی آنکھوں سے جن کی کیفیت بیان کرنے سے میں عاجز ہوں میری طرف دیکھا اور کہا نہیں
چونکہ میرا بایاں مونڈھا ٹوٹا ہوا ہے اس لئے میں سیدھا نہیں لیٹ سکتا۔

پھر ہم تسکین دہ ہی کی باتیں کرنے لگے اور میں نے اس سپاہی سے جسکا مونڈھا ٹوٹا ہوا تھا دریافت کیا۔

تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ کیا تم حال ہی میں فوج میں بھرتی ہوئے ہو۔

سپاہی نے جواب دیا۔ میں آٹھ سال سے فوج میں ہوں اور دردانیال کی جنگوں میں شریک رہا ہوں،
پھر مجھے اس سپاہی سے معلوم ہوا کہ وہ سیواس کا رہنے والا ہے اور اُس کی ایک لڑکی ہے جسکا نام کوثر ہے اور جس سے
اسکو اپنے تینوں بچوں سے زیادہ محبت ہے اس سپاہی کا جسم ایک منہدم عمارت کی مانند تھا وہ جسقدر باتیں کرتا تھا
اُسی قدر میری ہمدردی اس سے بڑھتی جاتی تھی وہ اسقدر باتونی تھا کہ خاموش رہنا جانتا ہی نہ تھا جہاں ایک
بات ختم ہوئی پھر دوسری شروع کردی اُس نے دوران گفتگو میں بتایا کہ اُس کی بیٹی کوثر نہایت نازک اور خوبصورت
ہے اور بالکل استنبول کی لڑکی معلوم ہوتی ہے اور وہ جب اپنے وطن کو واپس جائیگا تو اسکو لکھنا پڑھنا سکھائیگا
میں نے اُس کی باتوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ باوجود اس کے کہ وہ تکلیف و مصیبت میں ہے لیکن وہ اپنی زندگی سے مایوس
نہیں ہوا ہے پھر اُسنے کہا۔

عزیزہ محترم بہن؟ تم مجھے شفاخانہ میں پہنچاؤ جہاں میرے ہموطن لوگ ہیں میں اپنے شناسا لوگوں میں
رہکر جلد شفا حاصل کرونگا۔

فوراً میں نے اپنی جیب سے نوٹ بک نکالی اور اُس کا اور اس کے شہر کا نام لکھ لیا یہ دیکھکر وہ بہت خوش
ہوا اور اُس کی آنکھوں سے بچوں کی سی مسرت ٹپکنے لگی میں یہاں سے اُٹھی ہی تھی کہ ایک اور مریض نے مجھ
پکارا جو اُس کے قریب ہی تھا اور مجھ سے کہا۔

"بہن میرا نام بھی لکھ لو"

اس شخص کو جسنے مجھے بلاکر اپنا نام لکھ لینے کی خواہش کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ میں نے کیا لکھا ہے، غالبًا مجھے لکھتے دیکھکر اُسنے یہ خیال کیا کہ اُس کے ساتھی سپاہی کے ساتھ کوئی خاص امتیازی سلوک کیا جائے گا اس لئے اُسنے بھی اس امتیازی سلوک میں حصہ پانے کی خواہش ظاہر کی پھر اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے سپاہیوں نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا اور مجھ سے نہایت دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگے وہ ان باتوں سے لذت اور سکون پاتے تھے اور خوش ہوجاتے تھے اور میرا ضعف بھی قوت میں تبدیل ہورہا تھا۔ میں باتوں میں مشغول تھی کہ شفاخانہ میں ایک خطرناک حادثہ رونما ہوا یعنی انگورہ کا ایک سپاہی جس کے سر پر پٹی بندھی تھی اور جو سفید لباس میں ملبوس تھا قریب کے فرش سے نکلکر دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا بخار کی شدت نے اس کا دماغ ماؤف کردیا تھا اور اُس کے ہوش و حواس مفقود تھے ہمارے قریب پہنچکر اُسنے چلانا شروع کیا اور مجھ سے کہا۔

"مجھے انگورہ بھیجدو . . . مجھے اجازت دو کہ میں اپنا علاج خود ہی کر لوں . . . .

. . . ڈاکٹر سے کہو کہ وہ مجھے انگورہ بھیجدے"

صحت یافتہ سپاہیوں نے اس سپاہی کو گھیر لیا اور بڑی مشکل سے اُس کو پکڑ کر لے گئے وہ برابر بخار کے بحران سے ہذیان میں مبتلا تھا اور چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ مجھکو انگورہ بھیجدو اسوقت اس سپاہی میں غیر معمولی قوت تھی آٹھ سپاہی اُس کو پکڑے ہوئے تھے لیکن وہ قابو میں نہ آتا تھا جب وہ چلاتا تھا تو میرے قلب میں یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کی آواز سے زخمیوں کے قلوب متاثر ہیں اور وہ کراہ رہے ہیں اگرچہ انکے کراہنے کی آواز میرے کانوں میں نہ آتی تھی لیکن میرا قلب محسوس کررہا تھا۔

میں شفاخانہ سے باہر نکلنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھی راستہ میں میں نے دیکھا کہ کمسن خادمہ لڑکیاں دیوار سے سر ٹکائے اس ہولناک واقعہ سے متاثر ہوکر جسنے اُن کے اعصاب میں حرکت پیدا کردی تھی رو رہی ہیں اور بہت خوفزدہ ہیں میں انکو متاثر نگاہوں سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھی اور شفاخانہ سے نکلکر تھوڑی ہی دور گئی ہونگی کہ ضعف نے مجھے دبالیا اور میں دیوار کے سہارے آہستہ آہستہ چلنے لگی اور پھر ایک گوشہ میں پہنچکر چند منٹ تک کھڑی رہی اور پھر گردن جھکا کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا گویا کہ میں اناطولیہ کی ایک بڑھیا ہوں۔ میں خاموش بیٹھی تھی اور ربِّ بزرگ و برتر کو مخاطب کرکے کہہ رہی تھی۔

یا الٰہی یہ رنج و محن کب تک رہینگے؟ اے پروردگار کیا دنیا میں اور بھی تیرے ایسے بندے ہونگے جو ایسے مصائب

و مشکلات میں گرفتار ہوں جن میں ہم گرفتار ہیں جب سے رب العزت نے کیا تو ہم کو دوست ملتا ہی اور ان مت احباب مشکلات اور افسردگی سے جن کی کوئی حد نہیں ہے تو ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے۔

آج پہلی مرتبہ میں نے اس امر کو محسوس کیا کہ جو تکالیف اور مصائب و مشکلات میں سمرنا کی راہ میں اٹھا رہی ہوں وہ میری طاقت سے باہر ہو گئی ہیں اس خیال نے مجھے دیر تک مشغول رکھا اور میں درد دل کا اندازہ کرتی رہی میں نہیں کہہ سکتی کہ کتنی دیر تک مجھ پر یہ حالت طاری رہی آخر ایک آواز نے جو باوجود اس کے کہ وہ زندگی اور شجاعت کا ثبوت دیتی تھی لیکن آلام و حزن پر غالب نہ آسکی مجھے متنبہ کیا آواز حشمت بیگ کی تھی جو ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا ممکن ہے وہ میڈم طاہرہ کے ہوٹل میں چلی گئی ہو۔ میں اس سے ملنے کے لئے وہاں جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب آپ تکلیف نہ فرمائیے اور واپس تشریف لیجائیے آپ کی مہربانی اور عنایت کا شکریہ۔

حشمت بیگ کی آواز سنکر میں اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کی طرف بڑھی حشمت بیگ نے مجھکو دیکھتے ہی میرے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا اور دبا کر کہا۔

بہن عائشہ کیوں کیسا مزاج ہے؟ میں آج دن بھر تمہاری تلاش میں سرگرداں رہا ہوں۔

حشمت بیگ کے الفاظ کا شدت ضعف سے میں کوئی جواب نہ دے سکی اور دیوار سے کمر لگا کر کھڑی ہو گئی

حشمت بیگ نے اس حالت میں پاکر میری طرف ہمدردی و شفقت کی نظروں سے دیکھا اور پُراثر لہجہ میں کہا،

بہن عائشہ میں تم کو کس حال میں دیکھ رہا ہوں؟ کیا تمہاری جرأت و شجاعت جاتی رہی ہے؟ کیا تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے سامنے اپنی تلواروں پر قسمیں کھائی تھیں اور سمرنا کی مدافعت کا حلف اٹھایا تھا وہ ابھی زندہ ہیں اور دنیا سے رخصت نہیں ہو گئے ہیں اور عنقریب وہ سمرنا میں داخل ہونگے اور تم بھی سمرنا میں داخل ہو گی لیکن اسوقت نہ تو تمہارا تعلق ہلال احمر سے ہوگا اور نہ کسی اور صیغہ سے تم مسرور ہو گی اور سمرنا آزاد ہوگا آؤ اب ہم سب آتشین خط (جنگ) کی طرف بڑھیں........

حشمت بیگ کے الفاظ نے میرے قلب کو قوت سے بھر دیا اور باوجود خون کی نہروں کے پیش نظر ہونے اور سخت مصائب میں مبتلا ہونے کے میں نے تکلیفوں کا احساس چھوڑ دیا اور حشمت بیگ سے کہا۔

ہاں فوراً آتشین خط کی طرف بڑھو اور مجھے بھی ساتھ لے چلو اگرچہ میں ہتھیار اٹھانے کی قابلیت نہیں رکھتی لیکن میں سمرنا کی راہ میں چلنے والے مجروحوں کی مرہم پٹی کروں گی ان کے رنج والم کو دور کروں گی اور اگر خدا کی مشیت ہوئی تو انھیں کے ساتھ جان بھی دیدوں گی۔

حشمت بک نے جواب دیا جب ہم بولادلی پہنچ جائیں گے تو ہم تم کو اپنے ڈویژن کے ساتھ بھیجدینگے اور مین بھی ایک دستہ سپاہ سے ڈویژن کے ساتھ چلی جاؤنگا اور جمال بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔

اسوقت مین نے اپنے آپ مین شجاعت کا ایک ایسا جذبہ پایا جو زندگی کے کسی بڑے سے بڑے معرکہ سے بھی پسپت نہ ہونے والا تھا، مین بچون کی مانند رونے لگی اور اس رونے کے دو سبب تھے ایک تو یہ کہ مین نے اسوقت یہ محسوس کیا کہ میری روح کی کمانی جو بہت ٹیڑھی ہوگئی تھی اور جس کی نسبت مین نے یہ خیال قائم کرلیا تھا کہ وہ عنقریب ٹوٹ جائے گی وہ نہایت مضبوط و استوار ثابت ہوئی دوسرا سبب یہ تھا کہ اسوقت مجھے احمد رفقی یاد آگیا مین نے دیکھا کہ گویا وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے سینہ پر سرخ زخم جنگلی گلاب کے پھول کی طرح نمایان ہے اور اس کی صاف و چمکدار آنکھین مسکراہٹ کا بہترین منظر ہیں اور وہ گویا مجھ سے مخاطب ہے کہ کہہ رہا ہے بہن عائشہ آؤ ان کمینہ یونانیون سے ہم جنگ کرین۔

آدھی رات کے قریب مین اور زخمیون کی بڑی تعداد ریلسے کی کھلی ہوئی گاڑیون مین سوار ہوکر ادسیبا بولادلی پہنچے، اس کھلی ہوئی گاڑی مین وہ صداقت بہت مفید ثابت ہوئی جو مین نے سپاہیون سے حاصل کری تھی اور رات بھر زخمی سپاہیون سے مین بات چیت کرتی رہی یہ باتین اسقدر پرلطف اور دلچسپ ہوتی تھین کہ جی نہ بھرتا تھا۔

ابتدائی ایام مین۔ میرا دل احسان کی یاد مین مشغول رہتا تھا اور مین ہر وقت اس کے خیال مین محو رہتی تھی لیکن جب مجھے حشمت بک سے یہ معلوم ہوا کہ احسان خیریت سے ہے اور سید غازی مین مقیم ہے تو اپنے اضطراب کی حقیقت مجھے معلوم ہوگئی اور مجھے اس کا بہت فکر ہوگیا، اگر اس موقع پر حشمت بک کی جگہ احسان ہوتا تو سپاہ کی اگلی صفون کے بجائے وہ مجھے پیچھے رکھتا، احسان میری حفاظت اس طرح کرتا تھا گویا مین ڈیڑھ سال کی ننھی بچی ہون اور میری حفاظت بہت زیادہ کی جانی چاہئیے مین اسوقت اپنے قلب مین یہ محسوس کر رہی ہون کہ احسان نے مجھ کو خطرہ کے مقامات سے دور رکھکر جو جرم کیا ہے اُس کو مین کبھی معاف نہ کرون گی۔

پیامی! تم کب تک سمرنا کی راہ مین گامزن ہوگے، تم تو دفتر کے کہنہ اوراق مین اسقدر محو و مشغول ہو کہ کسی دوسری طرف توجہ ہی نہین کرتے۔

(۱۵)

ایامِ شفائیہ

۸ دسمبر ۱۹۱۲ء

اسوقت مجھے ان ایام کی ایک صبح یاد آگئی جن ایام مین کہ آنکھ کا آخری خط مجھکو ملا تھا یہ صبح وہ صبح تھی جسمین میری دونون ٹانگون کو کاٹا گیا تھا اب مین ان ٹانگون کی جگہ کو خالی پاتا ہون اور محسوس کر رہا ہون کہ اسوقت میرا دل کیونکر زور زور حرکت کر رہا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے، ان ایام کی باتون مین سے جو بات میرے ذہن مین اسوقت موجود ہے وہ صرف اپنے جسم کے ٹکڑون کی یاد ہے میرے قلب مین ایک سوزش تھی جس سے شفا کی امیدین ایسے امور پر موقوف تھین جن کے حصول کی توقع نہ تھی، میری خواہش یہ تھی کہ کسی طرح عائشہ کو یہ معلوم ہوجائے کہ مین نے اپنی دونون ٹانگون کو سمرنا کی راہ مین چھوڑ دیا ہے میری یہ خواہش پوری نہین ہوئی اور عائشہ آجتک اس سے ناواقف ہے اور وہ اس امر سے بھی آگاہ نہین ہے کہ اگرچہ توپون نے صرف میرے بازوؤن اور سر کو باقی چھوڑا ہے لیکن مین نے سمرنا کی راہ مین برابر آگے بڑھتے رہنے کا عزم صادق مستحکم کرلیا ہے۔

کل رات مین صبح تک غافل سوتا اور یہ خواب دیکھتا رہا کہ مین [illegible] کے قبرستان مین پھر رہا ہون اور عائشہ کو ڈھونڈھ رہا ہون تاکہ اس کو بتلاؤن کہ مین نے سمرنا کی راہ مین اپنی دونون ٹانگون کو قربان کردیا ہے، اپنا حال بتلانے کی ضرورت مجھے اس لئے محسوس ہوئی تھی کہ وہ لوگ جنھون نے اسکی کرسی کے گرد بیٹھکر قسم کھائی تھی آج یا تو غازی بن گئے ہین یا ملک پر قربان ہوکر شہید قرار پائے ہین اور انکی زندگی کے حالات اس قابل ہین کہ بہادری کی تاریخ مین زرین حروف مین لکھے جائین۔ لیکن مین نے جو خون سمرنا کی راہ مین بہایا ہے وہ اسی طرح مخفی ہے جس طرح میرا نام اور میرا حلف مخفی تھا اب ضرورت تھی کہ عائشہ کو آج اس سے آگاہ کیا جائے جس روز کہ توپ کے گولہ نے [illegible] کے کنارہ میرے جسم سے میری ٹانگون کو جدا کردیا اور مین نے اپنے آپ کو ایک خالی گاڑی مین پایا جس مین میرے ساتھ عائشہ سوار

نہ تھی چست پڑا ہوا پایا تو حشمت بیگ میرے قریب آیا اور میرے کان مین ظرافت کے طور پر کہا۔

مجھے اجازت دو کہ مین تمھاری ٹانگون کو یہ کوجہ آبیارہ کے قبرستان مین دفن کر دون، مین یہ سنکر اس طرح ہنسا جس سے سوزش والم ظاہر ہوتا تھا اور کہا۔

اس قسم کی باتین مین اپنی زندگی کے مناسب نہین پاتا، بھلا میری ٹانگون یا دماغ کو اُن مصائب اور تکلیفون کے مقابلہ مین کیا اہمیت حاصل ہو جو مین نے سفر کی راہ مین برداشت کی ہین۔

یہ الفاظ اُسوقت میری زبان سے نکلے تھے لیکن آج مین اس کا آرزو مند ہون کہ عائشہ کے سرسبز پاکیزہ مزار پر کھڑا ہو کر اپنے تمام آلام و مصائب کو بیان کر دون - میرا قلب نا اُمیدیون سے بھرا ہوا ہے اور میرا جسم آتش مایوسی سے پھنکا جا رہا ہے اور اسی کے ساتھ مجھے اس امر کا یقین ہو گیا ہو کہ اس ماہ کے آخر تک یقیناً میرے سر پر عمل جراحی کیا جائیگا ممکن ہو عمل جرّاحی کے بعد وہ مایوسی جو میرے قلب مین ہے زائل ہو جائے اور وہ آگ جو میرے جسم کو جلا رہی ہو ٹھنڈی پڑ جائے اس بنا پر میرا فرض ہو کہ مین زندگی کی کش مکش کی طرف جلد سے جلد متوجہ ہون ہان زندگی کی اُس شورش کی جانب جس کے زہر کا ایک ایک قطرہ مین حلق مین ڈالتا رہا ہون اب مجھکو چاہیے کہ اس زہر کا پیالہ لبریز کر دون اور چڑھا جاؤن تاکہ زندگی کے آخری مرحلہ پر پہنچ جاؤن اس کے بعد میری آنکھین طمانیت کا گہوارہ ہونگی اور مین عمل جرّاحی کی میز پر پڑا ہون گا۔ اچھّا اب مین اُس راہ مین گامزن ہوتا ہون جو مجھے اُس آخری منزل پر پہنچائے گی جس کا مین متمنّی ہون۔

ترکی سپاہ جن ایام مین نہر سقاریہ کے ادہر تھی مین اُن دنون مین وزارت جنگ کے دفتر مین کاغذات کی دیکھ بھال مین مشغول تھا اور اس امر کی پوری کوشش کر رہا تھا کہ مین آگے بڑہون اور میدان جنگ مین جاؤن، جنگ مین شرکت کا شوق مجھے بیچین کر رہا تھا اور مین ہر وقت اسی فکر مین محو رہتا تھا، لیکن میرا کوئی شناسا ایسا نہ تھا جو صاحب اقتدار ہو کہ مین اُس کی وساطت اور کوشش وسفارش سے میدان جنگ مین جانے کا موقع پا سکون میرا موجودہ منصب اگرچہ بظاہر فوجی تھا لیکن حقیقت مین فوجی نہ تھا - مین موجودہ حالت سے خوش نہ تھا اور ہر وقت متفکر رہتا تھا انھین ایام فکر وتردد مین ایک روز مین بہت پریشان اور مضطرب تھا اور جنگ مین شرکت کے شوق نے مجھے بیچین بنا رکھا تھا کہ یکایک میرے [illegible] نے مجھے طلب کیا اور مجھ سے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم یونانی زبان جانتے ہو

اور فوٹو کے کام مین ماہر ہو کیا یہ صحیح ہے

مین نے جواب دیا ہان یہ صحیح ہے۔

پھر افسر اعلیٰ نے کہا مغربی میدان جنگ کے محکمہ خبر رسانی کو ایک ایسے یونانی مترجم کی ضرورت ہے جو یونانی زبان اچھی جانتا ہو اور فوٹو کے کام سے بھی واقف ہو تم مین چونکہ دونون باتین پائی جاتی ہین اس لئے مین تم کو مغربی میدان جنگ مین بھیجنا چاہتا ہون تم فوراً روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ اور کل شام کی گاڑی سے روانہ ہو جاؤ۔

مین یہ حکم پاکر وزارت جنگ کے دفتر سے اس حال مین باہر نکلا کہ نشہ مسرت سے مین مخمور تھا دوسرے دن شام کو ۹ بجے کی گاڑی سے مین انگورہ اسٹیشن سے سوار ہو کر روانہ ہوا اس سفر مین میرے ساتھ ایک نائب فوجی افسر اور تین افسر عہدہ دار تھے اور جس گاڑی مین ہم جا رہے تھے اُسمین ہنگی ذخائر بھرے ہوئے تھے مین نے اپنی زندگی مین کبھی ایسے متین و سنجیدہ اور خاموش سپاہیون کے ساتھ سفر نہین کیا تھا جیسے کہ اس سفر مین میرے ہمراہ تھے ان مین سے ہر ایک کی پیشانی پر عزم و حوصلہ مندی کے آثار نمایان تھے اور مین محسوس کر رہا تھا کہ ان مین ہر شخص اس امر کا متمنی تھا کہ آخری وقت تک پیشقدمی جاری رکھی جائے اور جدوجہد مین کسی قسم کی کمزوری پیدا نہ ہونے دیجائے صبح کے وقت ہم آخری اسٹیشن پہنچے اور ہمارا سفر ختم ہو گیا اسٹیشن سے لشکر گاہ تقریباً دو گھنٹہ کی مسافت پر واقع تھا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ گاڑی کے اسٹیشن پر پہنچتے ہی انسانون کے اُس گروہ نے جو خاکی وردی پہنے ہوئے تھا گاڑی سے جانورون اور سامان جنگ کو اُتارنے مین پوری جوش اور تیزی سے کام لیا چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور یہ گروہ تیزی سے اپنے کام مین منہمک تھا اور ایسی خاموشی سے کام ہو رہا تھا کہ کسی کے ہونٹ تک حرکت مین نہ آتے تھے بات کرنا تو دوسری بات ہے، البتہ گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور گاڑی سے نکل نکلکر شوخیان کر رہے تھے۔

اسٹیشن کی پشت پر مین نے تین فوجی افسرون کو دیکھا جن مین سے ایک کی نسبت بتلایا گیا کہ وہ حملہ آور سپاہ کے دستہ کا افسر اعلیٰ ہے یہ افسر اپنی زبان سے ایسے سخت احکام اپنے ماتحت سپاہیون کو دے رہا تھا جو کسی طرح پتھر کی چٹان سے سختی مین کم نہ تھے وہ اپنی ماتحت سپاہ کے گروہ کو جو اسٹیشن کے اطراف مین پھیلا ہوا تھا اشارون سے حرکت مین لا رہا تھا اور یہ انسانی طبقہ اُس کے اشارون پر نقل و حرکت

مین مشغول تھا گویا یہ سپاہ اُس کے اشارون پر کام کر رہی تھی کبھی وہ اُس کے اشارون سے منتشر ہو جاتی اور کبھی اقلیدس کی سی شکلون مین مجتمع ہو جاتی تھی پھر مین نے اس افسر کے گھوڑے کے قدمون کی آواز سُنی اور سپاہ فضا کا طبقہ اُس کے الفاظ "آگے بڑھو" "آگے بڑھو" سے گونجنے لگا اور فوراً ساری سپاہ کے گھوڑے آگے بڑھے اور اُنکے قدمون کی آواز نے فضا مین تموج پیدا کر دیا۔ چند منٹ مین قدمون کی یہ آواز بہت کمزور ہو گئی اور میرے لیے اُن تینون فوجی افسرون کی طرح جو میرے ہم سفر تھے گھوڑا لایا گیا ہم سب گھوڑون پر سوار ہوئے اور زرد چٹیل میدان مین لشکرگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ہمارے ساتھی افسرون مین ایک اجوٹنٹ میجر تھا جسکا نام ذہنی آفندی تھا یہ بھی اُسی دفتر مین مامور ہوا تھا جسمین مین کام کرنے کے لئے جا رہا تھا یہ شخص کمزور ضعیف تھا اور مقدونیہ کے لب لہجہ مین گفتگو کرتا تھا لیکن باوجود ضعیف الجسم ہونے کے اُسمین مردانگی اور لیاقت پائی جاتی تھی مین اُس سے بہت مانوس ہو گیا تھا اور اُس کے برابر چل رہا تھا چونکہ ہم مین سے کوئی بھی زیادہ باتین کرنیوالا نہ تھا اس لئے ہم خاموش چلے جا رہے تھے۔

ہم خاموش چلے جا رہے تھے کہ ہمارے کانون مین گھوڑون کے قدمون کی آواز آئی یہ آواز کہین دور سے آ رہی تھی لیکن چونکہ ہوا کا رُخ ہماری طرف تھا اس لئے صاف سُنائی دے رہی تھی اسوقت ہوا تیز تھی اور کثرت سے غبار اُڑ رہا تھا پھر راستہ مین گنجان درختون کا ایک جنگل پڑا اور جب مجھے بتلایا گیا کہ ان درختون کے اندر سفری شفاخانہ ہے تو میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا، مین نے اپنے ہمراہیون سے ڈپٹی عنت کا پتہ پوچھا اور اُن کے جواب سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شفاخانہ جسمین عائشہ کام کر رہی ہے ہم سے بہت دور ہے پھر ہم پن چکی کے ایک آبشار کے قریب سے گذرے اور ہم نے دیکھا کہ آبشار کے کنارون پر صاف سفید جھاگ جمع ہین اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آبشار کا پانی ایک فضا سے منتقل ہو کر دوسری فضا مین جا رہا ہے ہم نے گھوڑون کو پانی مین ڈال دیا اور آبشار کو عبور کر کے اُسکو پیچھے چھوڑ دیا۔

مین دو گھنٹہ تک برابر لشکرگاہ کی سمت مین چلتا رہا میری قوت ارادی کا اسوقت یہ حال تھا کہ گویا وہ فالج زدہ ہے مین نے اپنی شخصیت کو ان گھنٹون مین بالکل فراموش کر دیا تھا اور کبھی میرے دل مین ان ساعتون کے اندر یہ خطرہ پیدا نہین ہوا کہ مین ایک خاص نام اور معین شخصیت کا آدمی ہون بلکہ اسوقت مین اپنے آپ کو اُس انسانی سمندر کا ایک قطرہ سمجھ رہا تھا جو خاکی وردی مین ملبوس رہتا ہے۔

آخر چند میدانوں اور متعدد وادیوں کو قطع کر کے ہم ایک سرسبز قطعہ میں پہنچے جو ان پہاڑی چوٹیوں کے درمیان واقع تھا جن کے پیچ و خم کو آسانی راستوں سے ہم گزر رہے تھے ہم کو بتلایا گیا کہ یہ موضع چند کاشتکاروں کے کھیتوں کا مجموعہ ہے۔ جنہیں صرف چند گاؤں ہیں۔ جب ہم ٹیلوں سے میدان میں آ رہے تھے تو ہم کو دھندلی روشنی میں چند خیمے اور پہرہ دار نظر آئے جن کی شکلیں سرخ اور سیاہ رنگوں کے درمیان قائم نظر آتی تھیں۔ اس گاؤں میں سب سے پہلی آواز جو ہم نے سنی وہ سپاہیوں کے قدموں کی آواز تھی جو باقاعدہ اور منظم طریقہ پر گشت لگا رہے تھے اور پھر ان گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں جو دوڑ دوڑ کر ہم پر حملہ آور ہوتے تھے۔

پھر ہم ایک دو منزلہ مکان کے سامنے سے گزرے جس کے وسط میں کھڑکی تھی اس مکان کے دروازہ پر دو پہرہ دار کھڑے تھے جو اپنے ثبات و وقار میں ترکی سپاہیوں کا نمونہ تھے اور ان کے سروں پر لشکر گاہ کے مرکز کا سرخ جھنڈا تھا جو ہوا میں لہرا رہا تھا۔

ہمارے محکمہ کا دفتر اس مکان سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا یہ ایک چھوٹا سا لکڑی کا مکان تھا جس کے قریب میرے اور وہبی آفندی کے لئے ایک چھوٹا سا خیمہ نصب تھا جس میں ہم سویا کرتے تھے، جب ہم دفتر میں پہنچے تو ہم کو بتلایا گیا کہ محکمہ کا افسر اعلی جناب قائد پاشا (سپہ سالار عام) کی خدمت میں گیا ہے میں اپنے خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر افسر اعلی کی واپسی کا انتظار کرنے اور گاؤں کی طرف دیکھنے لگا ہاں اس گاؤں کی جانب جو اسرار سے بھرا ہوا تھا پھر مجھے بتلایا گیا کہ سپہ سالار عام کا قیام گاہ وہ مکان ہے جو سامنے نظر آ رہا ہے۔ یہ مکان کسی قدر بلندی پر واقع تھا، میں نے دیکھا کہ سپہ سالار عام کے مکان کی کھڑکی میں سے نیلگوں رنگ چمک رہا ہے پھر مجھے کھڑکی سے ٹوپی پہنے ایک شخص نظر آئی جو کمرہ میں ٹہل رہی تھی، سپہ سالار عام کے مکان کی پشت پر ایک زرد ٹیلا تھا جس پر اقلیدس کی شکلوں کی طرح خیمے نصب تھے اور ان خیموں کے درمیان میں لاسلکی (بے تار برقی) کے بلند کھمبے تھے جو چاندنی میں ایک لمبی سوئی کے مانند دکھائی دیتے تھے

یہ گاؤں پہلا تاریخی مرکز ہے جہاں سے سقاریہ کے معرکوں کا انتظام کیا گیا تھا، میں جانتا تھا کہ یہ چھوٹا سا گاؤں ترکی قومی زندگی میں ایک جدید انقلاب کا مرکز ہوگا اور جب سقاریہ کے معرکے ہماری کامیابی پر ختم ہونگے تو ہماری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوگا اسی وجہ سے یہ چھوٹا سا گاؤں جو اس بڑے میدان جنگ کی رہنمائی کر رہا تھا ہمیشہ میرے قلب میں محفوظ و مرتسم رہیگا اور پھر دماغ میں اسکا

محفوظ رہنا تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔

اس چھوٹے سے متواضع گاؤں نے جس پر نظر پڑتے ہی دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک تر و تازہ چہرہ کی مانند ہے میرے قلب پر غیر معمولی اثر ڈالا ہے اور میرا قلب الٹ پلٹ ہو گیا ہے دوسری بات جس سے میں بہت متاثر ہوا ہوں وہ جنگی احکام اور فوجی یادداشتیں ہیں جو ٹیلیفون کے ذریعہ چھوٹے چھوٹے خیموں سے بھیجی جاتی ہیں۔ ان جنگی اوامر اور فوجی احکام کے الفاظ میرے حافظہ میں اس طرح ثبت ہو گئے ہیں جس طرح گرم لوہے کا داغ جسم پر قائم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ احکام اُن احکام کے کلمات سے بہت مشابہ ہوتے تھے جنکو کسی نامعلوم شخص نے اشوریوں کے ملک میں قصرِ "فلتا صر" کے اندر آتشین حروف میں لکھا تھا۔

میں نے اپنی زندگی میں عائشہ کے ان الفاظ کے بعد اسقدر پرجوش و پرزور الفاظ کسی انسان کی زبان سے نہیں سُنے، عائشہ نے کہا تھا "بہ تیرے ملک کے جانباز بہادر و قطر آنجی اور جالبا قلی کی خندق کی طرف بڑھو" یہی وہ کلمے ہیں جو سقاریہ کے زبردست معرکہ سے قبل سپہ سالار عام کی زبان سے نکلے تھے اور ان کا اثر یہ ہوا تھا کہ نہر سقاریہ کے کناروں کی وادی ان کلموں سے گونج اُٹھی تھی اور اس کے اطراف کی فضا میں پھیلے ہوئے تھے۔

دونوں متحارب لشکروں نے اپنے اپنے مورچوں اور استحکامات کو مضبوط کر لیا تھا اور ہر ایک نے اپنے دشمن کے مقابلہ میں کافی تیاریاں کی تھیں جس طرح کہ دو پہلوان کشتی گیر لڑنے سے قبل کشتی کے لئے تیار ہوتے ہیں اُس روز میری قوت حافظہ نے جنگی پیامات کے بہت سے وہ الفاظ یاد کر لئے تھے جو ٹیلیفون کے ذریعہ سپہ سالار عام کو فوجی حالت کے متعلق بھیجے جاتے تھے اور جب سپہ سالار عام ان الفاظ کے اُس مفہوم سے آگاہ ہو جاتا تھا جو اُن کا حقیقی مفہوم ہوتا تھا تو وہ عملی کارروائی کے احکام صادر کر دیتا تھا ٹیلیفون کے ذریعہ جو پیام سپہ سالار عام کو بھیجے جاتے تھے اُنمیں بعض الفاظ یہ ہوتے تھے۔ ۱۔ جنوبی سمت سے آئی ہوئی پیدل سپاہ اور توپخانہ سے ایک دستہ مرتب کر لیا گیا ہے۔

۲۔ فلاں نمبر کا دستہ فلاں ٹیلہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔

۳۔ فلاں سپاہ فلاں راستہ سے مع اپنے سامان کے ایک کیلومیٹر کے فاصلہ پر پہنچ گئی ہے۔

۴۔ پیادہ فوج کا ایک دستہ فلاں سمت میں جانے کے ارادہ سے نصف کیلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکا ہے۔

سپہ سالار عام ان پیغامات سے جب حالت کو معلوم کر لیتا تھا اور پیامات کے مفہوم سے آگاہ ہو جاتا تھا تو ٹیلیفون کے ذریعہ احکام صادر کرتا تھا گویا وہ اپنی مسدی قوی آواز میں یہ حکم دیتا تھا۔

"قطرانجی کی خندقون کی طرف بڑھو، ان قطرانجی کی خندق کی جانب بڑھو"

خیمون کے اندر ایک سُرخ شعلہ چمکا اور مَین نے محسوس کیا کہ یہ پُراسرار آوازین آتشین گولون سے نکل رہی ہین اور اُن کی پُرپیچ روشنی مین تاریک خیمے روشن ہوگئے ہین اور اس خفیف روشنی مین سارجنٹ اور ایڈیسیانگ تیزی سے احکام کو لئے اُن لاسلکی کے کھمبون کے نیچے سے گذر رہے ہین جنکی آواز ہوا مین پھیلی ہوئی ہے۔

مین اس امر پر خدا کا شکر کرتا ہون کہ ہمارے سپہ سالار عام کے ذہن مین آئے یہ بات ڈالی کہ مین بھی اُس معرکۂ جنگ مین کام کرون جو بجلی کی سی قوت کے ساتھ جاری تھا اور اُس کے ساتھ ہمارے سر بھی گردش مین تھے اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ مین دن کو "ریڈرس یا سٹیس" اور "ٹکاتی مرنی" کے مضامین کا ترجمہ کیا کرتا تھا اور رات کو سپہ سالار عام کے دفتر مین کام کرتا تھا یا اُن خیمون مین جو ہمارے گرد پیش تھے: میرا کام یہ ہوتا تھا کہ مین جنگی نقل و حرکت کے روزانہ احکام کو لکھتا تھا یا ٹیلیفون کے آلہ پر کام کرتا رہتا تھا بعض بعض رات ایسی بھی گذری ہین کہ مین شام سے صبح تک ایک منٹ کے لئے بھی آنکھ نہ جھپکا سکا ہون اور ساری رات ٹیلیفون کا آلہ ہاتھ مین لئے بیٹھا رہا ہون اور سرکاری کام کرتا رہا ہون اور یا یہ ہے کہ مین دن رات برابر کام مین مصروف رہتا تھا لیکن میری چستی اور کام کی مقدار مین کوئی فرق نہ پڑتا تھا مین ٹیلیفون کے آلہ کو لئے بیٹھا ہون اور سُن رہا ہون کہ سپہ سالار عام رات رات بھر ڈویژنون اور دستون کے افسرون سے باتین کرتا رہا ہے اور صبح تک برابر گفتگو مین مشغول و منہمک رہا ہے سپہ سالار عام کی آواز اور لب لہجہ نہایت لطیف ہوتا تھا اور اُس کے سرکاری احکام سے اُس کی استقامت و استقلال کا پتہ چلتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ متقاریہ کے معرکون کے زمانہ مین سپہ سالار عام ایک منٹ کو بھی نہین سویا اور دن رات کامون مین مشغول رہا اور اس کا ثبوت اس سے ہوا کہ مین نے سپہ سالار عام کے دفتر مین ہر وقت نیلگون روشنی دیکھی جو شام سے صبح تک روشن رہتی تھی پھر مین اپنے خیمہ سے دیکھتا رہتا تھا کہ سپہ سالار عام کی شکل شام سے صبح تک برابر اپنے دفتر مین غور و فکر مین محو ہے اور کمرہ کے طول مین ادھر سے اُدھر ٹہل رہی ہے۔

دفتر جنگ کے مکان مین ایک طویل و عریض میز بچھی تھی جس کے دونون جانب نوجوان فوجی افسر جن مین سو سپاہیون کے افسرون سے لے کر ہزار سپاہیون تک کے افسر ہوتے تھے بیٹھے رہتے تھے مین دیکھتا تھا کہ یہ میز کبھی فوجی افسرون سے خالی نہ ہوتی تھی ان افسرون کے شگفتہ چہرے قومی نور ایمان سے روشن نظر

آتے تھے اور میں اُن کو دیکھ دیکھ کے اپنے دل میں کہا کرتا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس امر کا عہد کیا ہے کہ جب تک وہ دشمنوں کے ہاتھوں سے تمغا کو چھڑا نہ لیں گے اپنی تلواروں کو نیام میں نہ ڈالیں گے۔

سقارپسا کا میدان جنگ شطرنج کی بساط کے مانند تھا جس کے مہرے انسان تھے ان مہروں کی جماعتیں بساط کے گرد مقابل صفوں میں جمع تھیں اور خطرات کے مقابل دوبدو کھڑی تھیں اور ہمیشہ ادہر سے اُدہر اور اُدہر سے ادہر حرکت کرتی رہتی تھیں یعنی کبھی آگے بڑھتی تھیں اور کبھی پیچھے ہٹ آتی تھیں کبھی ایک مقام پر سب جمع ہو جاتی تھیں اور کبھی منتشر ہو جاتی تھیں۔ دوسرا ہفتہ شروع ہونے پر توپوں نے اپنے دہانوں سے بڑے بڑے گولوں کو اگلنا شروع کیا اور تھیلیوں سے سلسلۂ خبر رسانی کا کام [illegible] پوری قوت اور جوش سے کیا جانے لگا میں دیکھتا تھا کہ سپہ سالار اعظم کے مرکز کے سامنے بعض اوقات چند سوار آ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور آدھی رات کے بعد تک ٹھہرے رہتے تھے اور پھر گاؤں سے باہر چلے جاتے تھے اور مواضعات " اورذم ملی، جیانڈ، اور دوسری جگہوں کا نام بھی ہمیشہ ان الفاظ کے ساتھ شامل رہتا تھا۔

قطار بچی اور جالیاقلی کی خندقوں کی طرف بڑھ چلا اورذم ملی ....

اُن ایام میں بہت سے ٹیلوں، پہاڑوں اور غاروں کا نام لیا جاتا تھا لیکن آج جب مجھے وہ نام یاد آتے ہیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ گویا میں معجم البلدان (ممالک و امصار کے حالات کی کتاب) میں کوئی غم انگیز سانحہ پڑھ رہا ہوں۔

میرے خیمہ کے قریب ایک اور خیمہ تھا جس میں موٹر ڈرائیور رہتے تھے اس خیمہ کو بستی کے ان چھوٹے چھوٹے مکانوں پر جو قرب و جوار میں تھے اور بیشمار لشکرگاہ کے خیموں پر ایک خاص امتیاز حاصل تھا یہ موٹر ڈرائیور جب خالی ہوتے تھے یا سونے کو اُن کا جی نہ چاہتا تھا تو وہ اکٹھے ہو کر " مشاقی وی مونتیس " کا قصہ کہا کرتے تھے اُن میں سے ایک قصہ مذکور کی کتاب کو ہاتھ میں لے کر قصہ کو اس طرح شروع کرتا تھا۔

" اُس نیک خصلت اور پاکیزہ صفت معشوقہ نے اپنی نیلگوں آنکھیں " ارمان " کی طرف اُٹھائیں اور ایسی شیریں و دل آویز آواز میں اُس سے مخاطب ہوئی جو دلوں میں اُتری جاتی تھی گویا اُس کی آواز فرشتوں کے دلکش نغمے تھے "

اسی طرح پُراثر الفاظ میں قصہ کو شروع کیا جاتا اور جب تک وہ ختم نہ ہو لیتا اُس کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، کبھی یہ لوگ اپنا وقت گانے بجانے میں گذارتے اور کبھی لوگوں کی نقلیں کیا کرتے تھے مختصر یہ کہ

اُن کی عادت یہ ہو گئی تھی کہ وہ اخبار کے اُن کو مسرت کا دنیا میں پہنچا کر ہر وقت خوش رہتے تھے۔ اہل مصر اپنے اناطولی بھائیوں کی طرح خطرناک مواقع پر استقامت اور استقلال اور بے پروائی کا ثبوت نہیں دیتے تھے اور باشندگان استنبول کی مانند جرأت اور بہادری کا اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کیونکہ وہ اس کے عادی نہ تھے۔

میری عادت ہو گئی تھی کہ دوپہر کے وقت میں بیٹھے رہنے کے بعد انتظار کیا کرتا تھا کہ آیا یہ معلوم کر سکوں کہ میدان جنگ کی حالت اچھی ہے یا کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ میرا فوجی خادم سالم بھی اکثر باتیں سننے کا عادی تھا لیکن اُس کی عادت تھی کہ خطرناک خبروں کو بیان کرتے ہوئے وہ معلوم کر سکتا تھا میری طرح سے زیادہ ذکی الحس اور حالت خوشگوار ہوتی تو وہ میرے پاس آتا اور کہتا

آقائے من حالت اچھی ہے۔ خوش رہئے کہ لوگ کامیاب ہیں۔

لیکن جب کوئی بُری خبر آتی تو وہ خاموش ہو جاتا اور جا کر بیٹھ جاتا اور غور سے میری جانب دیکھتا رہتا تھا۔

شام کے وقت میں اُس ٹیلے پر چلا جاتا تھا جو ہمارے قریب تھا اور وہاں بیٹھ کر اِن چھوٹے پہاڑوں کا منظر دیکھتا رہتا تھا اُسوقت سپہ سالار عام کے دفتر کے سامنے فوجی بینڈ والے دلکش نغموں سے فضا کو معمور کرتا تھا اور ان نغموں سے مجھے وہ نغمے یاد آ جاتے تھے جو سینا کے اندر سننے میں آتے تھے۔

بعض اوقات توپوں کے گولوں کی آواز ابر کے اُن سُرخ ٹکڑوں میں جو ہمارے خیموں کے بائیں جانب نظر آتے تھے سنائی دیتی تھی، اِن آوازوں کو سُن کر میں سپہ سالار عام کے دفتر پر نظر ڈالتا اور اُسکی ہلکی ہلکی روشنی میں مجھے عصمت پاشا کا سر نظر آتا اور میں محسوس کرتا کہ عصمت پاشا نہایت استقلال و اطمینان اور سکون کے ساتھ منتہائے نظر تک کے وسیع میدان کو دیکھ رہے ہیں، کبھی کبھی میں خود سپہ سالار عام کو بھی عصمت پاشا کے ساتھ منظر کے نظارہ میں محو پاتا تھا جو حزم و ثبات کے ساتھ سر کو حرکت دیتے ہوئے اُن پہاڑوں کی طرف جو افق میں نظر آتے تھے انگلی سے اشارہ کر کے کچھ بتلایا کرتے تھے یقیناً اسوقت سپہ سالار عام اور عصمت پاشا جنگ کے موضوع پر گفتگو کرتے تھے اور باہم مشورہ سے معاملات کو طے کرتے تھے۔

دونوں سپہ سالاروں کو بہت دفعہ میں نے اِسطرح مشورہ کرتے ہوئے دیکھا لیکن اُن کی آواز سننے کا موقع نہیں ملا، میں نے انکو کبھی قریب سے نہیں دیکھا اور کیونکر دیکھ سکتا تھا اور کیونکر اُن کے قریب پہنچ سکتا تھا میں تو پیامی نام ایک چھوٹا سا فوجی شخص اور نائب افسر تھا۔ جب سپہ سالار عام کے مرکز کے

سامنے فوجی باجہ بج رہا تھا اور اپنے خیال میں، میں یہ محسوس کرتا تھا کہ سقاریہ کا سارا علاقہ سینما کا فلم بن گیا ہے، باجہ بج رہا ہے اور سینما کی مشین قلم (وہ فیتہ جس پر تصویریں بنی ہوتی ہیں اور جس کی تصویروں کا عکس سامنے کے پردہ پر پڑتا ہے) کو گردش دے رہی ہو اور سقاریہ کی نہر کا سرخ سرخ پانی تاریک فضا میں چمک رہا ہے۔ دوسرا ہفتہ ختم ہونے پر فریقین متحارب کے لشکروں میں ضعف و ناامیدی یا امید و بیم کی علامتیں نظر آنے لگیں آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور سپاہی گھٹنوں گھٹنوں خون میں کھڑے تھے اور ہر ایک دلمیں کہہ رہا تھا۔

فریقین میں سے کون سا فریق زیادہ مستقل و مضبوط ہے اور کونسا فریق یہ قدرت رکھتا ہے کہ سر میں چکر محسوس ہونے اور آنکھوں میں اندھیرا چھا جانے سے پہلے اپنے مضبوط پنجہ سے دشمن کے سر کو گرفت میں لاکر اس کو اپنے قابو میں کر لیگا۔

میرے دل میں جو سوال پیدا ہوا تھا اس کا جواب پانے میں مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نویں تاریخ کی صبح کو جبکہ میں نیند میں اس طرح مستغرق و غافل تھا جس طرح کوئی شخص کنوئیں میں ڈوب جاتا ہے ذہنی آفندی خیمہ میں داخل ہوا اور تیزی کے ساتھ مجھے جگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

سپاہی آفندی اٹھو ... جلد اٹھو ... ہم کوچ کر رہے ہیں۔

میں۔ کہاں اور کدھر جانے کا ارادہ ہے۔

ذہنی۔ ہم کو آگے بڑھنے کا حکم ملا ہے، اور سارا لشکر آگے بڑھ رہا ہے۔

پس میں تیزی کے ساتھ بستر سے اس طرح اٹھا جس طرح کمانی ہاتھ سے چھوٹ کر کھل جاتی ہے اور مثل میرے کانوں میں ہمسایہ موٹر ڈرائیوروں کے گانے کی آواز پڑی جو بلند آواز میں سب ملکر ایک رجز گا رہے تھے جسکا مفہوم یہ تھا۔

میں نے اپنے گھوڑے کو بلوط کے درخت سے باندھ دیا ہے ہاں بلوط کے درخت سے باندھ دیا ہے تم میرا اسلام عائشہ کو پہنچا دو۔ ہاں کالی آنکھوں والی عائشہ کو۔

یہ رجز سنکر میں نے ذہنی آفندی کی طرف دیکھا اور کہا۔

ذہنی آفندی کیا حرج تھا اگر یہ آنکھیں سبز ہوتیں۔

ذہنی۔ سپاہی آفندی کیا کہہ رہی ہو۔

ذہنی آفندی کے الفاظ سنکر میں طالب علم کے بچوں کی طرح ہنسا اور خیمہ سے باہر نکلا کیونکہ میں نے خادم سے کہا تھا۔ سالم دو پیالیاں قہوہ کی لاؤ۔

اس چھوٹے سے گاؤں کی پشت سے خوفناک آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو رہا تھا آسمان صاف تھا اور سامان ذخیرہ جنگ کی گاڑیاں ہمارے قریب سے گذر رہی تھیں ہمارے بھائی ترکی افسر خیموں کے سامنے ننگے سر قمیص پہنے کھڑے تھے اور حبشی سیاہ حیکلدار آفتابوں سے اُن کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا اور وہ منہ دھلا رہے تھے اور حبشی سب آپس میں ایک دوسرے سے بلند آواز میں ہنسی مذاق کر رہے تھے سپاہیوں کے قہقہوں اور مسکراہٹوں میں یہ حالت ہوتی تھی کہ اُن کے ہونٹ کشادہ ہو کر کانوں کی لو تک پہنچ جاتے تھے اس عالم فرح و مسرت کو دیکھکر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خیال کے اور یہ ہالی جھاڑیوں کو دھوپ میں ڈالنے کے لئے درختوں کی جو ٹہنیاں پھیلادی گئی تھیں اور وہ خشک ہوگئی تھیں آج کی ہوائے مسرت و فرحت نے اُن کو تروتازہ کر دیا ہے اور اُن کے خشک پتے سبز ہوگئے ہیں، میری حالت یہ تھی کہ میں کپڑے پہن رہا تھا، جامہ میں پھولا نہ سماتا تھا اور خوشی خوشی باتیں کر رہا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے آج ذہنی آفندی کو سب سے زیادہ خوش اور زیادہ باتیں کرتے دیکھا تھا ذہنی آفندی سے میں نے پوچھا۔

تمکو معلوم ہے میں اس گاؤں میں کس بات کا خواہشمند تھا۔

ذہنی۔ میرے دوست! تم کس چیز کے آرزومند تھے۔

میں۔ میری یہ خواہش تھی کہ سپہ سالار عالم کے حضور میں حاضر ہونے اور کاغذات پیش کرنے کا موقع کبھی مجھے ملتا خواہ ایک ہی مرتبہ ایسا ہوتا۔

ذہنی۔ کیا تم کو کبھی سپہ سالار عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع نہیں ملا۔

میں۔ جب کبھی میں کاغذات لیکر گیا اٹیکانگ نے کاغذات مجھ سے لے لئے اور مجھے خود پیش کرنے کا موقع نہیں ملا۔

ذہنی۔ میں تو کئی مرتبہ سپہ سالار عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کی عزت حاصل کر چکا ہوں۔

میں۔ خدا کے لئے کوئی واقعہ اس کے متعلق سناؤ۔

ذہنی۔ میں جب سپہ سالار عالم کے دفتر میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی میز اُن کے سامنے بچھی ہے جس پر نقشے پھیلے ہوئے ہیں اور وہ میز پر جھکے ہوئے غور اور محویت کے ساتھ ان نقشوں کو دیکھ

سے ہین ہاتھ مین سونے کا ایک قلم ہے جس سے وہ سوچ سوچکر نقشون پر نشان لگاتے اور لائین کھینچتے جاتے ہین اور پھر سر اُٹھا کر کچھ سوچنے لگتے ہین۔

مین۔ تم سے انھون نے کیا کہا۔

ذہنی۔ مین جب پہلی مرتبہ اُن کی خدمت مین حاضر ہوا تو انھون نے ترشروئی سے مجھے دیکھا مین نہین کہہ سکتا کہ یہ ترشروئی اسوجہ سے تھی کہ اس سے پہلے انھون نے کبھی مجھکو نہین دیکھا یا اس کا کوئی اور سبب تھا پھر مجھ سے انھون نے دریافت فرمایا۔

کیا خبر لائے ہو اچھی خبر ہے یا بُری۔

اس سوال سے مین گھبرا گیا اور جواب مین ظاہر کیا کہ۔

مین دستخط کی رپورٹ لایا ہون۔

یہ سنکر انھون نے ترش لہجہ مین فرمایا۔

مین یہ دریافت نہین کرتا، میرا سوال یہ ہے کہ خبر اچھی ہے یا بُری۔

مین نے جواب دیا۔ آقائے من اچھی خبر ہے۔

یہ سنکر انھون نے ملایمت کے لہجہ مین فرمایا اچھا لاؤ۔

اس کے بعد رپورٹ لے کر وہ پڑھنے لگے اسوقت اُن کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے اور وہ غور سے رپورٹ کے مطالعہ مین مشغول تھے، رپورٹ پڑھکر انھون نے غضبناک لہجہ مین کہا۔

اس رپورٹ مین بُری خبر ہے شاید تم اسکا مطلب سمجھے نہین۔

پھر جب دوسری مرتبہ مین اُن کی خدمت مین حاضر ہوا تو انھون نے مجھکو پہچان لیا اور دریافت کیا،

کیا خبر ہے اچھی یا بُری۔

مین نے عرض کیا۔ حضور والا نہ اچھی ہے نہ بُری یقین نہین ہے۔

" اچھا لاؤ " یہ کہکر انھون نے رپورٹ کو لے لیا اور غور سے پڑھکر زیر دتو بیخ کے لہجہ مین مجھ سے کہا۔

آفندی اسمین تو بہت اچھی خبر ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم پڑھتے ہو لیکن سمجھتے نہین۔

اس کے بعد انھون نے مختصر الفاظ مین جو نہایت فصیح تھے رپورٹ کے مفہوم اور خبرون کو بیان فرمایا،

اُسی روز شام کو تیسری مرتبہ مجھے حاضری کا موقع ملا، اور مین نے کانپتے ہوئے ہاتھون سے رپورٹ کو اُن کی

خدمت میں پیش کیا۔

مَیں۔ کیا اس دفعہ بھی تم سے اچھی بُری خبر کا سوال کیا گیا تھا۔

ذہنی۔ ہاں حسب عادت مجھ سے یہ سوال کیا گیا جس کے جواب میں مَیں نے ظاہر کیا کہ رپورٹ کا ابتدائی حصہ تو اچھی خبر نہیں دیتا لیکن آخری حصہ سے اچھی خبر معلوم ہوتی ہے۔

یہ سُنکر اُنھوں نے رپورٹ کو میرے ہاتھ سے لے لیا اور پڑھنا شروع کیا، پھر عصمت پاشا سے جو اُنکے سامنے جُھکے ہوئے غور سے نقشہ کو دیکھ رہے تھے دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوکر ترش روئی سے مجھے دیکھا اور کاغذوں پر دستخط کر دئے، میرا خیال تھا کہ سپہ سالار عام زجر و توبیخ سے کام لیں گے لیکن اس کے خلاف اُنھوں نے میری آنکھوں پر نظر ڈالی اور مسکرا کر فرمایا۔ لو یہ کاغذات کو دیکھا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کاغذات میں لے کر گیا تھا اُن میں کوئی اچھی خبر تھی، مَیں نے محسوس کیا ہے کہ ہمارے سپہ سالار عام طویل رپورٹوں اور معمولی اطلاعات سے اہم نتائج نکالنے میں خاص ملکہ رکھتے ہیں اور جو نتیجہ وہ نکالتے ہیں وہ کبھی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

مَیں۔ کیا تم کبھی عصمت پاشا کی خدمت میں بھی حاضر ہوچکے ہو۔

ذہنی۔ بہت دفعہ۔

مَیں۔ افسوس ہے کہ مَیں اُن کی خدمت میں حاضری کی سعادت سے بھی محروم ہوں۔

ذہنی۔ کیا ہر مترجم یا ہر مصوّر اس امر کا اہل ہے کہ وہ بڑے بڑے افسروں کی خدمت میں حاضر ہو۔

مَیں۔ لیکن مَیں اُن کی تصویریں کھینچوں گا اور بعض اوقات ....

ذہنی۔ بعض اوقات کیا۔

مَیں۔ اور بعض اوقات وہ اپنے ہاتھ سے ان تصویروں پر دستخط کرکے مجھے دیدیں گے۔

میرے خیال میں میری یہ آرزو ایک بڑی آرزو تھی جو میرے رتبہ سے زیادہ تھی کیونکہ مَیں آستانہ کی وزارت خارجہ کا قبل ازیں ایک معمولی عہدہ دار تھا اور اب ایک معمولی افسر اجوٹنٹ میجر کے رتبہ کا ہوں۔

ستمبر کی نویں تاریخ کو پھر دوبارہ ہمنے اس گاؤں کے چٹیل میدان کو طے کیا ہم اسوقت نہایت مسرور اور خوش تھے اور گویا اُن ترک سواروں کا نمونہ تھے جن کی تعریف یحیٰی کمال نے کی ہے جسوقت ہم دو سَو نوجوان سواروں کی جماعت کے ساتھ نہر سقاریہ کے کنارے کی طرف بڑھ رہے تھے اُسوقت سُورج کی

تیز و تند اور زرین کرنیں سبز ٹیلوں سے کھیل رہی تھیں۔

شام کو ہم دوسرے لشکر گاہ میں پہنچ گئے جو ریلوے لائن پر واقع تھا یہاں ہمارے مکان ریلوے کی گاڑیاں تھیں قیام گاہ پر پہنچ کر سب سے پہلے میں نے یہ کوشش کی کہ مجھے ذہنی آفندی کے ساتھ رہنے کا موقع ملے جب میں اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور فوجی باجہ نے اپنا نغمہ شروع کیا تو میں ذہنی کی طرف متوجہ ہوا اور آہستہ آواز میں اس سے دریافت کیا۔

ذہنی آفندی کیا سو گئے۔

ذہنی۔ تم کیا چاہتے ہو۔

میں۔ وہ سفری شفاخانہ جو سپاہ کے ساتھ مخصوص ہے تمہارے خیال میں وہ کتنی قریب ہوگا۔

ذہنی۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔

میں۔ میں زخمی ہونے کا آرزومند ہوں۔

ذہنی۔ اگر تمہاری آرزو پوری ہو جائے تو فوراً شفاخانہ چلے جانا وہ یہاں سے صرف دس منٹ کے فاصلہ پر ہے۔

دیر تک خاموش رہنے کے بعد میں نے پھر ذہنی کی طرف توجہ کی اور کہا۔

ذہنی آفندی۔

ذہنی۔ کیا کہتے ہو تم ابھی تک سوئے نہیں۔

میں۔ میں چاہتا ہوں کہ پلٹن ……… میں شامل ہو جاؤں تمہارے خیال میں اسکا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

ذہنی۔ تم پلٹن ……… میں جانا چاہتے ہو لیکن تمہارے خیال میں کیا وہ پلٹن تمکو لے لیگی۔

پھر دیر تک ہم خاموش رہے اور اس کے بعد ذہنی نے مجھکو آواز دی۔

پیامی آفندی۔

میں۔ ہاں۔

ذہنی۔ پلٹن ……… سے جو رپورٹ سپہ سالار عام کے نام آج موصول ہوئی ہے مجھے اسکا مضمون معلوم ہو گیا ہے۔

میں۔ اسمیں کیا تھا۔

ذہنی۔ میدان جنگ کے اُس حصہ مین جہان پلٹن ۔۔۔ کام کر رہی ہو ایک ایسے فوجی افسر کی ضرورت ہے جو یونانی زبان اچھی جانتا ہو۔

مین۔ سپہ سالار عام سے تمھارے تعلقات اچھے ہین کیا تم میری سفارش کر سکتے ہو۔

ذہنی۔ سپہ سالار عام میری درخواست کو رد نہ کرینگے تم انتظار کرو مین کل اسکا جواب دونگا۔

---

۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء

رات کی گہری تاریکی فضا مین چھائی ہوئی تھی جبکہ مین گھوڑے پر سوار پلٹن ۔۔۔ کی طرف جا رہا تھا تاکہ اُس کے افسر اعلیٰ کی خدمت مین وہ سرکاری کاغذات پیش کرون جن مین میری خدمات اُس کی ماتحت پلٹن مین منتقل کیئے جانے کے احکام درج تھے جب مین پلٹن کے قریب پہنچا تو مین نے دیکھا کہ وادی کا پست و بلند سارا حصہ روشنی سے جگمگا رہا ہے گویا وادی مین بڑے بڑے کرم شب تاب (جگنو) اُڑ رہے ہین اور ساری فضا اُن سے بھری ہوئی ہے ایک جانب انگیٹھیان روشن ہین جن سے شعلے بلند ہو رہے ہین اور ان شعلون کا عکس یا سایہ آدمیون کی شکل مین کبھی ادہر اور کبھی اُدہر حرکت کرتا نظر آتا ہے پھر میری نظر ان سرخ شعلونکی روشنی مین سپاہ کے اُس سامان پر پڑی جو ادہر اُدہر غیر مرتب طریقہ پر پڑا تھا۔

سفری شفاخانہ کا منظر اسوقت نہایت دلکش تھا یہ ایک وسیع میدان مین تھا اور نہایت منتظم طریقہ پر تھا اور روشنی بھی اُسمین لشکر سے زیادہ تھی یہ شفاخانہ لشکر سے کسی قدر فاصلہ پر اور ایک گوشہ مین تھا اور اگرچہ مین اس سے واقف نہ تھا کہ شفاخانہ کے اندر اسوقت کیا ہو رہا ہوگا اور نہ مجھے کچھ دکھائی دیتا تھا لیکن میرا خیال یہ منظر میرے سامنے پیش کر رہا تھا کہ عائشہ شفاخانہ کے اندر اطمینان سے ادہر اُدہر ٹہل رہی ہے اور اُس کے دونون ہاتھ مریضون اور زخمیون کی تیمارداری مین مشغول ہین اور وہ اُن کو شفقت کے لہجہ مین تسکین و اطمینان دلا رہی ہے۔

جب مین گانون (یا لشکرگاہ) کے دروازہ پر پہنچ گیا تو پہرہ کے سپاہی سے مین نے صدر ارکان حرب (فوجی کمیٹی کے صدر) کے دفتر کا پتہ دریافت کیا جسکے جواب مین اُسنے بتلایا کہ یہان سے سیدھے چلے جاؤ اور پھر دائین جانب مڑ جانا۔

گانون کی پُشت پر ایک پہاڑ تھا جس کی چوٹیان گانون پر سایہ کیئے ہوئے تھین، دُور سے یہ پہاڑ ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ گویا وہ بہت بڑا سیاہ کھنڈر ہے جو گاؤن کے سفید سفید چھوٹے مکانات کے سہارے کھڑا ہے موضع کے دائین جانب ایک مستطیل میدان تھا جس کے گرد مکانات تھے گاؤن کے اندر پہنچکر مجھے معلوم ہوا کہ یہ آبادی تاتاریون کی ہے جن کے مکانات مین لمبی لمبی گیلریان ہین کھڑکیون کے دروازے بند ہین اور ان کے سوراخون سے روشنی چمک رہی ہے۔

گاؤن کے اندر مین جا رہا تھا کہ میری نظر ایک تاتاری عورت پڑ پڑی جو چپاتیون کے گھیر مین سے نکلی تھی اس کے ایک ہاتھ مین دودھ کا برتن تھا اور گود مین چھوٹا سا بچہ راستہ مین مین نے متعدد گھوڑے دیکھے جن کے پیچھے گائین اور بیلون کے سر نظر آتے تھے، آخر مین اُس مکان کے دروازہ پر پہنچ گیا جو راستے کے آخر مین واقع تھا مکان مین کافی روشنی تھی اور دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا تھا مین نے اُس سے پوچھا،

کیا صدر ارکان حرب اسی مکان مین ہین۔

سپاہی نے جواب دیا جناب والا وہ اُس کرہ مین تشریف رکھتے ہین۔

مکان کے اندر داخل ہوکر مجھے ایک چھوٹا سا دیہاتی کمرہ نظر آیا جسمین احسان کوٹ پہنے میز پر جھکا ہوا کچھ لکھ رہا تھا، احسان کا چہرہ زرد تھا اور تکان کی علامتین نمایان تھین وہ سر جھکائے کام مین مشغول تھا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ کون آیا ہے اُسنے سر کو بھی نہ اُٹھایا، کمرہ مین داخل ہوکر مین نے کہا۔

میرا نام پیامی ہے اور مین مغربی سمت کے محکمہ خبر رسانی کا ایک ملازم ہون اور یہان اس لئے آیا ہون کہ پلٹن ع‌ت کے ماتحت اپنی خدمات کو انجام دون۔

جس طرح تیر کمان کے چلے سے نکلکر تیزی سے جاتا ہے اُسی طرح تیزی سے احسان اُٹھا گرمجوشی کیساتھ مجھ سے مصافحہ کیا اور اس طرح ملا جس کی مجھے کوئی اُمید نہ تھی اور پھر مجھے مخاطب کرکے کہا۔

اہا۔ پیامی تم ہو۔ تم کیسے ہو اسوقت مین ضروری کام مین مشغول تھا صبح کو مجھے اپنے جانشین کے ہاتھ مین چارج دینا ہے۔

مین۔ تم یہان سے کیون جاتے ہو مین تو یہان صرف اس لئے آیا ہون کہ تمھارے ساتھ رہون گا۔

احسان۔ دستہ ع‌ت کا افسر شہید ہوگیا ہے۔ مین نے سپہ سالار عام سے خواہش کی تھی کہ اُس دستے کی قیادت میرے سپرد کی جائے میری خواہش کو منظور کر لیا گیا ہے اور مین اب اُس کی قیادت پر جا رہا ہون پیامی مین آگ کے قریب رہنا چاہتا ہون کیونکہ فضا بہت سرد ہوگئی ہے کیا تم نہین دیکھتے کہ مین کمرہ کے

اندر بھی کوٹ پہنے بیٹھا ہوں۔

یہ کہکر احسان نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا اور مسکراہٹ کے بجائے صرف رخساروں کو خفیف سی حرکت ہوئی میں نے غور سے دیکھا کہ احسان کی آنکھیں پژمردہ بے رونق اور حلقوں میں دھنسی ہوئی ہیں اور درد و الم کے آثار چہرہ سے نمایاں ہیں احسان کے قریب جاکر میں نے اپنا ہاتھ اسکے کاندھے پر رکھدیا لیکن میں یہ نہیں بتلاسکتا کہ اس کے کاندھے پر میں نے ہاتھ کیوں رکھا تھا، پھر میں نے اس سے کہا۔

احسان کیا تم مجھکو اپنے ساتھ نہ لیچلوگے۔ میں بھی بہت سردی محسوس کررہا ہوں اور آگ کے قریب رہنا چاہتا ہوں۔

احسان۔ پیارمی آگ کے شعلے انسان کے ہاتھوں اور پاؤں کو جلاکر خاک کردیتے ہیں اور کبھی روح بھی آگ کے شعلوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔

میں۔ احسان میں ان سب باتوں کو پہلے سے جانتا ہوں۔

یہ سنکر احسان خاموش ہوگیا اور پھر خبررساں سپاہی کو بلاکر حکم دیا کہ وہ فلاں فلاں افسروں کو بلالائے ان افسروں کو ضروری ہدایات دیکر اسنے رخصت کردیا۔ اور پھر کاغذات کو سکون وطمانیت کے ساتھ اکٹھا کیا اور دستانوں کو پہنکر مجھ سے کہا۔

پیارمی آؤ اس پہاڑ پر چلیں۔

میں۔ لیکن تم تو سردی محسوس کررہے تھے۔

احسان۔ ہاں ایسا ہی تھا لیکن اب میں کسی چیز کو محسوس نہیں کرتا۔

میں سمجھ گیا کہ آج رات کو میں پہاڑ کی چوٹی پر احسان کی روح کو عریاں دیکھوں گا اور مجھے اس امر کا یقین ہوگیا ہے کہ آج احسان ضرور اپنے حالات مجھ سے بیان کریگا اس خیال و اذعان کی بنا پر میں نے ہیبت واحتشام کی قیود کو برطرف کردیا اور نہایت آزادی و اطمینان کے ساتھ اس کے ہمراہ ہولیا ہم دونوں پہاڑ پر چڑھنے لگے سامنے وادی تھی جسمیں چراغ روشن تھے اور روشنی میں خیمے سرخ سرخ نظر آرہے تھے آگے بڑھ کر ہمنے ایک روشنی دیکھی جو پہاڑ کی پشت پر فضا میں پھیلتی ہوئی نظر آرہی تھی احسان اس روشنی کو دیکھکر کھڑا ہوگیا اور غور سے روشنی کو دیکھنے لگا پھر آگے بڑھا اور مجھ سے مخاطب ہوکر کہا۔

بہرحال انکشاف حالات کے لئے ہم کو پہاڑ کی چوٹی پر جانا ضروری ہے، پیا آمی آؤ ہم راستہ میں باتیں کرتے چلیں گے۔

میں خاموش اس انتظار میں تھا کہ دیکھیں احسان کیا کہتا ہے جب کانوں اور لشکرگاہ کی روشنی نظروں سے مخفی ہوگئی تو احسان نے گفتگو شروع کی اور اُس کا بیان شروع ہوتے ہی میں نے محسوس کیا کہ جو کثیف تاریکی دو سال سے میرے قلب پر چھائی ہوئی ہے وہ آج اس نئی روشنی میں عائشہ اور احسان کے چہروں کے ظہور سے کافور ہو رہی ہے، احسان کا چہرہ تو سامنے تھا اور واضح طور پر میں نے اُسکو دیکھ لیا تھا اور پھر جو کچھ اُس کے دل میں تھا اُس سے بھی میں واقف تھا لیکن اس سے پہلے کہ پہاڑ کے اندر اس روح پر پردہ ڈالا جائے عائشہ میرے ہاتھوں سے نکل چکی تھی اور بے نشان راستوں میں چھپ گئی تھی احسان نے اپنی داستان اُن ایّام سے شروع کی جبکہ ہم آستانہ میں تھے اور عائشہ آستانہ پہنچ چکی تھی لیکن یہ داستان بالکل غیر مربوط تھی اور اسکا کوئی سلسلہ نہ تھا وہ ایک واقعہ کو بیان کرتے کرتے یکایک دوسری طرف متوجہ ہو جاتا تھا اور دوسری بات بیان کرنے لگتا تھا، واقعہ کے سلسلہ کو وہ نہایت مختصر الفاظ میں شروع کرتا پھر اُس کی تفصیل سے محترز رہنے کے لئے گریز کر جاتا تھا اُس کی گفتگو یا طرز بیان بالکل۔ اوپیرا کے اُن مبہم نغموں سے مشابہ تھا جو بڑی بڑی فصلیں یا باب رکھتے ہیں لیکن اُس کی تمہید میں تمام الم انگیز واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے اور حادثہ کے راز کی تفصیل اور اُس کے نتائج سے اجتناب کیا جاتا ہے احسان واقعات بیان کر رہا تھا کہ یکایک اُسنے پلٹا کھایا اور دوسرا بیان شروع کر کے مجھے حیرت میں ڈال دیا چنانچہ اُسنے پچھلا سلسلہ چھوڑ کر کہا۔

مختصر یہ ہے کہ میں بھی تمہارے اور دوسرے تمام لوگوں کی طرح عائشہ کے بخار میں مبتلا ہوں، لیکن میرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جب عائشہ نے اپنے آتشین چابک کے شعلے سے میری پشت کی تواضع کی تو اس شعلہ یا اس آتشین چابک کی ضرب نے مجھے دوسروں کی طرح سمرنا کی طرف دھکیل نہیں دیا بلکہ دوسرے لوگوں نے جب سمرنا کی جانب کوچ کر دیا تو میں نے عائشہ کو اپنی اُمیدوں کا مرکز یا قبلۂ آمال بنا لیا، جس روز میں نے عائشہ کا استقبال آستانہ کے بندرگاہ پر کیا ہے اور اُس کی سبز آنکھوں اور سرخ سرخ ہونٹوں کو دیکھا ہے اُس روز سے عائشہ کا زہر میرے خون میں شامل ہو گیا ہے اور رگوں میں دوڑتا پھر رہا ہے۔

پیامی میں اُن لوگون میں سے ہون جن کا تعارف عورتون سے حالیہ ہی مین ہوا ہے لیکن باین ہمہ میرا ربط عائشہ سے نہ تو بخار کی مانند ہوا اور نہ اُسکو محبت کی اقسام مین داخل کیا جا سکتا ہے بلکہ مین اس ربط کو ایک مصیبت اور طاعون خیال کرتا ہون عائشہ نے میری روح کا کوئی حصہ ایسا نہین چھوڑا ہے جس پر اُسکا اقتدار نہ ہو وہ میری رگ رگ مین سرایت کئے ہوئے ہے اُسنے میری دُنیائے روح مین زلزلہ ڈالدیا ہے اور اُسکو تہ و بالا کر دیا ہے۔

ہر چیز تباہ و برباد ہوگئی۔ ہر قسم کے تعلقات منقطع ہوگئے۔ ہر انسانی شکل پژمردہ ہوگئی؛ یہان تک کہ ساری دُنیا تاریک ہوگئی لیکن عائشہ...... ہان عائشہ..........

صرف عائشہ کی ایک ہستی ہے جو میرے سامنے کھڑی ہے اُس کے ہونٹون مین وہی شعلے ہین جو پہلے تھے اور اُس کی آنکھون مین وہی زہر ہے جو پہلے تھا وہ ہمیشہ میرے سامنے رہیگی اور کبھی میری نظرون سے جُدا نہ ہوگی۔

پیامی! میری تمام آرزؤن کا ماحصل یہ ہے کہ مین عائشہ کے چہرہ کے سامنے اور اُس سے قریب ہون ہان اُس چہرہ کے قریب جو ہر اُس شخص سے دُور رہتا ہے جو اُس کا قرب چاہتے ہین اور پھر یہ کہ مین اُس دشواری سے حاصل ہونیوالی چیز کو حاصل کرلون جو اُس کی آنکھون اور اُس کے ہونٹون کے اندر چھپی ہوئی ہے، مین نہین کہہ سکتا کہ وہ چیز کیا ہے آیا وہ موت ہے یا زندگی۔

مین عائشہ کی آنکھون اور ہونٹون کے اشارون کا مطیع و منقاد ہون اور میرے خیال مین اس زندگی کے اندر بجز عائشہ کی اطاعت کے اور کوئی چیز میرے لئے لذت بخش نہین ہے نہ اس سے بہتر و اہم کوئی کام ہے وہ کونسا ایسا دُشوار گذار راستہ ہے جسکو مین نے اس خیال سے اختیار نہ کیا ہو کہ وہ مجھے اُس عورت تک پہنچا دیگا جو ناممکن الحصول ہونے مین سراب کی مانند ہے۔

عائشہ کے زہر اور بخار سے وہ کونسا درد و الم ہے جو مجھے نہ برداشت کرنا پڑا ہو مین جن آلام و مصائب کو اُٹھا رہا ہون وہ اس قدر سخت ہین کہ نہ اُن کو آگ کے شعلے جلا سکتے ہین، نہ خون اُن کو دھو سکتا ہے اور نہ موت اُن کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ جس روز سے کہ عائشہ سے میرا تعارف ہوا ہے اُس روز سے اسوقت تک کوئی رات ایسی نہین گذری ہے جسمین مین نے اُسکو خواب مین نہ دیکھا ہو مین جو کچھ کرتا ہون جو کچھ کہتا ہون اور جس چیز کو دیکھتا ہون سب مین مجھے عائشہ شریک نظر آتی ہے۔

میرا رب میرے دل کی کیفیت سے آگاہ ہے اور جو کچھ میرے قلب مین ہے وہی اُس سے اچھی طرح واقف ہے اس لئے مین ایک ایسے سپاہی کی طرح جو اپنی عزت و عظمت پر فوقیت رکھتا ہو، کلام کر رہا ہون اور اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ اگر عائشہ کسی روز مجھکو یہ حکم دے کہ تم فوراً میدان جنگ سے چلے جاؤ، تو مجھے اُسکے حکم کی تعمیل مین ایک لمحہ بھی پس و پیش نہ ہوگا، مین فوراً میدان جنگ کو چھوڑ دونگا اور اُس کے حکم کو بجا لاؤنگا لیکن یہ شرط ہوگی کہ پھر اپنے طپنچہ سے اپنے دماغ کو پاش پاش کر دونگا اور میدان جنگ سے رخصت ہونے کے ساتھ ہی دنیا سے بھی رخصت ہو جاؤنگا۔

وہ بخار حسین مین عائشہ سے تعارف حاصل کرنے کے بعد مبتلا ہوا اُن ایام مین جو مینے آستانہ مین گذارے برابر شدت اختیار کرتا رہا، پیارے تم کو وہ دن یاد ہوگا جس روز کہ مین عائشہ سے آستانہ مین رخصت ہو کر ناطولیہ آ رہا تھا اُس روز میرے دل مین یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ مین تم کو مار ڈالون تاکہ میدان میرے لئے خالی ہو جائے اور پھر مین تنہا عائشہ کے سامنے جھک کر اپنے درد دل کی داستان اُسکو سناؤن۔

پھر جب مین اُس سے علیحدہ ہو کر ناطولیہ مین پہنچنے لگا تو وہ آگ جو میرے سینہ مین بھڑک رہی تھی جنون کی شکل اختیار کرنے لگی اور مین ہان مین جو سپاہ کی طاقت کے سوا کسی دوسری طاقت کا قائل نہ تھا عائشہ کی قوت ارادی کے سامنے سرنگون ہو گیا اور یہ اُسوقت کا واقعہ ہے جبکہ مین بے قاعدہ جماعتون کا افسر تھا اور یہ خیال قائم کئے ہوئے تھا کہ ان جماعتون کی رہنمائی سے مین شورش کو دفع کر سکون گا اور کامیابی حاصل کر لون گا۔

اس کے بعد وہ دن آیا جبکہ مین عائشہ کی قوت ارادی کا اسیر ہو کر اُن باغیون اور سرکشون کی سرکوبی کے لئے کھڑا ہوا تھا جو ملک کے سارے حصون مین پھیلے ہوئے تھے اور جنھون نے ملک کے گوشہ گوشہ مین بغاوت کی آگ بھڑکا رکھی تھی، مین نے بغاوت فرو کرنے کی راہ مین اتنی سنگدلی اور سختی سے کام لیا کہ آج جب مین اُن سختیون کو یاد کرتا ہون تو میرے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے مین نے آبادیون کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا اور بہت سے لوگون کو پھانسیان دیکر باغیون اور سرکشون پر خوف طاری کر دیا تھا اور یہ سب کچھ مین نے اس لئے کیا تھا کہ اس طریقہ پر مین سمرنا کی راہ ہان سمرنا کی اُس راہ کو جسکو عائشہ کی آنکھون کی سبز شعاعون نے روشن کیا تھا صاف کر دون اور آگے بڑھنے کا موقع بہم پہونچاؤن۔

وہ عورت جس سے مین تمام سختیون پر مجھکو آمادہ کیا تھا ہان وہ عورت جس نے مجھکو حکم دیا تھا کہ جس طریقہ پر

ممکن ہوئیں تمنا کی راہ کو کشادہ کرنے والی وہی عورت تھی جسنے اپنی ہمدردی، اور رحمت و اخلاق کی تجلیوں کے مظاہر سے میرے دل کو موہ لیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ عائشہ نے میری شخصیت کی کایا پلٹ دی تھی اور اب میں وہ نہ تھا جو پہلے تھا اُس نے مجھکو ایک ایسی شکل میں ڈھال دیا تھا جسکا پہلے مجھے سان و گمان بھی نہ تھا۔

پیاری جب تم اور عائشہ اصفہان آئے ہوئے تھے میرے ساتھ ایک اور نوجوان لفٹننٹ تھا گورا رنگ اور اُسکے منہ کا چھوٹا سا دہانہ تھا احمد رفقی اُسکا نام تھا۔ تم کو یاد ہوگا لوگ اُسکو لفٹننٹ کہا کرتے تھے یہ نوجوان میرے دس ماتحت سپاہیوں کا افسر تھا۔ تم کو معلوم ہو میں کس قدر اذیت پاتا تھا جب یہ دیکھتا تھا کہ عائشہ اور وہ گھوڑوں پر سوار پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔ میں اس امر کا یقین رکھتا ہوں کہ عائشہ کی شفقت و محبت احمد رفقی کے ساتھ بالکل اُسی قسم کی تھی جیسی کہ بڑی بہن کو چھوٹے بھائی کے ساتھ ہوتی ہے اور واقعہ بھی یہی تھا۔
بعض اوقات عائشہ کی اُس شفقت و محبت کا اثر مجھ پر بھی پڑتا تھا جو وہ احمد رفقی کے ساتھ ظاہر کرتی تھی اور میں اپنے دل میں بھی اس چھوٹے سے لفٹننٹ کی محبت محسوس کرنے لگتا تھا اور یہ محبت بعض اوقات اتنی بڑھ جاتی تھی جتنی کہ میرے قلب میں گنجائش ہوتی تھی لیکن بعض اوقات اُس کے خلاف میرے قلب میں غیرت رشک کا جذبہ بھی پیدا ہوجاتا تھا۔ ہمدردی زائل ہوجاتی تھی اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ نیند آنکھوں سے اُڑ جاتی تھی اور رات بھر میں اُن تدابیر کو سوچتا رہتا تھا جن کے ذریعہ میں اس خار کو اپنی راہ سے ہٹا سکوں، ایسی حالت میں۔ میں اکثر اپنے آپ کو مخاطب کرکے بلند آواز میں کہا کرتا تھا۔

میں دیوانہ ہوگیا ہوں۔ میں نے اپنی ہستی کا خاتمہ کردیا ہے۔

پیاری تمھیں وہ دن بھی یاد ہوگا جس روز کہ چرکسیوں نے اس مسکین کو خندق کی راہ میں قتل کیا تھا عائشہ نے جب یہ خبر سُنی تو فوراً، گھوڑے پر سوار ہوئی اور احمد رفقی کے بے جان جسم کی طرف دوڑی، میں نے اُس روز جب اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ عائشہ احمد رفقی کے بے جان جسم کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھا رہی ہے اور اُس کے ہمراہی احمد رفقی کی نعش پالکی کی طرف لے جارہے ہیں اور اس حادثہ سے متاثر ہوکر سب کے سب رو رہے ہیں تو مجھ پر دو کیفیتیں طاری ہوئیں ایک جذبہ تو یہ تھا کہ احمد رفقی کی نعش کو عائشہ، اور اُس کے ساتھیوں سے چھین لوں اور اُس کے جسم کو پاش پاش کردوں، دوسری کیفیت یہ آرزو تھی، کہ کاش میں اپنی روح کو احمد رفقی کے جسد بے روح میں ڈال سکتا اور پھر عائشہ سے کہتا۔

جس نوجوان کے لئے تو رو رہی ہے میں اُس کے لئے اپنی زندگی سے دست بردار ہوتا ہوں تاکہ وہ

پھر زندہ ہوجائے اور تیرے آنسو تھم جائیں ....

احسان نے اپنی داستان یہاں تک بیان کی تھی کہ ہم پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ گئے، ہماری نظر ایک گولہ پر پڑی جو دور سے ہوا کے گندم گون اور چکیلے طبقہ کو چیرتا ہوا نیلگون آسمان کی طرف جا رہا تھا پھر یہ گولہ نیچے کی جانب جھکا اور تیزی سے زمین کی طرف آنے لگا اس کے ٹکڑوں کی روشنی ایسی معلوم ہوتی تھی گویا وہ چراغ یا چمکدار ستارے ہیں، اسوقت چاند کی روشنی نے اناطولیہ کے بلند اور زرد پہاڑوں کو روپہلی لباس پہنا رکھا تھا جو پہاڑوں کے میدانوں پر لہرا رہا تھا، پھر میں نے دیکھا کہ سپاہ کی مختلف جماعتیں خاکی لباس میں پہاڑ سے متصلہ ہموار میدانوں میں پھر رہی ہیں اور کل کے لئے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور نیلگون ہوا دھوئیں کی سفیدی میں انکو گھیرے ہوئے ہے، ہمارے سامنے ایک بڑی دوربین لگی ہوئی تھی جو نگرانی اور حالات معلوم کرنے کے مورچوں کے پیچھے تھی اور دوربین کے دونوں جانب خاکی لباس میں ملبوس دو شکلیں کھڑی تھیں۔

دوربین کے قریب پہنچکر احسان نے سلسلہ گفتگو منقطع کردیا۔ دوربین کی طرف بڑھا اور مورچہ کے اندر داخل ہوگیا اور احسان دشمنوں کی نقل حرکت اور جنگی مقامات کی دیکھ بھال میں مشغول تھا اور اُدھر میں ایک پتھر پر بیٹھا ہوا اُس لذت سے متمتع ہو رہا تھا جو ہر اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو خوبصورت اور سرسبز پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہو۔ اور خصوصاً مجھ جیسے شخص کو جسکو دس سال سے پہاڑ کی بلندی پر جانے کا موقع نہ ملا تھا۔

میں اُس کیفیت رنج والم اور فرحت و مسرت کو بیان نہیں کرسکتا جو اسوقت مجھپر طاری تھی، البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ پہاڑ کی چڑھائی نے مجھ کو خستہ کردیا تھا اور اب مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اُس مقام سے جہاں میں بیٹھا تھا ایک قدم بھی آگے بڑھ سکوں، میں خاموش بیٹھا ہوا مناظر کا لطف اٹھا رہا تھا اور اُس شکل لطیف کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا جو مورچہ میں کھڑی دشمنوں کی نقل وحرکت کو دیکھ رہی تھی یہ انتظار اس لئے تھا کہ میں پھر اُس کی داستان سنوں اور اُس کے ساتھ تھوڑا وقت گذاروں۔

احسان نے دوربین سے دشمن کے اور اپنے لشکر کے حالات و مقامات کو دیکھکر ٹیلیفون کا آلہ ہاتھ میں لیا اور اپنے اُن فوجی بھائیوں سے باتیں کرنے لگا جو ہم سے بہت دور خشک پہاڑیوں اور میدانوں میں پناہ گزین تھے، پھر اُسنے سپاہ کو اپنا سلام پہنچایا اور مبارکباد دی اور اس کے بعد واپس آکر میرے پاس بیٹھ

گیا اور جہاں سے داستان کو چھوڑا تھا وہیں سے اُسنے پھر سلسلۂ داستان کو چھیڑا۔

احسان کی منزل میں زندگی اور حیات عائشہ کی راہ میں آلام ومتاعب برداشت کرنے کی داستان کا تمام تھا اس کے علاوہ اور جو مشاغل وفرائض تھے یعنی سرکاری فوجی خدمات اور تمام ظاہری اعمال وہ سب گویا اُس کی نگاہ میں عالم خواب کی باتیں تھیں جو اُس کی توجہ اور فکر کے بغیر سر انجام پاتی تھیں لیکن یاقوت کے منظر اور آج کی رات نے تھوڑی دیر کے لیئے اُس کی سابق شخصیت کو بحال کر دیا تھا اور اس منظر اور رات نے اُس کی چنگاریوں میں سے ایک شرارہ کو چمکا دیا تھا اُسنے میرے پاس ٹھیکرا کیا۔

صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق پیش آیا ہو کہ میرے ذہن میں عائشہ سے جُدا ہو جانے کا خیال پیدا ہوا تھا یہ اُسوقت کا واقعہ ہی جبکہ ہم اناطولیہ میں بے قاعدہ جماعتوں کی جدوجہد سے بے پرواہ ہو گئے تھے اور اُن کی حرکات سے عاجز آ گئے تھے اور باقاعدہ سپاہ کو ہمنے مرتب کر لیا تھا کیونکہ اب ہمنے جو کام شروع کیا تھا (باقاعدہ سپاہ کی ترتیب کا کام) وہ سمرنا اور عائشہ سے کوئی خصوصیت نہ رکھتا تھا بلکہ اُس کی نوعیت دوسری ہی تھی پھر جب میں اینا اونی کے معرکہ میں شریک ہوا تو میری سابق شخصیت و حالت عود کر آئی اس کے بعد ہم جسقدر جنگ کے معرکوں میں گھستے گئے میرے قلب سے عائشہ کے ظلم وستم کا اثر کم ہوتا گیا یہ تمام واقعات اُس زمانہ کے ہیں جبکہ عائشہ عسکی شہر میں مقیم تھی لیکن جب میں اپنی خدمات کے سلسلہ میں اہم و زبردست معرکے کے بعد کیوہ میں آیا تو میری حالت پھر بدل گئی۔ عائشہ کے مرض نے عود کر کے مجھے پھر مصائب میں مبتلا کر دیا اور میری حالت جنون کے درجہ تک پہنچ گئی آخر اس کا انجام یہ ہوا کہ میں فسق وفجور کی پناہ میں چلا گیا کیونکہ میرے نفس نے مجھکو یہ مشورہ دیا کہ میں جس مرض میں گرفتار ہوں اُس سے سرکاری کاموں کی انجام دہی اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے سے مجھے نجات نہیں مل سکتی، بلکہ اس علت سے شفا پانے کا ذریعہ صرف یہ ہو کہ میں تیز وتند شراب سے شغل رکھوں اور جھوٹی محبت کا لطف اُٹھاؤں۔

میں نے اپنے خیمہ میں کثرت سے شراب پی اور بہت سی نوجوان، تازہ شباب اور سبز آنکھوں والی عورتیں جن سے اناطولیہ میں، میں واقف ہو سکا اس طرح ٹوٹ کر مجھ پر گریں جس طرح پروانہ شمع پر گرتا ہی ان عورتوں کے جسموں سے مٹی اور بنفشہ کے پھولوں کی سی خوشبو آتی تھی اور وہ اپنے مضبوط بازوؤں کو میرے گلے میں ڈال ڈالکر میرا جی خوش کیا کرتی تھیں لیکن ان تمام مشاغل نے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا

اور میرے مرض مین ذرہ بھر کمی نہ ہوئی بلکہ عائشہ کا بخار پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ مجھ پر چڑھا اور مجھے بالکل مدہوش کر دیا، مین اب جدھر دیکھتا تھا عائشہ ہی مجھے نظر آتی تھی، زمین پر عائشہ موجود تھی، آفتاب مین عائشہ بیٹھی تھی، اور سارے عناصر مین عائشہ کا جلوہ نظر آتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عائشہ ان تمام چیزون سے ایک جداگانہ چیز تھی وہ ایک ایسا راز تھی جسکا ادراک ناممکن تھا، وہ ایک ایسا اسم تھی جسکا کوئی نام نہ تھا اور وہ ایک ایسی موجود چیز تھی جسکو ہاتھ چھو نہین سکتے تھے۔

پیامی! تم جانتے ہو عائشہ کیا چیز ہے؟ اور اُس کا وجود کہان سے ہوا ہے؟ آخر ایک زمانہ آیا اور مین نے اس راز کو معلوم کر لیا کہ عائشہ کی شخصیت مین، جس مادی چیز کو مین محسوس کرتا ہون وہ عائشہ کی وہ شخصیت نہین ہے جس سے مجھکو شغف ہے اس حقیقت کے ظاہر ہو جانے پر میرے دل مین عائشہ کی محبت بہت بڑھ گئی اور وہ ربط جو پہلے تھا اُسمین بہت اضافہ ہو گیا۔

اب مین نے یہ ارادہ کر لیا کہ مین تارک الدنیا ہو کر راہبانہ زندگی اختیار کر لون اور پاکبازانہ زندگی بسر کرون اور اس کے ساتھ ہی اُن قومی خدمات کو ادا کرتا رہون جو میرے سپرد ہین، انھین ایام مین جب "ایپن ادنی" کا دوسرا معرکہ درپیش ہوا تو مین نے اپنے آپ کو موت کے لئے پیش کیا اور سر کو گولی کا نشانہ بنانے کی کوشش کرنے لگا آخر یہ کہ ایک روز جبکہ مین مورچہ کی چوٹی پر تھا مین نے محسوس کیا کہ موت بجلی کی طرح میرے سینہ پر آگری ہے مگر مین بیہوش ہو گیا اور یہ خیال قائم کر لیا کہ موت نے میری خواہش کو پورا کر دیا ہے۔

غشی کا دورہ بار بار پڑنے لگا اور دوران سر تو ایک منٹ کے لئے بند نہین ہوا آخر جب مجھکو عمل جراحی کی میز پر لٹایا گیا تو پھر مین بیہوش ہو گیا اور اس حالت بیہوشی مین مین نے اپنی پیشانی پر انگلیون کو محسوس کیا ہان اُن انگلیون کو جن کی لذت سے مین پہلے سے واقف تھا میری پیشانی پر بھگویا ہوا کپڑہ رکھا جا رہا تھا۔ ٹھنڈا پانی حلق مین ٹپکایا جا رہا تھا اور کو دنیا سنگھائی جا رہی تھی۔

پیامی! تم عائشہ کے ہاتھون کو پہچانتے ہو۔ مین نے جو کچھ کہا ہے غلط تو نہین ہے؟ اُس کی لمبی لمبی انگلیون کے لمس مین ایک خاص راز ہے اور ایک خاص طاقت وہ جسکو چھوتی ہین اُس کے ضعف کو دور کر کے قوت پیدا کر دیتی ہین اور مریض کو اچھا اور تندرست بنا دیتی ہین اُس کی انگلیان وہی قوت رکھتی ہین جو اُس کی آنکھون مین ہے ہان اُن آنکھون مین جو قلوب مین سکینت پیدا کرتی ہین یا پھر دلون

مین بخار کے آلام کو مشتعل کر دیتی ہین۔

مین نے آنکھین کھولین تو ندرت عظیم کو محسوس کیا۔ کلورا فارم کی بو جس سے کرہ کی ہوا بسی ہوئی تھی میری ناک مین پہنچی۔ پھر مین نے شفاخانے کے ملازمین کو دیکھا جو سفید لباس مین ملبوس تھے ایک سفید قمیص والی خاتون میرے پاس آئی اور اُس کے سیاہ دوپٹے کے اندر مجھے عائشہ کا چہرہ نظر آیا اُس کی سبز آنکھون مین مین نے اسوقت وہ رحم وہمدردی اور شیرینی پائی جو کبھی پہلے نظر نہ آئی تھی وہ میری طرف دیکھ رہی تھی اور اُس کے ہونٹون پر اُس ماں کی سی شفقت و اُلفت نمایان تھی جو اپنے بیٹے سے بہت محبت رکھتی ہو۔ مین نے محسوس کیا کہ عائشہ میرے سامنے کھل رہی ہے اور آنکھون کی راہ سے میرے دل مین اُتر رہی ہے لیکن اُس کے ہاتھ میرے سر اور سارے جسم کو جذب کر رہے ہین۔

چیا می! مین سچ کہا کرتا ہون کہ اس حالت مین دیر تک مین یہ خیال کرتا رہا کہ مین ایک قائم بالذات سفید رنگ سیال مادہ یا عالم کی سیر کر رہا ہون مین نے یہ خیال قائم کر لیا تھا کہ مین مر گیا ہون اور جنت مین چلا گیا ہون اور کیون ایسا خیال قائم نہ کرتا مین شہید تھا اور شہادت نے مجھے جنت مین پہنچا دیا تھا جنت سے میری مراد اسوقت عائشہ کی آنکھین ہین۔ ہان وہ آنکھین جن کی طرف دیکھنے سے مین اپنی مادی ہستی کو گم کر دیتا تھا اور تجلی کے بحر ذخار مین غوطہ مار کر غرق ہو جاتا تھا آہ وہ جنت بھی کس قدر پر لطف بلکہ سراپا سعادت تھی۔

شفاخانہ مین چونکہ کوئی کمرہ خالی نہ تھا اس لیے عمل جراحی کے بعد مجھ کو میڈم طاویہ کے ہوٹل کے ایک چھوٹے سے کمرہ مین پہنچا دیا گیا جب میری پالکی ہوٹل مین پہنچی تو عائشہ پالکی کے پاس آئی اور اپنے دونون مضبوط ہاتھون مین بچے کیطرح مجھکو اُٹھا لیا اور کوئی تکلیف مجھے نہ ہونے دی پھر اُس نے مجھکو آرام کے صاف ستھرے بستر پر جس کے گدون مین پرندون کے پر بھرے ہوئے تھے لٹا دیا اب مجھکو یقین ہو گیا کہ مین اُس مقام پر پہنچ گیا ہون جہان موت کی راہ مین ہر شخص کو پہنچنا پڑتا ہے اور جو مسرت اور زندگی کے درمیان واقع ہو۔ اس یقین کے بعد کہ موت کی گھڑی قریب آگئی ہے مین خاموش ہو گیا اور سو گیا مین بستر پر غافل پڑا تھا اور ڈاکٹر اور عائشہ کی گفتگو سن رہا تھا لیکن ساتھ ہی مین یہ خیال بھی رکھتا تھا کہ مین شہادت اور جنت کا خواب دیکھ رہا ہون لیکن اب ....

بہرحال عائشہ روزانہ صبح کے وقت آتی مرہم پٹی کرتی بستر کو درست کرتی اور درجہ حرارت کو دیکھتی

تھی جب وہ یہ تمام کام ختم کرکے چلی جاتی تو میں سوجاتا اور ظہر کے وقت تک غافل سوتا رہتا۔ خواب میں میرے سامنے عائشہ ہی ہوتی تھی اور میں ہر وقت اسی خیال میں رہتا تھا کہ عائشہ کی انگلیاں میرے چہرہ اور سر پر ہیں۔ کھانے کے اوقات میں عائشہ بستر پر میرے پہلو میں بیٹھ جاتی اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی تھی اور مجھے بستر سے اُٹھنے اور بیٹھکر کھانا کھانے کی تکلیف نہ دیتی تھی اور جب وہ رات کو شفاخانہ کا کام ختم کر چکتی تو میرے پاس آکر بیٹھ جاتی اور جب تک میں جاگتا رہتا تھا برابر میرے پاس بیٹھی رہتی تھی،

میں انھیں خیالات کے نشہ میں مست و سرشار رہتا تھا اور ان سے مجھے انتہا درجہ کی لذت حاصل ہوتی تھی اور پھر جو چیز بھی عائشہ سے خصوصیت رکھتی تھی وہ میری لذت کا باعث ہوتی تھی، یہاں تک کہ وہ چادر جو کاموں کے وقت وہ جسم پر ڈال لیتی تھی اور میرے سامنے کھونٹی پر لٹکی رہتی تھی میرے سرور کا موجب ہوتی تھی جب عائشہ میرے پہلو میں کرسی پر بیٹھتی تو میں خیال کرتا تھا کہ گویا میں سراب میں تیر رہا ہوں یا میں کوئی بزرگ ہستی ہوں اور کسی سیال چیز کے بھنور میں گھرا ہوں۔

میں ایسا محسوس کرتا رہا ہوں کہ گویا عائشہ کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے اور اُس کے پرجوش نغمے مجھے اُن اُمور سے آگاہ کر رہے ہیں جو انتہائی سادگی اور انتہائی پاکیزگی میں ممتاز ہیں۔ ایک دفعہ باتوں باتوں میں عائشہ نے اپنے زمانہ طفلی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ کیونکر اُسنے سمرنا کے سبز کھیتوں میں جنگلی پھول کی طرح پرورش و تربیت حاصل کی اور شاداب پھولوں کی طرح اُسنے شباب کی سرحد میں قدم رکھا۔ پھر اُسنے اپنے گھوڑوں۔ بیلوں۔ اور دنبوں کا ایک ایک کرکے ذکر کیا اس کے بعد اپنی شادی کا واقعہ سنایا یہ تمام باتیں اُسنے نہایت طمانیت اور سکون کے ساتھ بیان کیں ہاں ایسے سکون و طمانیت سے جن سے شکر و رضامندی کا جذبہ مترشح تھا لیکن میں نے اُس کی باتوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ اُسکے شوہر مقبل نے جو غالباً اُسی کی راہ میں مقتول ہوا تھا اُس کے دل میں محبت کا شجر نہیں لگایا اور اُس کا قلب مقبل کی محبت سے معمور نہ تھا اس اعتبار سے وہ میرے نزدیک اُن اناطولی لڑکیوں سے زیادہ پاکرہ تھی جنھوں نے اناطولیہ کے گاؤں میں اپنے ہاتھوں کو میری گردن میں حمائل کیا تھا اور جو پرجوش طریقہ پر میری گود میں بیٹھتی تھیں، میں عائشہ کے رخساروں کو دیکھکر یہ خیال کیا کرتا تھا اور اُس کے ہونٹوں کو دیکھکر یہ خیال میرے قلب میں پیدا ہوتا تھا کہ ابھی تک وہ بوسہ کی برقی رو سے مرتعش و متحرک نہیں ہوئے ہیں، ان جذبات و خیالات نے میرے دل میں یہ ارادہ پیدا کیا کہ میں عائشہ کا حقیقی شوہر بنوں اور اُس کے جسم میں اپنی خواہشات اور جنون کے

بخار کو کچھ روز دن، دن گذرتے رہے اور مجھے اس کا احساس بھی نہین ہوا میری صحت عود کر رہی تھی اور جسم کی حرارت روز بروز کم ہوتی جاتی تھی حالانکہ مین اس امر کا متمنی تھا کہ ہمیشہ بیمار رہون اور کبھی اچھا نہ ہون

جب مین بات چیت کرنے کے قابل ہوگیا تو ایک روز شام کو مین عائشہ کے پاس جاکر بیٹھا اور باتین کرنے لگا، گفتگو کا موضوع وہ آنے والا دن تھا جبکہ ہم دونون ساتھ سمرنا مین داخل ہونگے یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ہم خیالی دنیا مین اس خیالی منظر سے لذت حاصل کر رہے تھے کہ ہماری سپاہ کا طلایہ فوجی بگل کی آواز پر سمرنا کی سڑکون پر گذر رہا ہوگا اور بحر ابیض کے ساحل کی جانب بڑھا چلا جا رہا ہوگا اور ساحل کی زمین پر جہان ہمارے سپاہیون کا خون بہایا گیا تھا ہمارا لشکر سرخ جھنڈے کو لئے ہوئے گھوم رہا ہوگا

ہم اسی خیالی منظر سے لذت اندوز تھے کہ عائشہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور اگرچہ چراغ کی روشنی اس وقت بہت کم تھی لیکن باایں ہمہ مین نے دیکھا کہ عائشہ کی آنکھون سے شعلے نکل رہے ہین اور اس کے وہ سرخ سرخ ہونٹ جو احساس انفعال سے کھلے ہوئے تھے کانپ رہے ہین پھر مین نے اس بیداری کو محسوس کیا جو اس کے جسم اور روح مین برقی رو کی طرح دوڑ رہی تھی اور اس ارتعاش کو بھی محسوس کیا جو اس کے جسم مین اس طرح ساری تھا جس طرح اس عورت کے جسم مین ساری ہوتا ہے جس کے عاشق نے اپنے ہونٹون کو پہلی مرتبہ اس کے رخسارون سے ملایا ہو اور وہ تڑپ کر الگ جا کھڑی ہوئی ہو اور تند مزاجی سے اسکا چہرہ سرخ ہوگیا ہو اسوقت مین نے دیکھا کہ عائشہ کے قلب مین محبت کا جذبہ موجزن ہے ہان اس شدید محبت کا جذبہ جو ابتدائی عمر مین اپنے وطن کے اندر نہین پائی جاتی لیکن اس کے قلب مین محبت کا جو جذبہ تھا وہ سمرنا کے ساتھ مخصوص تھا جب اس کے سامنے سمرنا کا ذکر آتا تو اسپر حالت وجد طاری ہوجاتی اور اس کی آنکھون سے سمرنا کی محبت ٹپکنے لگتی تھی ہان اتنی شدید محبت کہ اس کے مقابلہ مین دنیا کی مشہور ترین دلدادگان عشق و محبت عورتون کے اس طرب و وجد کی کوئی حقیقت نہ تھی جو اپنے دوستون کا ذکر سن کر ان پر طاری ہوجاتا ہے۔ مین اپنے خیال کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہون کہ مین کسی ایسی لذت بخش چیز کو جسکا اثر مجھ پر سب سے زیادہ ہو اس تاثر کے مقابلہ مین پیش نہین کرسکتا جو سبز سمرنا کے خیال کا عائشہ پر تھا۔

جب عائشہ اٹھ کھڑی ہوئی تو مین نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر کہا۔

عائشہ مین تم سے اس امر کا معاہدہ کرتا ہون کہ اگر میری ماتحت سپاہ سب سے پہلے سمرنا مین داخل نہ ہوئی

تو یہ امر یقینی ہوگا کہ میں وہ سب سے پہلا سپاہی ہوں گا جو قومی جھنڈا لے کر سمرنا میں داخل ہوں گا اگر میں اپنے عہد کو پورا کر دکھاؤں تو کیا تم مجھے اپنی زندگی میں شریک کر لوگی اور میری بیوی بن جاؤ گی۔

یہ کہہ کر میں نے عائشہ کے ہاتھ کو آہستہ سے جنبش دی اُس کے ہونٹ کسی قدر اب تک کھلے ہوئے تھے تاثر و انفعال آنکھوں سے نمایاں تھا اور ہاتھوں سے انگیٹھی کی بھاپ کی طرح حرارت نکل رہی تھی میرا سوال سن کر اُسنے غور سے میری طرف دیکھا اور حقیقت کو معلوم کر لیا پھر اُسے اس امر کا خیال آیا کے بلقیم کہ وہ شفاخانہ کی ایک نرس ہے اور یہ خیال کر کے کہ وہ صرف عائشہ ہے مجھ کو مخاطب کر کے کہا۔

جو شخص سب سے پہلے سمرنا میں داخل ہوگا اُس سے اس زندگی میں۔ میں کسی چیز سے دریغ نہیں کر سکتی مگر ہاں نکاح۔ کیونکہ میں نکاح پر اپنے آپکو راضی کرنے کی قدرت نہیں رکھتی، احسان تم فرضاً کرو کہ میں طاعون میں مبتلا ہو گئی ہوں اور یہ مرض میرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان حائل ہو گیا ہے اور بجز تیمار کے کسی چیز سے اُسنے میرا تعلق باقی نہیں رکھا ہے۔

عائشہ کے الفاظ ختم ہوتے ہی میں نے چاہا کہ فرش سے اُتر کر اپنے آپ کو اُس کے قدموں پر ڈال دوں اور اپنی پاک محبت کا پُراثر الفاظ میں اظہار کرتے ہوئے اُس سے کہوں کہ تمھاری محبت نے میرے قلب میں جو حسرت پیدا کر دی ہے ضرورت ہے کہ تم اُس کے جواب میں مجھ سے ایسا ہی سلوک کرو جو اُس کے شایان ہو لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور فرش پر بیٹھا رہا اور پُراثر و بلند الفاظ میں۔ میں نے یہ بیان کرنا شروع کیا کہ میں کیونکر اور کس طرح اُس کی محبت میں گرفتار ہوا جسوقت میں یہ گفتگو کر رہا تھا اپنے جسم میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ گویا سینہ کے زخم میں لوہے کی کوئی چیز کچوکے دے رہی ہے اور لوہا زخم کے اندر داخل ہو رہا ہے اور یہ کہ میری کنپٹیوں اور رگوں میں گویا گرم پانی جوش کھا رہا ہے یا کوئی چیز اُن کے اندر چل رہی ہے اور جلد کو شق کر کے باہر نکلنے کی کوشش کر رہی ہے باایں ہمہ کہ میں ایسا محسوس کر رہا تھا لیکن عائشہ کے ہاتھوں کو میں نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور اُن کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا گویا اُسکے ہاتھ میرے ہاتھوں میں بندھ کر رہ گئے ہیں اور اب جدا نہیں ہو سکتے۔

ہم اسی حالت میں تھے کہ میں نے دیکھا کہ یکایک عائشہ کی آنکھوں میں بےچینی کی سی گھبراہٹ پیدا ہوئی اور وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور اس طرح جس طرح جنگلی ہرن شکاری کے ہاتھ سے جان بچا کر بھاگنا اور جنگلوں میں جا کر کہیں چھپ جانا چاہتا ہے، عائشہ بھی مجھ سے نجات پانے کا ذریعہ ڈھونڈھ

لگی، پھر یکایک اُسنے خنجر چھری لی اور اپنے ہاتھ چھڑا کر بھاگ نکلی اب میرے سینے پر اُس کے لئے جگہ رہ گئی تھا کہ ہوش جنون اور وحشت مین اپنے زخمون کی خبر لون چنانچہ مین نے زخم کی پٹی مین انگلیان ڈال دین اور پٹی کو نوچکر پھینکدیا پھر زخمون کے ٹانکون پر توجہ کی اور اُن کو توڑنے لگا درد سخت ہوا اور اسوقت مجھے بالکل محسوس نہین ہوا البتہ مین اسوقت یہ محسوس کر رہا تھا کہ مین انتہائی ندامت کے بحر بے پایان مین غوطے کھا رہا ہون۔

عائشہ نے جب میری یہ دیوانہ حرکت دیکھا تو دوڑ کر میرے پاس آئی اور میرے دونون ہاتھون کو مضبوط پکڑ لیا خون کا فوارہ میرے سینے سے جاری تھا اور مین بیہوش گر رہا تھا میرے ہاتھون کو پکڑ کر عائشہ نے اپنے دونون بازو میری گردن مین حائل کر دئے اور مجھ پر تیزی سے جھک گئی اور اپنے گرم گرم ہونٹ میرے ہونٹون کو جلا دیا اور مجھکو حکم دیا مین نہین کہہ سکتا کہ میرے ہونٹ کیون جل رہے تھے اور مین شکم سیر کیون تھا آیا یہ اُس خون کے سبب تھا جس کی دھار سینہ سے نکلکر منہ مین گر رہی تھی یا اُن ہونٹون کے اثر سے تھا جن کو مین بوسے دے رہا تھا مین نے ان بوسون سے جو لذت حاصل کی وہ اب مجھے دوبارہ زندگی بھر نصیب نہوگی اس واقعہ کو ایک سال گذر چکا ہے لیکن جب کبھی وہ یاد آتا ہے تو اُس کی یاد آتشین چھری سے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے بلکہ یون کہنا چاہئے کہ اُس کی یاد سے مین موم کی طرح پگھلنے لگتا ہون اور محسوس کرتا ہون کہ گویا وہ واقعہ ابھی وقوع مین آیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد کی جو باتین مجھے یاد رہ گئی ہین وہ یہ ہین کہ عائشہ نے میرے سینہ کے زخم کو اپنے ہاتھون سے دھویا اُس پر پٹی باندھی اور پھر میرے فرش اور کپڑون کو بدلوایا اس کے بعد اُسنے میرے خون کے اُن دھبون کو جو اُس کی قمیص پر لگے عجیب غریب ڈھنگ سے دیکھا پھر قمیص کو اتارا اور اُسکو خون مین بھرا ہوا لپیٹ کر حفاظت سے رکھ لیا پھر اُسنے اپنا کوٹ پہنا اور میرے پاس بیٹھکر اپنے ہاتھون کو میرے سر کے نیچے لیجا کر سر کو اوپر اُٹھایا اور میری آنکھون مین جن کو مین مشکل سے کھول سکتا تھا آنکھین ڈالکر دیر تک دیکھتی رہی اور پھر کہا۔

احسان جب ہم سمرنا مین داخل ہو جائینگے اور بحر ابیض کے ساحل پر اُس خون کی نمائش کرینگے جو سر سمرنا کی راہ مین بہایا گیا ہے تو پھر جب تم چاہو گے مین تم سے نکاح کرونگی لیکن اس

وقت مین صرف یہ چاہتی ہون کہ تم میرے سامنے اس امر کا حلف اٹھاؤ کہ جب تک ہم سمرنا مین داخل نہ ہو جائین گے اسوقت تک نہ تو تم کسی خواہش کا اظہار کروگے اور نہ تمھارے دل مین کوئی تڑپ پیدا ہوگی اور صرف ان ذرائع مین تم منہمک رہوگے جو ہم کو سمرنا تک پہنچا دین۔

مین نے جواب دیا۔ عائشہ اگر تمھاری خواہش یہ ہے تو مین ایسا ہی کرونگا۔

میرا جواب سنکر عائشہ نے اپنے سرد لذت بخش اور خوشگوار ہاتھون سے میری آنکھون کو بند کر لیا یہ وقت نہایت سعید تھا اور مین نے اس سے اتنی لذت حاصل کی جسکا اظہار نہین کر سکتا، میرا خیال ہے کہ اب مین ایسا لطف دوبارہ حاصل نہ کر سکونگا اور ایسا وقت پھر کبھی مجھے نصیب نہ ہوگا۔

کچھ دنون بعد مین اچھا ہوگیا اور میرا اتنا جلد اچھا ہو جانا کسی طرح معجزے سے کم نہ تھا، پھر مین نے رخصت حاصل کی اور انگورہ چلا گیا، یہ پہلا موقع تھا کہ اناطولیہ مین داخل ہونے کے بعد مین انگورہ گیا تھا، انگورہ مین۔ مین اپنے چچازاد بھائی کے ہان ٹھہرا جو مجلس وطنی کبیر کے ممبر ہین۔ انگورہ پہنچکر مجھے معلوم ہوا کہ ہماری جدوجہد کی حالت قابل اطمینان ہے مطلع امید روشن ہو اور سعادت و نیک بختی کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے امید افزا حالات معلوم ہو جانے کے بعد پھر بھی میرے قلب مین یہ وسوسہ پیدا نہین ہوا کہ مبادا ہم سمرنا تک پہنچنے مین ناکام رہین۔

میرے چچا کی کئی خوبصورت اور مہذب و متمدن لڑکیان ہین جن کے ساتھ مین اکثر جنگل مین سیر و تفریح کے لئے جایا کرتا تھا اور شباب کے نشاط کا لطف اٹھایا کرتا تھا وہ ظالم آگ جو میرے قلب مین روشن تھی ہان وہ بدنصیب آگ جس کی حرارت کا مین اسوقت سے اسیر تھا جبکہ مین آستانہ مین تھا، سرد پڑ گئی تھی اور اس کے معاوضہ مین رب بزرگ و برتر نے مجھے ایسی خوشگوار امیدون سے مالامال کر دیا تھا جو زندگی بخش اور سعادت افزا تھین۔

انگورہ روانہ ہونے کے لئے جب مین عائشہ سے رخصت ہو رہا تھا تو اسنے مجھ سے کہا تھا کہ وہ بھی عنقریب اپنے بھائی جمال کے پاس افیون قرہ حصار جانے والی ہو اور اگرچہ رخصت ہوتے وقت ہمنے یہ قرار دیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو خط نہ لکھین گے لیکن با این ہمہ مین روزانہ رات کے وقت خط کا ایک صفحہ لکھا کرتا تھا گویا یہ بھی عبادت کے فرائض مین سے ایک فرض تھا، ان خطوط مین مین عموماً ان باتون کا ذکر کیا کرتا تھا جو انگورہ مین میری وابستگی اور سعادت کا موجب تھین اور جن سے واقفی

طور پر میں لذت اندوز تھا۔

مختصر یہ کہ میری رخصت کے ایام ختم ہوگئے اور سپہ سالار عام نے حکم دیا کہ مجھکو رجمنٹ کی قیادت سے علیحدہ ہونا پڑا کیونکہ سپہ سالار عام نے یہ خیال کیا کہ چند زخم جو مجھکو لگے تھے انھوں نے مجھکو اس قابل نہیں رکھا ہے کہ میں محنت شاقہ کر سکوں اور سخت کاموں کو انجام دے سکوں میری خدمات کو فیلڈ مارشل کی فوجی کمیٹی میں منتقل کر دیا تھا

رات کے آخری حصہ میں، میں انگورہ سے روانہ ہوا۔ چچا کی لڑکیاں مجھے اسٹیشن تک پہنچانے آئیں اور خاندان کے تمام لوگ مجھ سے گلے مل کر بہت روئے۔ چچا کی سب سے چھوٹی لڑکی صبیحہ بھی آئی اسٹیشن پر رخصت ہوتے وقت ایک شور برپا کر دیا اور رو رو کر سارے اسٹیشن کو سر پر اٹھا لیا وہ میرے گلے سے لپٹ گئی اور بے اختیار میرے رخساروں کو چومنے لگی، یہ لڑکی مجھ کو بڑے بھائی کہا کرتی تھی اور اس کی عمر [illegible] تھی۔

میرے چچا زاد بھائی اور تمام رشتہ داروں کی خواہش یہ تھی کہ صبیحہ کی شادی میرے ساتھ کر دیں اور جب مجھکو یہ معلوم ہوا کہ صبیحہ بھی یہ خواہش رکھتی ہے تو مجھکو ایک حد تک اس کا رنج ہوا اور خصوصاً اس وجہ سے کہ جنگی ہولناک واقعات وقوع میں آنے والے تھے اور ہم جنگ کے دروازہ پر کھڑے تھے اور حالات کا اقتضاء یہ تھا کہ میں بھی محاذ کی جانب بڑھوں۔

میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ رخصت ہوتے وقت دوسرے لوگوں کے علاوہ مجھے صبیحہ کے شاداب رخساروں کو بھی بوسہ دینے کا موقع ملا آخر یہ کہ ٹرین نے سیٹی دی اور میں کود کر گاڑی میں جا بیٹھا اور انگورہ سے روانہ ہوگیا۔

راستہ میں ہوا اگرچہ سرد تھی لیکن بایں ہمہ ہم نہایت خوش تھے اسٹیشن یہاں سے روانہ ہو کر جب گاڑی آگے بڑھی تو ایک نوجوان شخص نے میری طرف توجہ کی اور مجھ سے باتیں کرنے کی کوشش کی لیکن جس کے پہلو میں جو ایک اور مسافر بیٹھا تھا اور متانت و سنجیدگی کا پتلا تھا اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھکر اس نوجوان کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور پھر ہاتھ سے قریب کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا نوجوان نے آہستہ سے دریافت کیا۔ اس گاڑی میں کون ہے۔

اس مسافر نے جواب دیا ایک نرس ہے جو اسکی شہر جا رہی ہے۔

میں نے یہ الفاظ سنے اور گھبرا کر دریافت کیا۔

وہ کون ہے کیا تم اسکو جانتے ہو۔

دوسرا مسافر۔ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا [illegible] اس کے

ساتھ آیا تھا اور میرا خیال ہے کہ وہ [illegible]

ایک اور مسافر۔ [illegible]

پہلا مسافر۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ وہ [illegible] ایک [illegible] جوان تھا [illegible] آنکھیں نیلگون تھیں۔

یہ سنکر میرا قلب [illegible] حرکت کرنے لگا [illegible] اور میں اپنے دل میں کہنے لگا، معلوم نہیں وہ جوان کب اور کیوں [illegible] حصار سے اٹھ کر آیا؟ اور عائشہ [illegible] آئی؟ پھر انھوں نے مجھ کو تلاش کیوں نہیں کیا؟ اور پھر اس کے علاوہ راستہ بھر مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ہماری گاڑی میں ایک عورت بھی ہے۔

ان سوالات نے میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرنا شروع کیے لیکن باین ہمہ کہ میں اوہام میں مبتلا تھا، گاڑی کے اس لکڑی کے پردہ کے پیچھے جو ہمارے اور عائشہ کے درمیان حائل تھا عائشہ کا موجود ہونا میرے لئے بڑا زبردست اثر رکھتا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ کیونکر میں نے اسٹیشن "حلب" تک گاڑی پہنچنے کا انتظار اور صبر کیا جونہی گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی میں فوراً گاڑی سے باہر نکلا اور سامنے سپاہی خادم کو اس گاڑی کی کھڑکی کی طرف بھیجا جو ہماری گاڑی سے ملی ہوئی تھی ادھر تو میں دور کھڑا کانپ رہا تھا اور ادھر خادم گاڑی کی کھڑکی پر کھڑا دریافت کر رہا تھا۔

کیا سیدہ عائشہ اس گاڑی میں ہیں۔

جواب ملا۔ ہاں۔

اب سنکر میں فوراً آگے بڑھا اور گاڑی کے دروازہ کو کھٹکھٹایا دروازہ کھلنے پر میں نے دیکھا کہ عائشہ گاڑی کے ایک گوشہ میں بیٹھی ہے اور فرش پر فانوس روشن ہے جسکی روشنی عائشہ کے چہرہ کے زیرین حصہ پر پڑ رہی ہے اور آنکھیں تاریکی میں ہیں اسوقت وہ نرس کا لباس پہنے تھی گاڑی میں داخل ہوکر میں نے دروازہ بند کر دیا اور عائشہ کے سامنے اس کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ گیا، عائشہ نے اپنے ہاتھوں سے سختی کے ساتھ مجھے پیچھے دھکیل دیا اور استہزا کے لہجہ میں کہا "یہاں کوئی شخص ایسا نہیں

جسکو یہ معلوم ہو کہ ہم دونوں منگیتر تھے امید ہے کہ تم اپنے نفس پر قابو رکھو گے۔

میں فوراً مشتعل ہو گیا اور اُس کے سامنے اطمینان کیساتھ بیٹھ گیا اور اب میں نے دیکھا کہ اُس کے چہرہ پر رنج الم کی تاریکی اور تکدر چھایا ہوا تھا اور اُس کے لہجے سے تنفر ظاہر ہوتا تھا اُس کے یہ کلمے کہ ہم دونوں منگیتر تھے میرے اضطراب کا باعث بن رہا تھا اور یہ کوئی عجیب بات نہ تھی اس لئے کہ جو تعلق رشتہ میرے اور عائشہ کے درمیان پایا جاتا تھا وہ ایسا نہ تھا جسکو ہمارے سوا کوئی دوسرا شخص سمجھ سکتا اور میں بجز اس رابطے کے اور کسی بات کا خواہشمند نہ تھا لیکن اسوقت اُس کا سکوت اور چہرہ کا وہ تکدر جو اُس کے قلبی تاثر کا پتہ دیتا تھا مجھے پریشان بنانے اور میرے خوف کو بڑھانے کے لئے کافی تھا آخر میں نے جرأت کر کے اُس سے دریافت کیا۔

عائشہ کیا بات ہے؟ تم کب سے انگورہ میں تھیں؟ کیا تم جمال کے ساتھ آئی تھیں؟

عائشہ۔ جمال تو دو ہفتے سے انگورہ میں ہے لیکن میں صرف تین روز کے لئے افسر اطبا کی ہدایت سے چند ضروری چیزوں کو لینے آئی تھی مگر ایک دفعہ پھر مجھے انگورہ آنا پڑیگا کیوں احسان کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔

میں۔ تم نے مجھکو کیوں تلاش نہیں کیا۔

عائشہ۔ ابتداء میں تو مجھے تمہارا پتہ معلوم نہ تھا..........

میں۔ لیکن پتہ معلوم ہو جانے پر۔

عائشہ۔ تمہارا پتہ معلوم ہو جانے پر میں اس لئے تمہارے پاس نہیں گئی کہ تمہارے چچا کی بیٹیوں سے کوئی سابق تعارف مجھے حاصل نہ تھا۔

عائشہ کے ان الفاظ نے مجھے تردد میں ڈال دیا اور میں غور کرنے لگا کہ اسٹیشن انگورہ کے واقعات نے اُس پر کیا اثر کیا ہوگا، اس خیال نے مجھے خوف زدہ کر دیا، پھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ انگورہ اسٹیشن پر جو واقعات پیش آئے ہیں میں اُن سے عائشہ کو آگاہ کر دوں اور پھر ان واقعات کو سنکر عائشہ سے رشک و غیرت اور رقابت کے جو مظاہر ظاہر ہوں اُن سے لذت اندوز ہوں چنانچہ اس خیال کی بناء پر میں نے اُس سے دریافت کیا۔

عائشہ کیا تم نے ہمکو انگورہ اسٹیشن پر دیکھا تھا۔

میرے اس سوال کا جواب عائشہ نے نہیں دیا اور تھوڑی دیر انتظار کرکے میں کسی قدر آگے بڑھا اُس کے چہرہ پر نظر ڈالی اور ضعف و ناتوانی کے آثار اُس کے چہرہ پر نمایاں تھے یہ حالت دیکھکر میں اور آگے بڑھا اور اُس کے گھٹنوں سے ملکر بیٹھ گیا گاڑی چل رہی تھی اور اُس کی حرکت سے میرا سر اُس کے گھٹنوں سے ٹکرا رہا تھا چند منٹ کے بعد عائشہ نے کہا۔

انگورہ اسٹیشن پر میرے بچون کے کچھ بچے موجود تھے جن میں سے ایک آیا ....

یہ کہتے کہتے عائشہ پر رقت طاری ہوئی اور اُس کا گلا گیر ہوگیا اور وہ بات کو پورا نہ کرسکی پھر اُس نے رونا شروع کیا اور دیر تک روتی رہی، میں نے اُس کے تاثر سے یہ خیال اپنے ذہن میں قائم کیا کہ وہ اپنے گذشتہ دور غربت یا اور کسی وجہ سے رو رہی ہے آخر میں نے تسکین دینے کے خیال سے اُس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور عزت و احترام سے اُن کو دبانے لگا پھر اُس کے قدموں کو میں نے بچوں کی طرح سادگی سے چھوا جب وہ خوب رو چکی تو سکون اُسکو حاصل ہوگیا لیکن وہ خاموش رہی اور اُن خاص باتوں کے متعلق جو ہم سے تعلق رکھتی تھیں اُسنے ایک حرف بھی نہیں کہا میں چونکہ پولادی کے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترنے کے لئے مجبور تھا اس لئے میں بہت مضطرب و پریشان تھا، صبح کے وقت گاڑی عسکی شہر پہنچتی تھی اور چونکہ مجھے عسکی شہر سے آگے جانا تھا اور عائشہ عسکی شہر پر اُترنے والی تھی اس لئے جدائی کا خیال بھی میرے لئے پریشان کن تھا پھر عائشہ چونکہ میری باتوں کا جواب دیتی تھی اور نہ مجھ سے خود بات کرتی تھی اس لئے اُس کے پاس بیٹھنا بھی بیکار تھا دیر تک خاموش رہنے کے بعد آخر عائشہ نے کہا۔

احسان اسوقت میں بہت پریشان و مضطرب ہوں اور گفتگو کی طاقت نہیں رکھتی۔

میں نے کہا۔ کیا تم مجھ سے یہ دریافت نہ کروگی کہ میں نے انگورہ میں کیونکر بسر کی۔

اس کے جواب میں اُسنے بے پروائی اور بے توجہی سے کہا۔ اگر تمھارا جی چاہتا ہے تو بیان کرو عائشہ کے اس جواب نے میرے قلب سے اُس خطرہ کو دُور کردیا جو مجھ پر مسلط تھا اور مجھے اطمینان حاصل ہوگیا۔

اسٹیشن پولادی پر جب میں عائشہ سے جُدا ہوا تو اتنا متاثر تھا کہ میں مشکل سے اُس کے ہاتھوں کو بوسہ دے سکا۔ گاڑی اسٹیشن سے روانہ ہوئی اور میں اپنی گاڑی میں اپنے پہلے رفقاء سفر کے درمیان جا بیٹھا یہ خیال کہ عائشہ قریب کی گاڑی میں صرف لکڑی کے ایک پردہ کے پیچھے جو میری اور اُس کی

گاڑی کے درمیان حائل ہے یہی ہو مجھے سخت پریشان کر رہا تھا۔ اضطراب کی شورش سے میرا برا حال تھا اور جذبات نے مجھے بےچین بنا رکھا تھا آخر میں نے اپنے دل میں کہا کہ عائشہ کو ضرور یہ معلوم ہو گیا ہے کہ میں اپنے چچا کی لڑکیوں کے ساتھ بغرض تفریح سیر کے لئے جایا کرتا تھا اور اس خیال نے اس کے قلب میں نسوانی رشک و حسد پیدا کر دی ہے۔ جس وقت میرے قلب میں یہ خیال پیدا ہوا تھا میں نے ارادہ کیا کہ عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر میں اسکو یہ بتلا دوں کہ مجھے اس سے کس قدر محبت و الفت ہے اور یہ کہ میں دنیا میں صرف اسی کے لئے زندہ ہوں۔

دوسرے روز صبح کو گاڑی عسکی شہر کے اسٹیشن پہنچی اور عائشہ نے گاڑی سے اتر کر دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھ سے بھی ہاتھ ملایا اور چلی گئی تھوڑی دیر میں گاڑی پھر روانہ ہوئی، میں گاڑی کی کھڑکی میں کھڑا ہو گیا اور درختوں کے درمیان عائشہ کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ اسکے کپڑوں کے دامن تک مجھے نظر آتے رہے اور جب وہ نظر سے غائب ہو گئی تو میں تن تنہا گاڑی میں بےحس و حرکت بنچ پر بیٹھ گیا

عسکی شہر کے تخلیہ کے بعد جب ہم سید غازی کے محاذ پر لڑ رہے تھے تو باوجود سخت حملوں اور مصیبت کے میرے دل و دماغ عائشہ کے فکر و خیال سے خالی نہ تھے اور میں دل ہی دل میں یہ کہا کرتا تھا خدا جانے وہ اپنے شفاخانہ کے ساتھ انگورہ واپس آ گئی ہے یا ابھی تک بولادلی ہی میں ہے۔ ایام جنگ کے شدید ترین ایام میں ایک روز جبکہ سواروں کے دستے سختی کے ساتھ سید غازی پر حملہ آور تھے میں اپنے خیمہ کے اندر اُن کاغذوں کے درمیان جو میرے صیغہ سے تعلق رکھتے تھے بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا کہ میں نے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنی پھر میں نے جمال کو دیکھا جو دروازہ پر کھڑا ہوا بلند و دلکش آواز میں کہہ رہا تھا۔

احسان میں تم کو کب تک تلاش کرتا رہونگا۔

جمال سر سے پاؤں تک غبار آلود تھا، یہاں تک کہ اس کی پلکیں اور مونچھیں بھی گرد آلود تھیں، اول تو اسنے فوجی قاعدہ سے عادت کے مطابق ایک بوٹ سے دوسرے پر سخت ضرب لگائی اور پھر اپنے دونوں ہاتھ مصافحہ کے لئے میری طرف بڑھائے۔ میں نے مصافحہ کیا اور یہ محسوس کیا کہ جمال میرے ہاتھوں کو اس قدر سختی سے دبا رہا ہے کہ وہ کہنیوں سے جدا ہو جانے کو ہیں پھر میں نے یہ محسوس کیا کہ جمال کی مسرت نے مجھ میں غیر معمولی قوت پیدا کر دی ہے اور مجھ پر جو کیفیت رنج و الم طاری تھی وہ جاتی

تہری ہے اور یہ کوئی عجیب و غریب بات نہ تھی کیونکہ اس شخص سے ملتا ہو تو اُس کا قریبی عزیز اور پھر یہ کہ
اُس کا حقیقی بھائی ہو یقیناً خوب اچھی طرح دوستی ہے۔

میرے خیمہ میں جو کچھ بھی موجود تھا اُس سے میں نے جمال کی خاطر مدارات کی پھر اُس کے لئے میں نے
قہوہ منگوایا، جمال اب تک خاموش بیٹھا ہوا تھا اور میری طرف دیکھ کر بے سلسلہ باتیں کر رہا تھا، دوران
گفتگو میں اُسنے بیان کیا۔

احسان مبارک ہو لیکن کیا یہ امر مناسب ہے کہ کوئی شخص چھپ چھپاتے منگنی کر لے اور اپنے بھائیوں
تک کو خبر نہ دے۔

جمال کے ان الفاظ نے مجھے خوش کر دیا اور کچھ دیر بعد میں جواب دینے کے قابل ہوا میں نے اپنے
دل میں کہا یقیناً عائشہ نے عکی شہر کے واقعہ کی جمال کو خبر دیدی ہے اب تک میں اس واقعہ یا ابھی قرارداد
نکاح کو خواب و خیال سمجھے ہوئے تھا لیکن اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے پھر
میں نے جمال سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ عائشہ نے اس کے متعلق اُس سے کیا کہا ہے چنانچہ گفتگو کے اندر
ہی میں میں نے جمال سے پوچھا۔

کیا اس منگنی کی خبر تم کو اُسی نے دی ہے۔

جمال۔ بھائی کیا تم خواب دیکھ رہے ہو۔ میں اُس سے واقف ہی کہاں ہوں جو وہ مجھے خبر دیتی
میں نے جو کچھ کہا ہے وہ تو ایک ایسی بات ہے جس سے بچہ بچہ واقف ہے اور جس کا ہر جگہ چرچا ہے اور
ایسی صورت میں کہ عینی شہادت موجود ہو کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

میں۔ جمال تم کیا کہہ رہے ہو میری منگنی کس سے ہوئی ہے وہ کون عورت ہے۔

جمال۔ کسی قدر تم شرمیلے ہو اور تمہارے خیال میں احسان کونسی عورت ہو سکتی ہے۔

میں۔ خدا معلوم تم کیا کہہ رہے ہو آج تو تم معموں میں باتیں کر رہے ہو۔

جمال۔ معمہ کیسا۔ انگورہ میں دکمش کے جنگل کے اندر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تمہارے
اور اُس کے سر ملے ہوئے تھے اور تم دونوں ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کبوتروں کا ایک جوڑہ جنگل میں پھر
رہا ہے۔

میں۔ آہا تمہارا اشارہ اُس کی جانب ہے..........

جمال۔ تو کیا اُس کے سوائے اور بھی کوئی ہے۔

مَیں۔ جمال صاف صاف کہو میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔

جمال۔ احسان تمہارا یہ سوال تعجب خیز ہے کیا تم کو اس عورت نے منگنی کی خبر دی ہے میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا تمہاری منگیتر کوئی اور لڑکی ہے جس سے میں ناواقف ہوں۔

اس موقع پر میں نے اپنی ساری سرگذشت سنا دی اور جمال سے کہا۔

معلوم ہوتا ہے تم اُس زرد رنگ والی لڑکی سے محبت رکھتے ہو اور غالباً تم نے اُس کے عزیزوں کو اپنا پیغام دیا ہوگا لیکن اُنھوں نے میری آمد کے بعد تمہاری درخواست کو رد کر دیا ہے۔

میرے الفاظ سنکر جمال ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا اور پھر کہا۔

اگر وہ تمہاری منگیتر نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

مَیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے چچا زاد بھائی نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اُس خوبصورت نوجوان لڑکی سے میرا عقد کر دیا جائے لیکن میں کیونکر ایسی حالت میں کہ ہم ہر وقت جیسا کہ تم کو معلوم ہے اِدھر اُدھر دشمنوں سے مقابلہ کرتے پھر رہے ہیں نکاح کر سکتا تھا، بلاشبہ ایسی حالت میں نکاح کرنا ایک بے معنی فعل ہوتا۔

جمال۔ لیکن جب یہ حالت ختم ہو جائیگی اور پھر اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہوگا پھر تو تم کو اُس سے نکاح کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا اور غالباً تم اُسوقت نکاح کر لوگے۔

مَیں۔ جمال میں اُس سے کسی حال میں بھی نکاح نہ کرونگا۔

جمال۔ کیوں؟ تم اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کرنا کیوں پسند نہیں کرتے۔

مَیں۔ جمال معلوم ہوتا ہے کہ تم اُس سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہو اگر واقعہ یہی ہے تو میں نہایت خوشی سے اس کام میں حصہ لونگا اور اسکو تکمیل پر پہنچا دونگا لیکن سب سے پہلے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری نسبت کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ تم آزردہ کیوں گئے تھے۔ اور تم مجھ سے ملنے کے بجائے علٰحدہ علٰحدہ کیوں رہے۔

جمال۔ درست میں تو مذاق کر رہا ہوں کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ بہن عائشہ مجھے نکاح کی اجازت دیگی، اب رہا یہ کہ تمہاری نسبت کیا کہا جاتا ہے اس کی نسبت میں ذرا تفصیل سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

"ابن ادنی کے دوسرے معرکہ کے بعد عائشہ کا ارادہ تھا کہ مجھ سے ملنے کے لئے افیون قرہ حصار آئے

میں بہت دنوں تک اُس کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہ آئی پھر اُس کا ایک تار مجھے ملا جس میں اُسنے اطلاع دی
تھی کہ وہ اسوقت شفاخانہ کے کام کو نہیں چھوڑ سکتی اور کچھ عرصہ بعد وہ انقرہ یا قرہ حصار آ جائے گی، انھیں ایام
میں میرے افسر اعلیٰ نے دانتوں کا علاج کرانے کے لئے ڈیڑھ ماہ کی رخصت دیکر مجھے عسکی شہر بھیجدیا اور
میں عائشہ سے ملا یہاں پہنچکر میں نے دیکھا کہ تمھارے جانے کے بعد سے عائشہ کا کام شفاخانہ میں بہت
بڑھ گیا ہے اور اُس کو شفاخانہ کے کام سے خاص دلچسپی پیدا ہوگئی ہے انھیں ایام میں ہمارا ایک قدیم دوست
"بحیرہ اینہ" کے مدافعانہ معرکوں میں زخمی ہوکر شفاخانہ میں آیا۔

میں۔ وہ کون۔

جمال۔ ہمارا قدیم دوست جو ہمارے دستہ کا کمانڈر ہے۔

میں۔ حشمت بک۔

جمال۔ ہاں! اُس کا علاج بھی میڈم طادیہ کے ہوٹل کے اُسی کمرہ میں ہو رہا ہے جسمیں تمھارا علاج ہوا
تھا۔ اپنی رخصت سے فائدہ اٹھاکر کچھ دن انگورہ میں گذارنے کے لئے میں عسکی شہر سے انگورہ چلا
آیا اور کچھ دنوں بعد عائشہ بھی انگورہ آگئی، میں نے عائشہ سے دریافت کیا۔

تم نے شفاخانہ کو کیوں چھوڑ دیا اور یہاں کیونکر آنا ہوا۔

عائشہ نے تبلایا کہ وہ صرف تین دن کے لئے شفاخانہ کے ایک ضروری کام سے آئی ہے اور اپنی
جگہ اُسنے دوسری نرس کو کام پر لگا دیا ہے۔

عائشہ میرے پاس تیمر والی سرائے میں ٹھہری، دوسرے روز میں تمھاری تلاش میں نکلا اور
اپنے دوست یوزباشی (کپتان) حیدر رمزی کے ساتھ "دکمیش" کے جنگل کی طرف گیا ہم دونوں جنگل،
میں پھر رہے تھے کہ ہماری نظر تم پر ہاں جناب والا پر پڑی، تمھارے ساتھ وہ چھوٹی لڑکی بھی تھی اور تم
دونوں ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کبوتروں کا ایک جوڑہ سبزہ زار میں پھر رہا ہے۔

میں۔ درست ہے پھر کیا ہوا۔

جمال۔ یہ منظر دیکھکر میرے دلمیں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور میں نے حیدر رمزی سے کہا۔

جب میں عائشہ کے ساتھ نہ ہوں تو ایسی جگہ نہیں ٹھہر سکتا جہاں عورتیں ہوں۔ آخر ہم وہاں سے
واپس ہوئے راستہ میں حیدر رمزی نے مجھ سے کہا کہ اُس کو معلوم ہوا ہے کہ احسان کی منگنی اس لڑکی سے

ہوگئی ہے اور انگورہ کا ہر شخص اس سے واقف ہے۔ اس خبر نے مجھ کو بہت خوش کیا اور اُس وزارت کو عائشہ سے سب سے پہلے میں نے اسی کا ذکر کیا۔

جمال یہ واقعہ بیان کر رہا تھا اور میرا دل زور زور سے حرکت کر رہا تھا میں نے ہرچند کوشش کی لیکن میں اُس کپکپی کو نہ روک سکا جو میرے ہاتھوں پر طاری تھی خوش قسمتی سے جمال نے اس حالت میں مجھکو دیکھا نہیں ورنہ بڑی مشکل پیش آتی آخر جمال اُن چیزوں کو کھا کر جو میں نے پیش کی تھیں فارغ ہو گیا اور قہوہ پینا شروع کیا وہ قہوہ اور سگریٹ پیتا جاتا تھا اور باتوں میں مشغول تھا گویا وہ کوئی ایسا قصہ بیان کر رہا ہے جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے دَوران گفتگو میں اُسنے کہا۔

احسان میں تم سے اور تمھاری منگیتر سے ملنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن عائشہ نے سختی کیساتھ مجھے اس سے منع کر دیا اور مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

میں۔ جمال میں تم سے اُمید رکھتا ہوں کہ تم اپنے الفاظ کو درست کرو گے وہ لڑکی میری منگیتر نہیں ہے۔

جمال۔ بہرحال عائشہ یہ کہکر عذر پیش کر دیا کرتی تھی، کہ وہ لوگ یوروپین تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہیں اور میں ایک غمگین اناطولی عورت ہوں اس لئے میں یہ مناسب نہیں سمجھتی کہ ان دونوں سعید نوجوانوں کو اپنی ملاقات سے مکدر بناؤں اب رہا کسی شہر کا دولھا اُسکو ہم ہر وقت وہیں مبارکباد دے سکتے ہیں۔

میں نے ہرچند چاہا کہ عائشہ کے اس ارادہ کو پلٹ دوں اور تم سے ملنے کا موقع بہم پہنچاؤں لیکن میں اس کوشش میں ناکام رہا، عائشہ کا ارادہ تین روز تک انگورہ میں قیام کا تھا لیکن وہ تیسرے دن سے پہلے ہی یہ کہکر روانہ ہو گئی کہ اُسکو اپنے مریضوں کا بہت خیال ہے میں نے اُس کے ارادہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اسٹیشن پر اُسکو پہنچا آیا بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ تم بھی اُسی گاڑی سے جا رہے تھے جس سے عائشہ گئی تھی، اگر مجھے پہلے سے اس کی خبر مل جاتی تو میں تم کو اس سے آگاہ کر دیتا اور تم کو ہدایت کر دیتا کہ عائشہ کی خبر رکھنا ممکن ہے راستہ میں تم کو کہیں اُس سے ملنے کا موقع ملا ہو۔

میں۔ ہاں راستہ میں مجھے عائشہ سے ملنے کا موقع ملا تھا جمال آجکل عائشہ کہاں ہے۔

جمال۔ وہ بولاولی میں ٹھہر گئی ہے اور ہلال احمر کے ساتھ انگورہ نہیں آئی ہے ممکن ہے اُسکا یہ ارادہ ہو کہ وہ کسی سفری شفاخانہ میں داخل ہو کر فوج کے ساتھ رہے میں تمھارے دستہ کے سفری شفاخانہ کے افسر اعلیٰ سے واقف ہوں اور اس امر کے متعلق میں اُس سے گفتگو کرونگا علاوہ ازیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ

کہ ہمارا راستہ عنقریب ختم ہونے والا ہے ڈیڑھ دن کا راستہ رہ گیا ہے۔

احسان جب یہاں تک پہنچا تو وہ دونوں اُس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں پہاڑی ختم ہوتی تھی اور احسان خاموش ہو گیا گاؤں کی آبادی چاندنی میں صاف نظر آ رہی تھی اور سفید سفید مکانات صاف نظر آ رہے تھے وادی میں جیسے اُس کے آس پاس سرسبز کھیت تھے اور درختوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں البتہ سنہری شفق جا بجا گاؤں کے چراغوں کی روشنی تھی اور چاند آسمان پر بیٹھے کتنے ... کی نسبتی تھی۔

احسان پتھر کی چٹان سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا۔

کاش میں اس عورت ... کی حقیقت سے واقف ہو جاتا خواہ یہ حقیقت ساری عمر میں مجھے ایک ہی دفعہ معلوم ہوتی، آہ میں اب تک اُس کی حقیقت سے ناواقف ہوں اور میری یہ ناواقفیت اور اُس کے پوشیدہ راز کی لاعلمی کا الم یقیناً مجھے ایک روز ہلاک کر دیگا۔ پیارے مجھے اسوقت سردی معلوم ہو رہی ہے آؤ اب چلیں۔

احسان کے تصور اور ناک حصہ ... جب آئے گا اس زمانہ کی یاد سے پیراہن آتشین نے شدت ہوئی کہ ... ہو رہا ہے اور اب اُس کے شعلے اندر ہی اندر بھڑک رہے ہیں۔

پہاڑ سے اُتر کر جب ہم گھر میں داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ انگیٹھی روشن ہے اور آگ اُس میں بھڑک رہی ہے احسان انگیٹھی کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا اُس وقت اُس کا چہرہ چھوٹا سا اور سر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسی سن رسیدہ شخص کا سر ہے اُس نے کرسی پر بیٹھ کر سگرٹ کو سلگایا اور پھر اپنی داستان شروع کرتے ہوئے مجھ کو مخاطب کر کے کہا۔

جس روز جمال نے میرے خیمہ میں آ کر مجھے یہ خبریں سنائی تھیں اُس سے تین روز پہلے میں یہ محسوس کرتا تھا کہ میں گویا ایک پیپے میں زندگی بسر کر رہا ہوں جس میں سوئیاں لگی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایک ایسے پیپے میں بند ہوں جس میں آگ کے اندر گرم کی ہوئی سوئیاں لگی ہوئی ہیں

احسان کے الفاظ سن کر میں ہنسا اور کہا۔

احسان یہ نہیں بلکہ یوں کہو کہ یہ آتشین پیراہن تھا جو میرے جسم پر تھا اور میں آتشین پیراہن کے اندر زندگی بسر کر رہا تھا۔

احسان پیارے میں ایسا آتشین پیراہن پہننے پر بڑی خوشی سے راضی ہوں جس میں آگ کے اندر

گرم کی ہوئی سوئیاں نہ چبھوتا۔ پیاری عائشہ میرے نشہ کا آرام دہ مرہم ایک تنکا نہیں جس سے میں پہلے ہی تو پیتا اور جب میں اس راز تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں تو میرے دماغ میں ہیجان سا ہوجاتا ہے۔ عائشہ نے میری منگنی کی خبر سنی اور شک و غیرت سے اسکو مجھ سے نا امید کر دیا وہ گویا مجھ سے صرف اسی بنا پر نہایت بے توجہی اور بے مہری سے پیش آئی اور تغافل برتنا شروع کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی اسکا منشا ہی تھا پھر اس کی خودداری نے اسکو اس امر کی اجازت نہ دی کہ وہ ظاہر کرے۔ مجھ سے ملتی یہ الزام کسقدر دلکش اور لذیذ ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ایک اور خیال اور تصور مجھے ہوا اور وہ یہ تھا کہ میں اس امر پر بڑی خوشی سے راضی ہوں کہ اس کے دل میں جو خیالات میری جانب سے پیدا ہوگئے ہیں میں ان کو صاف کرنے کے لئے اس کے دامنوں کے سایہ میں اس کے سامنے کھڑا ہو کر پستول سے اپنے دماغ کو پاش پاش کردوں اور پھر میں اس کے گرم گرم ہونٹوں کو دیکھتا ہوا جو اس خون سے تر بتر ہوں گے جو میرے سر سے فوارہ کی مانند نکل کر اس کے ہونٹوں پر پہنچ گیا ہو اور دیکھوں لیکن جب میں اسکا ارادہ کرتا ہوں تو ایک مجسم بیانیہ ایک شخص یعنی حشمت بیگ کی شکل میں میرے سامنے آکھڑا ہوتا ہے ہاں وہ حشمت بیگ جس کے متعلق میں اپنی پوری اخلاقی قوت سے غور و فکر میں مبتلا رہتا ہوں ہاں میں اسکو سیاہ بالوں میں اپنے سامنے کھڑا پاتا ہوں ....

میں چاہتا ہوں کہ پوری قوت سے اسکے سینہ پر گھونسہ مار کر اسکو سامنے سے ہٹا دوں اور بلند آواز میں اس کو مخاطب کرکے بتلا دوں کہ

حشمت بیگ ایسا نہیں ہوسکتا ... ہاں حشمت بیگ یہ نہیں ہوسکتا۔

اسوقت میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ عائشہ گویا میرے سامنے کھڑی ہے اور سرد مہری و بے توجہی اسکی کی حرکات و سکنات سے عیاں ہے اور گویا وہ اپنے ساتھ میری منگنی کے معاملہ کو اعتراض کی نظر سے دیکھ رہی ہے ایسی حالت میں یہ امر کیونکر معقول ہوسکتا ہے کہ کسی نا محرم عورت سے وہ میری منگنی کو بری نظر سے دیکھتی اور رشک کرتی ہو ممکن ہے شفاخانہ میں جو واقعہ پیش آیا تھا وہ محض میرا خیال و گمان یا بخار کا ہذیان ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ عائشہ نے جو کچھ کہا ہو وہ محض اسی لیے کہا ہو کہ اس طریقہ پر ایک مایوس شخص کی زندگی بچ جائیگی لیکن میں اس بات کو درست نہیں کہہ سکتا کہ عائشہ جیسی محتاط اور صادق عورت محض ہمدردی اور شفقت کے خیال سے اسقدر اہم امر کی ذمہ داری اپنے سر لے سکتی ہے

یا کوئی جھوٹا وعدہ کر سکتی ہی مین اُس دن کو کبھی نہ بھولون گا جبکہ عائشہ نے میری آنکھون مین آنکھین ڈالکر وہ الفاظ بلند آواز مین موزون طریقہ پر مجھ سے کہے تھے پھر مین اُس کی انگلیون کی اُس حرارت کو بھی کبھی نہین بھول سکتا جو آنکھین بند کرتے وقت مین نے محسوس کی تھی اس حرارت کا اثر ہمیشہ میرے جسم اور میری روح مین رہیگا اور وہ برقی رو جو اُس کی انگلیون کے ذریعہ آنکھون کی راہ سے میرے جسم مین داخل ہوئی تھی ہمیشہ میرے جسم مین دوڑتی رہیگی۔

توپون کی گرج۔ باربرداری کی گاڑیون کی سمع خراش آواز۔ زلزلون کا سلسلہ اور پھر بے انتہا مصائب و مشکلات کے درمیان فرشتۂ موت سے دو۔بہ۔دو مقابلہ کیا میرے لئے یہ کافی نہ تھا کہ ان تمام مصاعب کے ساتھ عائشہ اور ہزارون قسم کے وہ رنج و الم بھی جو عائشہ کی بے اعتنائی سے وجود مین آتے ہین شامل ہوگئے اور پھر بھی تم یہ خیال رکھتے ہو کہ مین عنفوان شباب مین ہون، پیامی! میرے چہرہ کو دیکھ کیا مین حشمت بیگ سے زیادہ سن رسیدہ معلوم نہین ہوتا۔

مین نے احسان کے چہرہ پر نظر ڈالی جو انگیٹھی کے سامنے بیٹھا تھا اور دیکھا کہ اُس کا چہرہ پژمردہ ہوکر ہتھیلی کے برابر رہ گیا ہے اور اسپر اسقدر جھریان پیدا ہوگئی ہین کہ آنکھون تک جا پہنچی ہین، اور ان آنکھون کے پیچھے ایک ایسی اٹل روح پائی جاتی ہے جو برسون سے آلام و مصائب برداشت کر رہی ہی اس روح کی عمر کا پتہ نہین اور نہ تو اُس کے زمانہ گذشتہ کا کوئی اندازہ کیا جاسکتا ہی اور نہ زمانہ کے پیمانہ سے موجودہ زمانہ کا اندازہ ممکن ہی۔

مین نہین کہہ سکتا کہ احسان کی یہ حالت پاکر مجھے وہ تصویر کیون یاد آگئی جسکو ہالینڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے تیار کیا تھا یہ تصویر مین نے وائنا (دارالسلطنت آسٹریا) کے ایک عجائب خانہ مین دیکھی تھی اس تصویر مین پروفیسر مذکور نے جھریون کو جو پلکون تک پہنچ گئی تھین صاف و واضح رنگ مین نہایت خوبی سے دکھایا تھا، جب مین نے احسان کی موجودہ حالت سے اس تصویر کا مقابلہ کیا تو بے اختیار میرے قلب مین ہمدردی کا جذبہ موجزن ہوا اور مین نے ہاتھ بڑھا کر احسان کے رخسارون کو حیرت و تعجب کے ساتھ مس کیا اب سے پہلے کبھی مین نے اسکا خیال بھی نہین کیا تھا کہ احسان جو سخت سے سخت مصائب برداشت کر رہا ہے وہ میرے آلام سے بدرجہا زیادہ ہین بلکہ یون کہنا چاہئے کہ میری تکالیف اُن آلام کے مقابلہ مین کوئی چیز نہین ہین جن سے احسان کا سابقہ ہی۔

اس کے بعد میں نے احسان کو مخاطب کر کے کہا۔ احسان مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری عمر دو سو سال کی ہے۔

احسان نے میری بات پر کوئی دھیان نہیں دیا کیونکہ اُس کی آنکھیں صرف اپنے قلب کو دیکھنا چاہتی تھیں اور کسی دوسری جانب وہ متوجہ نہ ہوتی تھیں اُس نے پھر اپنے بیان کے سلسلہ کو شروع کرتے ہوئے کہا۔

جب عکی شہر کا معرکہ ختم ہو گیا تو ہمارا لشکر نہر سقاریہ کے مشرقی کنارہ پر جا کر اُترا۔ اس وقت ہم گویا جدید سرگرمیوں کے دروازہ پر کھڑے تھے میں بہت دنوں تک یہ معلوم کرنے کی کوشش میں رہا کہ آیا عائشہ ہمارے لشکر کے سفری شفاخانہ میں آ گئی ہے یا نہیں آخر مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ آ گئی ہے لیکن ہمارے لشکر کا سفری شفاخانہ لشکر گاہ سے بہت دور پر تھا یعنی مقام کوہ جیاد میں حشمت بک کے دستہ کے قریب۔

میں نے دریافت کیا۔ اور جمال بک بھی تو حشمت بک کے دستہ میں تھا۔

احسان۔ ہاں … ہاں جمال بھی اُسی کے دستہ میں تھا اور میرے لئے صرف وہی روشنی کا ایک ایسا منفذ تھا جس سے میرے قلب کو اطمینان و سکون حاصل تھا لیکن باین ہمہ میں ہر وقت اس امر کا کوشاں رہتا تھا کہ بحیثیت ایک انسپکٹر کے مجھے حشمت بک کے دستہ میں جانے کا موقع ملے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے میں نے مختلف ذرائع سے کام لیا اور بہت سے جال اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے پھیلائے پیامی! میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے بڑے بڑے آدمیوں نے "قومی میثاق" کے وضع کرنے میں بھی اس قدر کوشش و محنت نہ کی ہو گی جتنی کہ میں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی تدابیر میں کی آخر یہ کہ میرے نقشہ کے متعلق ایک ایسا مسئلہ درپیش آیا جس کا حل خط و کتابت یا ٹیلیفون کے ذریعہ ناممکن تھا تو میں نے اپنے افسر اعلیٰ سے حکم حاصل کیا کہ میں حشمت بک کے دستہ میں جا کر اُس مسئلہ کو حل کروں حکم حاصل ہوتے ہی میں پندرہ منٹ کے اندر حشمت بک کے لشکر کی طرف اُڑا اگرچہ موسم خراب تھا ابر چھایا ہوا تھا بارش ہو رہی تھی اور سخت سردی پڑ رہی تھی لیکن یہ چیزیں میرے ارادہ میں مزاحم نہ ہوئیں اور میں گھوڑے پر سوار ہو چند آدمیوں کو ساتھ لے روانہ ہوا راستہ میں اس قدر کیچڑ تھی کہ گھوڑا گھٹنوں گھٹنوں تک دلدل اور کیچڑ میں دھنسا ہوا چل رہا تھا لیکن میں نے اس کی بھی پروا نہ کی اور تیزی سے آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ میں اُس گاؤں میں پہنچ گیا جہاں حشمت بک کا لشکر تھا، گاؤں میں داخل ہو کر میں نے اپنے ایک ہمراہی سوار کو حکم دیا کہ وہ سفری شفاخانہ کی جگہ کا پتہ لگائے کیونکہ میں فوج کے افسر سے مل کر شفاخانہ کی تحقیقات کروں گا

یہ حکم دیکر میں گھوڑے سے اتر پڑا اور نواب حشمت بیگ کے قیامگاہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب شاہ دیش (سارجنٹ) نے کمرہ کا دروازہ میرے لئے کھولا تو میں نے دیکھا کہ انگیٹھی کے دھوئیں سے سارا کمرہ بھرا ہوا ہے اور کمرہ کی چھت تک جو چٹائیوں اور بانس کی بنی ہوئی دھوئیں سے سیاہ ہو رہی، انگیٹھی کے ایک جانب میز بچھی ہوئی ہے جس پر سفید چادر پڑی ہوئی تھی اور اس کے گرد تین شخص بیٹھے ہوئے ہیں جو ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا وہ جادوگر ہیں، یہ اشخاص حشمت بیگ، جمال اور عائشہ تھے انکو دیکھ کر میرے ہوش و حواس پر برا اثر پڑا اور میں نے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے انگیٹھی کی طرف دیکھا جس میں لکڑیاں جل رہی تھیں کیونکہ اسوقت میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہوں۔

کمرہ کھلتے ہی تینوں نے مڑ کر دیکھا اور مجھے دیکھ کر سب کھڑے ہوگئے اسوقت حشمت بیگ کے چہرہ پر مسرت و سعادت کے آثار نمایاں تھے اُسنے آگے بڑھ کر بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا رہا جمال تو وہ وہی جمال تھا جس کی محبت و اخلاق کا سکہ میرے دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ عائشہ نے گرمی سے پریشان ہو کر اپنے کوٹ کو اتار دیا اور اپنے سفید کپڑوں میں کرسی پر بیٹھ گئی لیکن اُسنے اُس بیگ ہاشمی کی طرف دیکھا بھی نہیں جو ابھی ابھی کمرہ میں داخل ہوا تھا اور جسکا کھڑے ہو کر سب نے استقبال کیا تھا۔

اسوقت بجز میرے عائشہ کی گردن کے اُس حصہ کو جو سفید رومال میں بندھے ہوئے بالوں اور سفید پیراہن کے کالر کے درمیان بقدر ایک انگل کے کھلا ہوا تھا کوئی نہیں دیکھ رہا تھا اُس کی گردن کا یہ حصہ گولائی۔ صفائی، چمک اور سفیدی میں بالکل ہاتھی دانت کی مانند تھا، میں اُس کی گردن کے اس حصہ کو دیکھنے میں محو تھا اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

اگر کوئی شخص اس خوبصورت گول اور چمکدار گردن کو تیغ براں سے کاٹے تو کیا وہ اسی جگہ سے کاٹے گا جو رومال میں بندھے بالوں اور سفید پیراہن کے کالر کے درمیان نظر آرہی ہے اور وہ گردن جدا ہو جانے کے بعد زمین پر گر پڑے گی، پھر میں نے دیکھا کہ عائشہ نے اپنا پوستین (کوٹ) حشمت بیگ کے پوستین کے اوپر لٹکایا ہے اور مرد، و عورت کی پوستینیں اس طرح ایک دوسرے میں داخل ہوگئی ہیں کہ بجز میرے کوئی اُن کو محسوس نہیں کر رہا ہے۔

بہرحال میں نے یعنی ایک بیگ ہاشمی (میجر) نے جو کمرہ میں اپنا ہیٹ اور دستانے ہاتھ میں لئے ہوئے داخل ہوا تھا حاضرین کو سلام کیا اور اس طرح ادب و سکون کے ساتھ بیٹھ گیا گویا کہ میں ایک مشین

ہوں کرسی پر بیٹھتے ہی میں نے فوراً گفتگو شروع کرنے کا ارادہ کیا تا کہ میری نظر اُس نقشہ پر پڑی جو میز پر پھیلا ہوا تھا اور پھر کھانے کی اُن پلیٹوں پر جو ابتک میز پر رکھی ہوئی تھیں آخر میں نے عائشہ کو مخاطب کرکے کہا۔

محترمہ عائشہ اگر ہماری فوجی بحث و گفتگو سے آپ کا دل گھبرائے تو معاف کرنا کیونکہ میں خاص اسی کام کے لیے آیا ہوں۔

حشمت بک نے میرے الفاظ سنکر کہا۔

میں بہن عائشہ کا بہت ممنون ہوں کیونکہ میری کلائی پر جو زخم آیا تھا وہ نہایت تکلیف دہ تھا اور اسوقت تک میرے لیے اُس کی تکلیف ناقابل برداشت ہے۔ بہن عائشہ روزانہ رات کو تشریف لاتی ہیں اور میری کلائی کی مالش کرتی ہیں اور پھر اسی کے ساتھ دوسری خدمات بھی انجام دیتی ہیں لیکن جب ہماری فوج یہاں سے آگے بڑھے گی تو میں عائشہ کے اس احسان و مہربانی سے محروم ہو جاؤں گا حشمت بک کے الفاظ ختم ہوتے ہی میں نے فوجی مسائل کو پیش کیا اور کہا۔

یہ خط جو جنوب سے شروع ہوکر برابر فلاں مقام کے نیچے تک ....

میری ساری گفتگو نقشہ کے متعلق تھی، میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس گفتگو میں شروع سے آخر تک کوئی غیر متعلق جملہ نہ کہوں گا، میں نقشہ کے موضوع پر تقریر کر رہا تھا کہ یکایک میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور میں غور سے عائشہ کی پیشانی کے اُس حصہ کو دیکھنے لگا جو دونوں ابروؤں کے درمیان واقع تھا اور پھر میں نے اپنے دل میں کہا۔

کہ

کیا ایسا ہونا ممکن ہے کہ میں عائشہ کی پیشانی کے اُس سفید حصہ پر گولی کا نشانہ لگاؤں جو دونوں ابروؤں کے درمیان ہے اور گولی ابروؤں کو مس کیے بغیر ٹھیک نشانہ پر جا کر بیٹھے اور کیا یہ ممکن ہے کہ اگر میں قریب سے اپنے طپنچہ سے گولی سر کروں اور وہ عائشہ کے سر کو بالوں کی مانگ سے دو ٹکڑے کر دے پھر میں نے جمال سے دریافت کیا۔

جمال بتاؤ تو گولی سے جو سوراخ ہو جاتا ہے اُس کا قطر کتنے ملی میٹر ہوتا ہے۔ میرے اس عجیب و غریب سوال سے سب ہنس پڑے اور میں بھی اُن کے ساتھ ہنسا پھر میں نے محسوس کیا کہ عائشہ میری

موجودگی سے برداشتہ خاطر نہیں ہوا اور وہ اپنے آپ کو ایک مخلص۔ سادہ لوح اور سچے دوست کے رنگ میں ظاہر کر رہی ہے اور جب وہ دیکھتی ہے تو سب کی طرف اور سب کو ایک نظر سے دیکھتی ہے اور حسب معمول مسکراتی ہے۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز نہ تو اس عورت کو برداشتہ خاطر بنا سکتی ہے اور نہ کوئی واقعہ اسکو اس کی جگہ سے متزلزل کر سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر اس کے ابروؤں کے درمیان گولی بھی جاکر لگے تب بھی اس کی آنکھیں بدستور سکون و طمانیت کے ساتھ دیکھتی رہیں گی، میں جانتا ہوں کہ اگر وہ مضطر و پریشان ہو جانیوالی ہوتی تو میں اس کے اضطراب و تردد کو دوسرے اسباب پر محمول کرتا اور پھر میں بھی متاثر و رنجیدہ ہوتا۔

میں نے جلدی جلدی اپنے کام کو ختم کیا اور پھر رخصت ہو کر مکان سے باہر نکلا جب میں دروازہ سے نکل رہا تھا تو حشمت بک وغیرہ نے بلند آواز سے مجھکو مخاطب کر کے کہا۔

احسان دروازہ کے سامنے لکڑیوں کا انبار لگا ہے دیکھ بھال کے جانا۔

دروازہ سے باہر نکلکر میں گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا قریب تھا کہ جوش میں میں اپنے مہمیز سے گھوڑے کے پیٹ کو پھاڑ دوں لیکن گھوڑے نے میرے مافی الضمیر کو سمجھ لیا اور وہ زمین کو چھوتا ہوا۔ ہوا ہو گیا، میرے ماتحت سپاہی نے جو میرے پیچھے آرہا تھا مجھے سفری شفاخانہ کا پتہ بتلانے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی کیونکہ میں یہاں سے بھاگنا چاہتا تھا لیکن میں کیوں بھاگنا چاہتا تھا اور کس چیز سے بھاگ رہا تھا میرے دماغ اور دل میں جو ایک خیالی دنیا آباد تھی اس سے بھاگنے کی کوشش ایک فضول اور عبث کوشش تھی۔

میں نہیں جانتا رات میں نے کیونکر بسر کی جب صبح ہوئی اور میں نے روشنی کی کرنوں کو دیکھا تو خفیف حرارت اور سکنیت کو محسوس کیا اور اپنے خیال میں محو پرجوش لہجہ میں کہا۔

کیا یہ ممکن نہ تھا کہ حشمت بک کے زخم کی مالش جو تقریباً بھر چکا ہے کوئی دوسری نرس کرتی اور پھر کیا یہ مناسب تھا کہ عائشہ نے اپنا کوٹ حشمت بک کے کوٹ کے اوپر لٹکایا۔

اس کے بعد زندگی کی مشین نے حرکت شروع کی اور اس کے دانتوں نے مجھ کو اور سارے ڈویژن کو پھر ایک مرتبہ گردش میں ڈال دیا۔

اس وقت سے ایک اور چیز کا ایسا ہی اہتمام و فکر مجھ کو ہو گیا تھا جیسا کہ جنگی رپورٹوں کے بھیجنے کا تقاضہ

چیز کیا تھی اُس راستہ کی نگرانی جو سفری شفاخانہ اور حشمت بیگ کے دستہ کے درمیان واقع تھا میں اپنا راستہ کی نگرانی قدم قدم پر کرتا تھا اور اسکا سبب صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ حشمت بیگ نے اپنا اپنی جگہ کو بدل دیا ہے یا نہیں، نہر سقاریہ پر جتنے ترکی ڈویژن تھے اُن میں سے کسی نے سفری شفاخانہ کا اتنا اہتمام نہیں کیا تھا جتنا کہ ہمارے ڈویژن نے۔

جب حشمت بیگ کا دستہ اپنی جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ روانہ ہوا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ تیز ناخن جو میرے سینہ میں پیوست تھے کسی قدر باہر نکال لئے گئے ہیں اور سوزش و تکلیف کم ہو گئی ہو پیامی میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ حشمت بیگ کے چلے جانے کے بعد میں نے ایک خاص راحت کو محسوس کیا اور وہ رنج والم جن کی تکلیف میں محسوس کر رہا تھا بہت کم ہو گئی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ میرے دل پر غم والم کا جو پہاڑ رکھا تھا اور مجھے دبا رہا تھا وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اور ایک بھاری بوجھ مجھ پر سے اُتر گیا۔

جن ایام میں جنگی معرکوں کا زور تھا میں اور افسر اعلیٰ ایک روز شام کے وقت خیابانہ کی طرف گئے خیابانہ اُن ایام میں گویا ایک بہت بڑا شفاخانہ تھا اور سارا شہر شفاخانہ بنا ہوا تھا، شہر کی ساری سڑکیں باربرداریوں کی گاڑیوں گھوڑا گاڑیوں اور پالکیوں سے بھری ہوئی تھیں اور مجروحوں کو لانے لیجانے میں مشغول تھیں، خیابانہ کی پست و بلند زمین اور تاریک فضا میں جدھر نظر اُٹھتی تھی شفاخانہ کا لشکر سفید کپڑوں میں ملبوس ہاتھوں میں لالٹین لئے ہوئے ادھر اُدھر پھرتا اور کام میں مشغول و منہمک نظر آتا تھا یا اُن ڈاکٹروں پر نظر پڑتی تھی جو بارش میں بھیگتے ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے اور احکام جاری کر رہے تھے۔

جدید جنگی معرکوں میں ہمارے ڈویژن کے بہت سے ماتحت افسر مجروح ہوئے تھے جن میں سے دو کو میں جانتا تھا یعنی کپتان احمد سلیم اور کپتان خیری کو جو آستانہ میں قہوہ مسرت میں ہمارے ساتھ بیٹھا اُٹھا کرتے تھے، ہمارے افسر اعلیٰ کی عادت یہ تھی کہ وہ مجروحوں سے خاص توجہ اور ہمدردی کیساتھ پیش آتا تھا اور اُن پر خاص عنایت رکھتا تھا وہ جب پاشا لوگوں کے ساتھ کسی خاص موقع پر گفتگو کرتا تو مجھ کو شفاخانہ میں مریضوں اور زخمیوں کی مزاج پرسی کے لئے بھیج دیا کرتا تھا۔

آدھی رات گذر چکی تھی اور ہم خیابانہ کی سڑکوں پر بدستور آلام کے مرقعوں اور خونین مناظر کو دیکھ رہے

تھے اور ادھر یوان جنگ میں سخت معرکہ جاری تھا اور توپوں کے گولے شہر کے اطراف میں آگر رہے تھے میں نے شہر کے سامنے سے گھاٹوں اور سواروں کو دیکھا لیکن کوئی شناسا شخص نظر نہ آیا۔ آخر میں شہر کی مسجد کے سامنے پہنچا۔ مسجد کا شفاخانہ بھی ہو گئی تھی۔ میں پالکیوں اور مجروحوں کے درمیان سے گذر کر مسجد کے اندر داخل ہوا۔ مسجد کے سامنے چراغ روشن تھے اور صحن و فرش پالکیوں سے بھرا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پالکیاں ایک کے اوپر ایک رکھی ہوئی ہیں۔ فضا میں دھواں پھیلا ہوا تھا اور سپاہی جن کے سروں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ہر اس افسر کو غور سے دیکھتے تھے جو یہاں آتا مسجد کے اندر پہنچ کر میں نے دریافت کیا۔

کیا فلاں رجمنٹ کے افسر صبری بک اور خیری بک و سلیم بک فلاں فلاں دستوں کے افسر یہاں ہیں۔

اس کے جواب میں۔ میں نے مسجد کی اندرونی محراب سے ایک آواز سنی اور میں اس آواز کی جانب بڑھا، پیاری! تم کو معلوم ہے میں نے وہاں کیا دیکھا آہ میں نے زخمیوں کی آہ و بکا۔ دھوئیں، اور ازدحام میں اور پھر ان بقیۃ السیف انسانوں میں جو سرخ خون میں نہائے ہوئے تھے ایک چیز دیکھی ہاں ایک ایسی شخصیت جس نے میری توجہ کو احمد سلیم کی طرف سے جو محراب مسجد کے ایک گوشہ میں پڑا سو رہا تھا، اور اس کے سر پر پٹی بندھی تھی اپنی طرف پھیر لیا، میں نے ایک سپاہی کو دیکھا جو پالکی میں اوندھے منہ پڑا تھا اور عائشہ اس کے سامنے ڈاکٹر کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی اور دونوں مجروح سپاہی کے کوک کے زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔

پیاری! میں محسوس کر رہا ہوں کہ اسوقت وہ عریاں سپاہی میرے سامنے پڑا ہے اور عائشہ چراغ کی ہلکی اور زرد روشنی میں اس کی مرہم پٹی کر رہی ہے اور سپاہی تکلیف سے اس طرح چلا رہا ہے جس طرح شدۃ الم سے بچھڑا ڈکراتا ہے اور عائشہ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے الامان میری بہن الامان۔ بہن میں تمہارے قدموں کو بوسہ دیتا ہوں تم نے مجھ پر بڑی شفقت کی۔

عائشہ آستینیں چڑھائے نہایت تیزی کے ساتھ اس طرح کام کر رہی تھی جس طرح کوئی چابکدست کاریگر کام کرتا ہے اور ہر قسم کی ضروریات سے ڈاکٹر کو مدد دے رہی تھی اور پھر ان مریضوں اور زخمیوں کو بھی جو قریب ہی تھے انکی مطلوبہ چیزیں بھی ان کو دے رہی تھی غرض عائشہ اسوقت ایک پھرکی کی طرح تیزی سے کاموں میں مشغول تھی پھر میں نے ایک افسر کو دیکھا جس کی دونوں آنکھیں زخمی تھیں اور

وہ دو سپاہیوں کے سہارے کھڑا کہہ رہا تھا۔
میرے زخم کی کب مرہم پٹی کرو گے جو تکلیف مجھکو ہے وہ ناقابل برداشت ہے مہربانی سے میری طرف توجہ فرمائیے۔
عائشہ جب اُس زخمی سپاہی کی مرہم پٹی کر چکی جو اُس کے سامنے پڑا تھا تو اُسکی چادر اڑھا دی. اور اُس کی ٹوپی کو جو اُس کے بڑے سر پر ٹیڑھی ہو گئی تھی درست کرتے ہوئے کہا۔
میرے عزیز، ہم وطن خدا آپ کو شفا بخشے تم اسی طرح اور منٹ صبر سے رہو اگرچہ تم کو تھوڑی دیر تکلیف سہنی ہوگی لیکن پھر تکلیف رفع ہو جائے گی اور جلد تم کو آرام ہو جائیگا۔
پھر عائشہ نے ماتحت نرسوں کو حکم دیا کہ وہ اس سپاہی کو پالکی سے اُتار کر گاڑی میں پہنچا دیں کیونکہ پالکی سے گاڑی میں زیادہ آرام دہ ہے اور وہ وہاں آرام سے سو جائے گا، اس کے بعد عائشہ نے آنکھوں سے زخمی افسر کا ہاتھ پکڑا اور اُسکو محراب کے سامنے لائی ایک نحیف و دراز قامت ڈاکٹر نے عائشہ کو اس کی مرہم پٹی میں مدد دی اور عائشہ نے چراغ کی ہلکی روشنی میں اُس کی مرہم پٹی کی۔
مختصر یہ کہ مسجد کے اندر اور باہر مجروحوں کی آہ و زاری کی آواز کے سوائے اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور یا پھر اُن لوگوں کے قدموں کی آواز جو مجروحوں کی تیمارداری میں مشغول تھے اور ان لوگوں میں جو تیمارداری اور مرہم پٹی کرتے پھر رہے تھے سفید لباس میں ملبوس عائشہ بھی تھی اسوقت عائشہ کا چہرہ کسی قدر زرد تھا اور اُس کی دونوں زمردیں آنکھیں اُن حلقوں کے اندر جو سیاہ اور بڑے بڑے تھے تیزی سے گردش کر رہی تھیں، میں نے ہر چند کہ بہت مرتبہ عائشہ کی آنکھوں کو دیکھا تھا لیکن آج کی رات اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر خوبصورت نظر آتی تھیں، نسوانی اور انسانی وغیرہ صنعت کی اسوقت اُسکو پروا نہ تھی اور وہ مسکراتی ہوئی اُن تمام زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی جو مسجد میں تھے اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں لاہوتی محبت و شفقت کا نور اور پھر آنکھوں کے پیچھے وہ قوت اور سکون و اطمینان تھا جو کسی چیز سے متاثر نہ ہوتا تھا۔
اسوقت میرے دل میں عائشہ کی محبت غیر معمولی طور پر بڑھ گئی اور مجھے وہ تصویر یاد آگئی جو میں نے طفولیت کے ایام میں ایک کتاب کے اندر دیکھی تھی، یہ پتھر کی تصویر بودھ کی تھی جس کے گرد کسی مذہبی تیوہار کے دن ہندو طواف کر رہے تھے اور اُس گاڑی کے پہیوں اور بیلوں کے قدموں کے نیچے گر کر جو بودھ کی

موت کو دیکھکر بچایا جا رہا تھا اپنی جان کو فدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ اس موت سے ابد کا تقرب ان کو حاصل ہو سکے اس تصویر نے میرے دماغ پر یہ تاثیر پیدا کی کہ میں بھی اس عورت کے قدموں میں گر کر چیخوں اور آگ کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اپنے آپ کو اس پر فدا کر دوں اور اس کے قدموں میں پس جاؤں۔ عائشہ اسوقت اس معصوم رنگ میں تھی گویا وہ رحمت و قدرت کا مجسمہ اور سوگوار و غمناک وطن کی تصویر ہے۔

تھوڑی دیر تک میں خاموش بے حس و حرکت کھڑا اس منظر کو دیکھتا رہا اور یہ بالکل بھول گیا کہ میں یہاں کیوں آیا تھا۔ آخر میں نے سنا کہ احمد سلیم مجھ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔

احسان کیا تم مجھ کو نہیں دیکھو گے۔

میں۔ میرے پیارے دوست کیوں نہیں۔ میں تمہارے ہی پاس آ رہا ہوں۔

یہ کہکر میں احمد سلیم کی طرف مڑا اور قریب پہنچکر دریافت کیا۔

تمہارے کہاں زخم آیا ہے۔

احمد سلیم۔ سر میں۔

میں۔ تمہارے سوا اور کون کون ہمارے دوستوں میں زخمی ہوا ہے۔

احمد سلیم۔ ہماری رجمنٹ کا افسر علی شہید ہو گیا۔

میں۔ اب تمہاری رجمنٹ کی کمان کون کرتا ہے۔

احمد سلیم۔ میجر سالم۔

میں۔ کیا اب تم کو کچھ آرام ہے۔

احمد سلیم۔ اب میں اچھا ہوں اور سپاہ میں واپسی کے احکام کا انتظار کر رہا ہوں۔

سپاہی اور شفاخانہ کے ملازم کثیر تعداد میں زخمیوں کی پالکیاں لا رہے تھے اور خالی پالکیاں واپس لیجا رہے تھے۔ عائشہ بدستور اپنے کام میں مشغول تھی اور میری موجودگی سے ناواقف۔ میں نے مڑ کر عائشہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

محترمہ عائشہ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔

اسوقت عائشہ اس افسر کا سر دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھی جسکی آنکھوں پر زخم تھے تاکہ مرہم

پٹی میں اُس کا سر حرکت نہ کر سکے، میرے سوال کا جواب اُسی حالت میں اُسنے دیا اور کہا۔

بھائی ذرا صبر کرو۔ دیکھو میں زخم پر دوا لگا کر باندھ رہی ہوں ذرا اس سے فارغ ہو جاؤں تم اچھے تو ہو۔

میں۔ تم تو سفری شفاخانہ سے بہت دور چلی آئیں۔

عائشہ۔ میں جمال کے دستہ کے متعلق جو شفاخانہ ہے اُسمیں آئی ہوں لیکن چونکہ یہاں کام زیادہ تھا اور آدمیوں کی ضرورت تھی اس لئے مجھ کو اور ایک ڈاکٹر کو یہاں طلب کیا گیا اور میں فوراً چلی آئی ہم باتیں کر رہے تھے کہ یکایک ہم نے مسجد کی کھڑکی سے ایک شعلہ کو دیکھا پھر گولہ کی سر سراہٹ سنائی دی چند منٹ بعد معلوم ہوا کہ ایک گولہ آبادی کے قریب آ کر گرا ہے پھر میں نے ایک شخص کو مسجد کے اندر سے یہ کہتے سُنا۔

مریم پٹی کا کام جلدی جلدی ختم کرو۔ بہت زخمی میدان کے اندر پڑے بارش میں بھیگ رہے ہیں بہن عائشہ تم ادھر آؤ۔

عائشہ بجلی کی طرح تڑپ کر آواز دینے والے شخص کی طرف دوڑی راستہ میں اُس کی نظر ایک نوجوان مجروح سپاہی پر پڑی جو خاموش بے حس و حرکت پڑا تھا اور اسکا ہونٹ تک نہ ہلتا تھا اُس کی کالی آنکھیں حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی تھیں اور ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہے اُس کے شاداب ہونٹ سفید ہو گئے تھے، عائشہ اُس کو اس حال میں دیکھکر ٹھہر گئی اور اُس کے سر کے قریب پہنچکر جھکی اور آہستہ سے اُس کے کان میں کچھ کہا پھر اُس کی چادر کو درست کیا اور چلی گئی، میں نے دیکھا کہ عائشہ کے جانفزا الفاظ نے سپاہی کے ہونٹوں میں جنبش پیدا کر دی ہے اور اُس کی آنکھوں میں زندگی اور اُمید کی چمک پیدا ہو گئی ہے۔

احمد سلیم سے رخصت ہو کر میں نے اپنی رجمنٹ کے دوسرے مجروحوں کو تلاش کیا اور اُن کے پاس پہنچکر اُن کی ضروریات کو دریافت کیا پھر افسر اعلیٰ کا سلام اُن کو پہنچایا اور جب میں مسجد سے باہر نکلنے لگا تو میں نے عائشہ سے دوبارہ ملنے کی کوشش نہیں کی البتہ دور سے میں نے اُسکو دیکھا کہ وہ اپنے سفید پیراہن میں اُن مجروحوں کے درمیان جو شدت تکلیف سے چلا رہے تھے متحرک مشین کی طرح تیزی سے کام کرتی پھر رہی ہے، مسجد سے باہر نکلکر پھر میں نے اُن مجروحوں پر ایک نظر ڈالی جو خاکی

وہ دیلون میں زرد روشنی کے نیچے پڑے سوئے ہوئے تھے اس منظر نے میرے قلب میں ہمدردی، تواضع اور عجز و انکسار کے جو جذبات پیدا کئے وہ غالباً میرے دل میں پہلی مرتبہ پیدا ہوئے تھے، میں اسی وقت عاشق گنہگار تھا اور انسانی ضعف و عجز کا ایک مجسم نمونہ بنا ہوا تھا چند منٹ کے بعد جیسا کہ میرے دونوں ہاتھ آسمانی بادشاہ کی طرف دعا کے لئے دراز ہوگئے اور نور کی روشنی نے میرے قلب کو غسل دیکر پاک و صاف کر دیا، اب نہ میرے قلب میں تمرد یا حسد تھا، نہ غرور و تمکنت اور نہ کوئی تکلیف اور آنسو بے اختیار میری آنکھوں سے جاری تھے۔

مشرق سے سپیدۂ صبح کی روشنی نمایاں ہو رہی تھی اور خیمانہ کی مسجد کے منارہ سے مؤذن اذان دے رہا تھا جبکہ میں افسر اعلیٰ کے ساتھ خیمانہ سے باہر نکلا اور جس قدر خیمانہ سے دور ہوتا گیا اُسی قدر خیالات نے میری محویت میں اضافہ کیا خیمانہ کی مسجد میری آنکھوں کے سامنے اور دل کے اندر تھی اور میں اُن لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو مسجد کے اندر مرہم پٹی کرتے پھر رہے تھے ان میں وہ سفید مورت بھی تھی جو شفقت محبت اور رحم و ہمدردی کا مجسمہ تھی وہ فرشِ موت پر اُن لوگوں کے سوگ میں گوشہ نشین نظر آتی تھی جو سمرنا کی راہ میں شہید ہو رہے تھے اور اُس کے قلب کی روشنی آنکھوں کے ذریعہ ان شہیدوں کے قلوب پر پڑ رہی تھی۔

خیمانہ کے اسٹیج کا منظر دیکھنے کے بعد تیسرے روز سفری شفاخانہ کا "سول سرجن" (رئیس الاطبا) مجھ سے شفاخانہ کی ضروریات کی بہم رسانی اور نقائص کی تکمیل کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے آیا جب ہم گفتگو اور مشورہ وغیرہ سے فارغ ہو چکے تو میں نے افسر اطبا سے کہا،

محترم ڈاکٹر آپ نے بہن عائشہ کو دستہ حشمت کے محکمہ حفظان صحت میں بھیج دیا ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ایک عورت کے لئے سپاہ کی صحت کی ادارت کا کام نہایت خطرناک ہے میرے خیال میں آپ نے بہن عائشہ کو وہاں بھیجنے میں غلطی کی ہے۔

ڈاکٹر نے جواب دیا، "ایک روز حشمت بک ہمارے ہاں آئے تھے اور انھوں نے ذکر کیا تھا کہ اُن کا ماتحت دستہ ایک بڑی مہم پر جانے والا ہے پھر انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ بہن عائشہ کی خدمات اُن کی سپاہ کی محکمہ حفظ صحت میں منتقل کر دی جائیں، عائشہ نے بھی محکمہ حفظان صحت میں جانے کی خواہش ظاہر کی اور کہا میں چونکہ جنگ کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے میں چاہتی ہوں کہ حملہ آور

سپاہ کے محکمہ حفظانِ صحت مین داخل ہو جاؤن، مین نے اسمین کوئی حرج نہین پایا اور عارضی طور پر عائشہ کی خدمات منتقل کر دینا۔

ڈاکٹر کا جواب سُنکر مین نے کہا۔ "بہن عائشہ سفری شفاخانہ کی ایک نرس ہے اس لئے آپ کو چاہئے کہ آپ فوراً اوسکو واپس بلائین اور اس کے واپس آجانے پر مجھے ٹیلیفون کے ذریعہ اسکی اطلاع دیدین"

ڈاکٹر میرے کمرہ سے ابھی باہر نہ نکلا تھا کہ مین نے ایسا محسوس کیا کہ گویا میرا دل سینہ سے نکلا جا رہا ہے دونون ہاتھون سے مین نے سینہ کو تھام لیا اور دیر تک دبائے رہا، اب میرے آلام صرف اُن آتشین سوئیون کی چبھن تک محدود نہ تھے جو ہر وقت میری تکالیف کو زیادہ کرتی رہتی تھین بلکہ اب تو مین پھانسی کی اُس رسّی کے آخری حصہ کو بٹنے کا متوقع تھا جو عنقریب میری گردن مین ڈالی جائے گی اور اُس کے سہارے مین ہوا مین لٹکا ہوا نظر آؤن گا۔

اب خیابانہ کی مسجد کے چراغ مجھے خاموش اور تنگ نظر آتے تھے اور جو چمک اُنھون نے میرے قلب مین پیدا کی تھی وہ جاتی رہی تھی اور اُس سفید مورت کی نسبت جسکو مین نے تین روز قبل رحمت و شفقت کا مجسمہ پایا تھا میری رائے بدل چکی تھی اب مین اُسکو ایک ایسا ضرر رسان وحشی درندہ خیال کر رہا تھا جس کے وہ تیز ناخن جو مجھ جیسے مسکین کے قلب کے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لینے والے تھی، بلّی کے پنجون کی روئی جیسی نرم اون کے اندر چھپے ہوئے تھے لیکن باین ہمہ کہ میری رائے بدل چکی تھی مین ایک مبہم خوف مین مبتلا تھا اور یہ عجیب خطرہ میرے قلب مین پیدا ہو رہا تھا کہ کہین عائشہ اُن احکام کی اطاعت سے انکار نہ کر دے جو سفری شفاخانہ کی طرف سے اُس کو دیئے جائین گے پھر مین اپنے دل مین کہتا کہ اگر اُسنے احکام کو نہ مانا تو مین کیا کرون گا۔

اُسی روز شام کو پلٹن اُس گاؤن مین آکر ٹھہری جہان ہم ہو قت مقیم تھے اور سفری شفاخانہ کا عملہ اُس مقام پر قیام پذیر ہوا جہان پہلے پلٹن تھی اُس روز مین بعض نہایت اہم و ضروری کامون مین دیوانون کی مانند مشغول رہا اور آدھی رات تک فرصت نہ ملی نصف شب کے بعد ایک بجے کے قریب مین گھوڑے پر سوار ہو کر سفری شفاخانہ کی تفتیش کے لئے چلا اور پانچ منٹ مین اُسجگہ پہنچ گیا جہان فوجی سفری شفاخانہ تھا خیمون کے اندر داخل ہو کر مین نے ایک خادمہ عورت کو ایک چھوٹے سے خیمہ سے نکلتے ہوئے دیکھا اور اُس سے دریافت کیا۔

بیٹی کیا بہن عائشہ یہاں ہیں۔

خادمہ نے جواب دیا "وہ شفاخانہ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی ہیں"

ان الفاظ نے مجھے کافی تسکین بخشی اور میں نے یہ محسوس کیا کہ میرے گلے میں پھانسی کا جو پھندا پڑا ہے وہ کسی قدر ڈھیلا ہو گیا ہے میں فوراً واپس چلا آیا اور مزید تحقیقات کو ترک کر دیا۔ اسوقت میں اگرچہ کمرہ کے اندر بیٹھا ہوں لیکن اُس آواز کو سُن رہا ہوں جو واپسی میں سامنے کے پہاڑ کی چٹانوں اور پتھروں پر سے گزرتے وقت گھوڑے کے قدموں سے پیدا تھی۔

دوسرے روز ہم کو یونانیوں کی واپسی کا یقین ہو گیا اس خوشگوار یقین نے میرے دل و دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا کی اور میں آلام قلب سے صحت و شفا کی نئی نئی اُمیدیں باندھنے لگا میری قوت حافظہ یا قوت یادداشت نے عائشہ سے تعارف کی تاریخ اور آستانہ کے ایام صداقت کو میری نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا، پھر مجھے وہ باتیں یاد آئیں جو سکی شہر میں عائشہ سے ہوئی تھیں اس کے بعد مجھ حشمت بک کا خیال آیا اور میں اُس حشمت بک کو جسکو کبھی جسیم دیو ہیکل سمجھتا تھا پرکاہ سمجھنے لگا۔

میں نے سمرنا کے راستہ کو اپنے سامنے کھلا ہوا پایا اور محسوس کیا کہ سمرنا کی راہ ہمارے لئے کشادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب مجھکو یقین ہو گیا کہ ہم سمرنا میں ضرور داخل ہو جائیں گے اور یہ کہ پھر عائشہ میری ہوگی اور کوئی شخص اُسکو پھر میرے ہاتھوں سے چھین نہ سکیگا، میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ میں عائشہ کو نقد جان دیکر خریدونگا اور اگر حشمت بک اس راہ میں میرا مزاحم ہوا تو اُسکو قتل کر دونگا پیاری! میں نہیں کہہ سکتا کہ اسوقت میری اُمیدیں کیونکر تازہ ہو گئی تھیں اور اُس شخص کی طرح جو بستر موت پر پڑا ہوا اور موت کا انتظار کر رہا ہو اور پھر یکایک زندگی کی اُمید نے اُس کے چہرہ پر رونق پیدا کر دی ہو میرے دل میں بھی اُمید کا چراغ روشن ہو گیا تھا میرے قلب میں جو قوت اور شباب کی تازگی پیدا ہو گئی تھی اُس کے مقابلہ میں میں دنیا کو حقیر و ذلیل اور بازیچۂ اطفال سمجھنے لگا تھا۔

اتفاق سے دوسرے روز علی الصباح مجھے اپنی چچا زاد بہن کا ایک خط ملا جسمیں اُس کی تصویر بھی تھی اس خط میں اُسنے جوش شباب کی پوری قوت سے میری طرف اپنے میلان کو ظاہر کیا تھا، اور تصویر جو اُسنے بھیجی تھی وہ تھی جو دلکیش کے جنگل میں بلوط کے ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی، تصویر میں اُس کے چہرہ پر تبسم تھا جو سعادت و ایمان کا ثبوت دے رہا تھا اور وہ گویا زبانِ حال سے اپنے شباب کی

نیت کا اندازہ کرکے بتلا رہی تھی کہ اس کو اپنی کامیابی کا پورا یقین ہے۔

خط اور تصویر کو دیکھکر مجھے وہ باتین یاد آگئین جو انگورہ مین ہوئی تھین، پھر باہمی ملاقات، اور مفارقت وجدائی کا خیال آیا اور رنج والم نے میرے قلب کو پژمردہ کردیا، حالت یہ تھی کہ وہ مجھ سے محبت والفت کرتی تھی اور امیدین باندھے بیٹھی تھی اور مین تردد وانتشار کے چٹیل میدان مین بھٹکتا پھر رہا تھا اور پھر یہ کہ مین تردد واضطراب مین مبتلا تھا اور اپنے قلب مین محبت کے جذبات کو پاتا تھا لیکن یہ امر میرے امکان سے خارج تھا کہ مین عائشہ کو بھی ایسے ہی اضطراب وانتشار کے چٹیل میدان مین بھٹکتا ہوا خیال کرلون، مین انھین خیالات مین تھا کہ میری قوت واہمہ نے حسنت یک کہ میری نگاہون کے سامنے لا کھڑا کیا اور دائمی عذاب ونا امیدی کے مجسمہ کو بھی۔

یہ حالت میری قوت برداشت سے باہر تھی اس لئے لازم تھا کہ مین عائشہ کے سامنے بیٹھ کر روبرو اس کا تصفیہ کرلون اور اسکو بتلاؤن کہ مین کس قدر تکالیف اور رنج وغم برداشت کررہا ہون تاکہ وہ میری داستان غم سنکر آخری فیصلہ صادر کرسکے اور مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ میری زندگی کا کتنا حصہ باقی ہے۔ سارا دن مین نے اسی تردد واضطراب اور انتظار مین گذارا آخر آفتاب غروب ہوگیا اور تیرہ ہوا اور سردی نے دنیا پر قبضہ کرلیا۔

عشا کے وقت مین سفری شفاخانہ کی طرف روانہ ہوا عائشہ اسوقت اپنے خیمہ مین فوجی چارپائی پر آرام کررہی تھی، مین نے دروازہ کھٹ کھٹایا اور فوراً وہ تخت سے اٹھی اور دروازہ کھول دیا اور جونہی میری اور اس کی آنکھین ملین مجھے اس امر کا یقین ہوگیا کہ وہ میرے اسوقت آنے کا مطلب سمجھ گئی ہے اور غالباً اسی وجہ سے اسنے یہ دریافت نہین کیا کہ مین کیون آیا ہون کرسی میرے بیٹھنے کے لئے اسنے بچھادی اور خود تخت پر بیٹھ گئی اور انتظار کرنے لگی کہ مین کیا کہتا ہون۔

اسوقت عائشہ کے چہرہ پر تکدر اور تکان کے آثار نمایان تھے، مین نے کرسی پر بیٹھتے ہی فوجی لہجہ مین اسکو مخاطب کرکے کہا، "عائشہ تم نے جو الفاظ اسوقت کہے تھے جبکہ ہم عسکی شہر کے شفاخانہ مین تھے مین ان کو دوبارہ سننے اور مکرر کہلوانے کے لئے آیا ہون"

عائشہ۔ (طمانیت کے ساتھ فوجی لہجہ مین) احسان عسکی شہر مین ہم جس حالت مین تھے وہ حالت اب بالکل بدل گئی ہے اب ہم ایک دوسرے کے مخلص اور سچے دوست ہین اور پھر رفیق طریق احسان!

تم جس معاملہ پر اسوقت گفتگو اور بحث کے لئے آئے ہو اُسکا وقت گذر چکا ہے۔

مین۔ عائشہ یہ کیون۔

اِن الفاظ کے جواب مین جب عائشہ نے پھر اپنے پہلے الفاظ کو دُہرایا تو مین نے دریافت کیا کہ کیا وہ کسی دوسرے شخص سے محبت رکھتی ہے۔

میرے اِن الفاظ نے عائشہ کو غضبناک بنا دیا اور اُسنے تند لہجہ مین کہا۔

کیا تم نے مجھ مین کوئی ایسی بات پائی ہے جس سے تم کو یہ خیال قائم کرنیکا موقع ملا ہے، مین نے چند منٹ تک اُس کے جواب پر غور کیا اور کوئی بات مجھے ایسی نظر نہ آئی جس سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہو اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مین نے کوئی ایسی بات نہین دیکھی تھی لیکن میرا قلب سخت تکلیف برداشت کر رہا تھا، اور مین اُس سے عاجز آگیا تھا۔

میرے دل مین ایک خواہش پیدا ہوئی جو جنون سے مشابہ تھی یعنی یہ کہ مین اسوقت حشمت بک کا ذکر کرون لیکن مین اس خوف سے خاموش رہا کہ اگر مین اپنی خیالی قرارداد کا ثبوت نہ دے سکا تو بڑی خفت ندامت ہوگی، آخر مین نے کہا۔

عائشہ تم نے جو الفاظ اسوقت کہے ہین کیا مین انکو آخری فیصلہ سمجھ لون۔

عائشہ۔ احسان میرے خیال مین اس بحث کو ختم کر دینا چاہئے آؤ باہر چلین مجھے اسوقت حشمت بک کے پاس اُس کے بازو کی مالش کے لئے جانا ہے آؤ دونون ساتھ چلین راستہ مین باتین ہون گی لیکن یہ باتین گذشتہ زمانہ کے واقعات سے متعلق نہ ہونگی بلکہ اُن حیرت انگیز امور کی نسبت جو آئندہ وقوع مین آنے والے ہین۔

عائشہ کے حکم کی مین نے فوراً تعمیل کی اور کھڑا ہو گیا گویا کہ مین اُس کے ارادہ کی تابع ایک مشین ہون مین نے محسوس کیا کہ اسوقت مین پتھر کی طرح منجمد اور بے حس و حرکت ہون، عائشہ نے کپڑے پہنے، اور دونون روانہ ہوئے، عائشہ اندھیرے مین باتین کرتی چلی جا رہی تھی اور مین خاموش تھا، مین نے اپنے انجام کو معلوم کر لیا تھا اور پھر جو کچھ مجھ کو کرنا تھا اُس کا بھی مین نے ارادہ کر لیا تھا میرا ذلیل قلب کسی ایسے معجزہ کا منتظر تھا جس کے ذریعہ سے نجات حاصل ہو سکے، راستہ بھر مین اپنے دل سے باتین کرتا اور یہ کہتا رہا کہ جب تک پھانسی کی رسّی ڈھیلی ہو کر میری گلو خلاصی نہ ہو جائے گی ہم ہرگز ہرگز

سکا نون تک نہ پہنچ سکے، میں انھیں خیالات وافکار میں تھا کہ یکایک عائشہ نے کہا۔
آج صبح میں سفری شفاخانہ کے بعض کاموں کو انجام دینے کے لئے ڈھونڈ نے میں گئی تھی اور تمھارے کمرہ میں بھی..............

میں۔ ہاں۔
عائشہ۔ تمھارے کمرہ میں۔ میں نے اُس لڑکی۔ کی تصویر دیکھی جو تم سے محبت کرتی ہے۔
میں۔ اچھا۔
عائشہ کے الفاظ سُنکر میں نے محسوس کیا کہ میرا دل دھڑک رہا ہے اور قلب میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ پھر عائشہ نے کہا۔
تم اُس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔
میں۔ عائشہ شاید تمھیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں نے شادی نہ کی تو تم کو پریشانی اور تکلیف ہوگی۔
عائشہ۔ نہیں... نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے۔
میں۔ عائشہ میں یقین دلاتا ہوں کہ کبھی تم کو پریشان نہ کرونگا اور نہ کوئی تکلیف پہنچنے دونگا میں تمھارا مخلص دوست اور خادم رہونگا جیسا کہ ایام عسکی شہر سے قبل تھا۔
عائشہ۔ احسان زمانہ تمام باتوں کا فیصلہ کردیگا۔
میں نہیں کہہ سکتا کہ عائشہ نے یہ الفاظ کیوں کہے آخر ہم ایک دروازہ پر پہنچے جس کے سامنے آگ جل رہی تھی، میں اور عائشہ آگ کی روشنی میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوگئے اور خاموش ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، میں نے دیکھا کہ عائشہ کی آنکھیں خون کبوتر ہورہی ہیں اور وہ ایک خاص انداز سے میری آنکھوں کو غور سے دیکھ رہی ہے، میں نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا لیا گویا میں عائشہ سے یہ کہہ رہا ہوں عائشہ ضبط سے کام لو۔
مؤذن نے گاؤن کی مسجد کے منارہ پر کھڑے ہوکر حزین و غمگین آواز میں اذان شروع کی مؤذن کی آواز کو سُن کر میں نے معلوم کرلیا کہ وہ استنبول کا رہنے والا ہے سپاہی آگ کے سامنے سے گاؤن کی طرف جارہے تھے اور ہم خاموش ایک دوسرے کو کھڑے دیکھ رہے تھے گویا ہم دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں یا دو دیو۔

دیر تک ہم دونوں آگ کے سامنے کھڑے رہے یہاں تک کہ آگ بجھ کر راکھ ہوگئی، موذن دیر تک ٹھہر ٹھہر کر اذان دیتا رہا آخر یہ کہ وہ بھی خاموش ہوگیا اسوقت میں نے دیکھا کہ عائشہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور میں بھی بے اختیار رو رہا ہوں میں نے کہا۔

عائشہ تم رو رہی ہو.... کیوں.... کیوں رو رہی ہو۔

عائشہ نے سر اٹھایا، راکھ کے ڈھیر کی روشنی میں گھڑی دیکھی اور پھر بلند آواز میں مجھ کو مخاطب کر کے کہا۔

احسان بہت دیر ہوگئی اچھا اب تم جاؤ، فی امان اللہ۔

یہ کہکر وہ حشمت بک کے خیمہ کی طرف روانہ ہوگئی جو ہمارے بائیں جانب خیموں کی طویل قطار میں تھا۔

احسان نے اپنی داستان ختم کر کے سگرٹ سلگایا۔ کمرہ کے باہر مرغ آمد سحر کے نعرے لگا رہا تھا اور بعض نوجوان گھوڑے یا بچھیرے ہنہنا رہے تھے، احسان نے جو اسوقت دو سو برس کا بوڑھا معلوم ہوتا تھا میری طرف دیکھا اور کہا۔

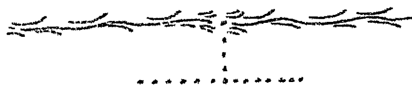
پیامی! میرے کام کا وقت آگیا میرے دوست اب تم سو جاؤ صبح کو میں تمھیں اُس افسر کی خدمت میں پیش کردونگا جو میری جگہ آئے گا پھر میں اُس رجمنٹ میں چلا جاؤنگا جہاں میں متعین کیا گیا ہوں۔

میں نے کہا۔ احسان مجھ کو بھی اپنے ساتھ لے چلو۔

احسان۔ خیر۔ شاید پیامی تم بھی میری طرح اپنے آپ کو تیز آگ میں جھونکنا چاہتے ہو ہاں اُس آگ میں جو اُس آتشین پیراہن سے جسکو تم پہنے ہوئے ہو زیادہ گرم اور تیز ہے۔

آخر ہم ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور احسان نے اُس فوجی لہجہ میں جس سے میں آگاہ تھا، کہا یہ پیامی تم سو رہو میں اب کام کرونگا۔

دیر تک میں لیٹا لیٹا احسان کو میز پہ جھکا ہوا کام کرتے دیکھتا رہا اور پھر بچھیروں، گھوڑوں، اور مرغ کی آوازوں کو جو آفتاب کی سرخ سرخ کرنوں کی شعاعوں میں گونج رہی تھیں سنتا سنتا سو گیا۔



....

(۱۱)

کالا پٹّا

بارہ دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء

بہت سے دن گذر گئے اور میں بستر مرض اور شکستہ قوت ہوں میرے جسم کا نصف حصّہ گویا بے جان ہو چکا ہے اور صرف ایک دماغ ہے جس میں زندگی کی علامتیں پائی جاتی ہیں، ڈاکٹر کی نگاہوں اور حرکات سے میں نے محسوس کیا ہے کہ اب عمل جراحی (اپریشن) میں صرف دو روز باقی رہ گئے ہیں اور میں اس سے بہت خوف زدہ ہوں میرا خیال ہے کہ جب ڈاکٹر میرے دماغ پر عمل جراحی کر چکیں گے تو وہ سر کے سوراخ سے میرے قلب پر نظر ڈالیں گے اور اُن اسرار سے جو میرے قلب میں محفوظ ہیں آگاہ ہو جائیں گے، وہ جب میرے قلب کو دیکھیں گے تو یقیناً ان ضعیف الایمان لوگوں کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل جائیں گے۔

اہا یہ نوجوان تو دیوانہ نکلا۔

بہت ممکن ہے کہ جب یہ لوگ میرے دماغ اور قلب کی عزت کو برباد کر چکیں تو بے پروائی کیساتھ ایک کو دوسرے کی جگہ رکھدیں یعنی دماغ کو قلب کی جگہ اور قلب کو دماغ کی جگہ اور اسکا اُن کو خیال بھی نہ ہو کہ میرا قلب محبوب کی ملکوت ہے یعنی آنسوؤں اور رنج و غم کی ملکوت اور محبت و آگ کی ملکوت اگر انھوں نے اس ملکوت کو تباہ کر دیا تو میرے پاس کیا رہجائیگا، صرف دو ناتوان بازو اور نصف حصہ جسم، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ میرے مفلوج جسم کے اوپر سے آتشیں پیراہن کو بھی اُتار لیجائیں، اگر انھوں نے ایسا کیا تو پھر وہی لمحہ آخری لمحہ ہوگا اور اسی کا نام عدم ہے.........

جس روز کہ میری روح اس سرخ پیراہن کو اپنے سے علیحدہ کر دیگی اور جس روز کہ میرے دماغ سے اُس عزیز ملکوت کے آثار محو ہو جائیں گے وہی دن میری روح کا آخری دن ہوگا اور وہ دنیا سے رخصت ہو جائے گی، میرا دماغ مضمحل ہو جائیگا اور میں اُس مٹی میں مل جاؤں گا جس کے نیچے ایک چھوٹے سے

سکاؤن کے مقبرہ مین جسکو مین اسوقت اپنی نگاہون کے سامنے دیکھ رہا ہون میرے دوستون کے اجسام دفن ہین۔

آہ اُس خوبصورت اور نوجوان افسر کا جسم جو بالکل شاہ آتینا کی اُس ڈھال کے مانند تھا جسپر آگ اثر نہ کرتی تھی آج کیونکر زمین کے اندر بیحس و حرکت پڑا ہے اور آہ بنت سمرنا کی وہ زمردین آنکھین جن سے اُسنے سقالیہ کی پہاڑیون کو سمرنا کا راستہ دیکھنے کے لیے پاش پاش کردیا تھا کیونکر اُن کی وہ سبز آگ جو آنکھون کے حلقون مین بھڑکتی رہتی تھی بجھ گئی اور پھر کیونکر وہ گرم خون جو اُس کے سرخ سرخ ہونٹون مین دوڑتا رہتا تھا جم کر رہ گیا، دنیا مین اب میرا کون ہے کہ میرے مقطوع جسم کو اُن قلوب کے جذبات کی قبر بنا لینے دے، جن کے نیچے میری دیرینہ آرزوئین پوشیدہ تھین۔

آج مین اسقدر سردی محسوس کر رہا ہون کہ میرے ہاتھ گویا برف بن گئے ہین اور میری بقیہ نصف رانین گویا پتھر ہوکر رہ گئی ہین یہ تیز ہوا جو سیاہ ٹیلہ سے شفاخانہ کے اطراف تک کہر کو ڈھیر بنائے ہوئے ہے میرے قلب کے بھڑکتے ہوئے شعلون پر سے گذر رہی ہے اور میرے دل و دماغ مین یہ جذبہ پیدا کر رہی ہے کہ ایک دفعہ پھر مجھے وہ دن نصیب ہو جائے جو مین نے اس ٹیلہ پر جس پر سرد ہوا آرہی ہے بسر کیا تھا تاکہ مین بھی اُس نعمت کو حاصل کرلون جسکو میرے اُن دوستون نے حاصل کیا تھا جو اسوقت بڑی بڑی چٹانون کے سایہ مین میٹھی نیند سو رہے ہین اور اُن کی آنکھین ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی ہین۔

آج مین صرف اُن واقعات کو حوالۂ قلم کرونگا جو سیاہ ٹیلہ کے ایام مین آخری دنون سے تعلق رکھتے ہین، اُن ایام مین جو کچھ وقوع مین آیا ہے مین ایک بات بھی اُسمین سے نہ چھوڑونگا اور سارا واقعہ شروع سے آخر تک لکھونگا، کیونکہ جراح کا وہ تیز نشتر اور چھری جو اس کے بعد میرے سر مین اپریشن کریگی میرے جسم اور سر کے درمیان جو سنہری تار دون کا سلسلہ ہے وہ اُن کو منقطع کردیگی اور یہ میری زندگی کا آخری دورہ ہوگا۔

احسان نے اپنا کام اُس افسر کے حوالہ کردیا جو اُس کی جگہ مقرر کیا گیا تھا اور مجھکو بحیثیت ایک افسر فرامین کے اپنے ساتھ اُس رجمنٹ مین لے گیا جسپر اُسکا تقرر ہوا تھا، اُس روز سے جس روز کہ یہ تقررات عمل مین آئے ہین مین نے کبھی احسان کو ہنستا یا مسکراتا ہوا نہین دیکھا، احسان کی موجودہ حالت اور

افسردگی کی حالت مین جبہ ورنگ اُسنے کو کچھ بتنا رہین اپنے قلب سے فولادی حجاب کو اٹھا دیا تھا زمین و آسمان کا فرق پیدا ہوگیا تھا بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ اب احسان وہ احسان نہین تھا جس کی زبان سے مین نے اُسکی داستان غم پہاڑ کے اوپر سنی تھی۔

جب ہم سپاہ کے جدید دستہ مین منتقل ہوگئے تو احسان کی زندگی نے ایک عجیب صورت اختیار کرلی یعنی اُس کا یہ معمول ہوگیا کہ وہ دن کو سپاہیون مین گذارتا جدید سپاہیون کی بھرتی کے لئے لوگون کو انتخاب کرتا اور رنگروٹون کو روزانہ اُن گرد و غبار آلود راستون پر لیجا کر جو لشکرگاہ کے پشت پر میدان مین واقع تھے فوجی تعلیم و تربیت دیتا تھا مین اسوقت بھی گویا اُن سپاہیون کو دیکھ رہا ہون جو خاکی وردیون مین قواعد کر رہے ہین چونکہ مسافت بہت بعید ہے اس لئے وہ اسوقت مجھے چھوٹے چھوٹے نظر آرہے ہین، احسان نیلے لباس مین اُن کے پیچھے ہے اور اپنے دونون بازوون کو تیزی سے حرکت دے رہا ہے گویا وہ ایک سارجنٹ ہے جو اِن سپاہیون کو فوجی قواعد سکھا رہا ہے۔

آفتاب غروب ہونے کے بعد احسان خیمہ مین واپس آجاتا رات بھر احکام لکھتا اور صادر کرتا رہتا تھا اور صبح تک برابر اسی کام مین مشغول رہتا تھا مین جب اُس کو اس حال مین دیکھتا تو اپنے دل مین ہنستا لیکن میرا یہ ہنسنا رونے سے مشابہ ہوتا تھا بار بار میرے جی مین آتا کہ مین احسان کا نام "سیسہ کا سپاہی" رکھدون جن کا ذکر ہنڈرسن کے قصہ مین آیا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ سیسہ کا ایک کھلونہ جو سپاہی کی صورت مین تھا ایک گھر مین طاق کے اندر رکھا ہوا تھا اور باوجود اس کے کہ اس کی ران مفقود تھی لیکن اُسکے اطوار سپاہیون کے سے تھے، ہنڈرسن نے اپنے قصہ مین لکھا ہے کہ اس سپاہی کو ایک نوجوان لڑکی سے عشق تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ خادمہ مکان کی صفائی کر رہی تھی کہ سیسہ کا یہ سپاہی انگیٹھی مین گر گیا اور جب اُسکو آگ سے نکالا گیا تو وہ پگھلکر قلب کی شکل ہوگیا تھا مین جس قدر احسان کی حالت پر غور کرتا ہون اُسکو سیسہ کے اس کھلونے سے مشابہ پاتا ہون احسان بھی اُس سیسہ کے سپاہی کی طرح اُس سبز آنکھون والی عورت پر عاشق ہے جو سفری شفاخانہ مین کام کر رہی ہے اور لشکرگاہ کے سامنے جو کالا پہاڑ کھڑا ہے اُسکے گرد کی گھمسان جنگ کی آگ مین کود پڑنے کے لئے مستعد ہے تاکہ جنگ کی یہ آگ اُسکو پگھلا کر قلب کی شکل مین بدل دے اور وہ زیر زمین مدفون ہوجائے، آہ اس فولادی محبوب سپاہی کی خواہش کسقدر عجیب و غریب ہے

ایک روز مین نے ارادہ کیا کہ مین عائشہ سے جا کر ملون مجھے اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ عائشہ احسان

سے محبت کرتی ہی اور اس یقین کی بڑی وجہ یہ بھی کہ عائشہ نے احسان سے جو یہ عہد کیا تھا کہ وہ اس سے نکاح کرے گی اس عہد کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایک سال کے اندر ہی اندر اس عہد کو توڑ دیگی پھر یہ کہ جب احسان اور عائشہ آخری مرتبہ ملے ہیں اور اس بجھی ہوئی آگ کے سامنے دونوں کھڑے تھے جو سکاٹون کے دروازہ پر جل رہی تھی تو دونوں بے اختیار رو رہے تھے۔

مین نے جب عائشہ کے پاس جانیکا ارادہ کیا تو احسان سے مین نے اجازت چاہی اسوقت میری آواز مین معنی خیز لغزش تھی لیکن احسان اس سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا اور نہایت طمانیت کے ساتھ کلام کرتے ہوئے سرکاری لب لہجہ مین کہا۔

تم ایک گھنٹہ کے لئے جہان چاہو جا سکتے ہو۔

اس کے بعد وہ سوار سارجنٹ سے جو نہایت جسیم و توانا تھا اور احکام حاصل کرنے کے لئے آیا تھا، مخاطب ہوا اور باتین کرنے لگا، مین کمرہ سے باہر نکلا اور اس میدان کی طرف بڑھا جو اس وادی مین شامل تھا جسمین سفری شفاخانہ کا کیمپ تھا مین خاموش چلا جا رہا تھا اور اس گھاس کو جو میدان مین ہوا کے جھونکون سے لہرا رہی تھی مخاطب کرکے اُن الفاظ کی مشق کر رہا تھا جو مجھ کو عائشہ سے کہنے تھے اس وقت مین نہایت جوش اور اہتمام کے ساتھ احسان کی حالت اور اس کے درد والم کو بیان کر رہا تھا اور ظاہر کر رہا تھا کہ احسان کی خود رفتگی اب اس درجہ تک پہنچگئی ہی کہ وہ موت کے قریب تک پہنچ گیا ہو۔

مین اسی قسم کی باتین کرتا چلا جا رہا تھا اور خود ہی ان سے اتنا متاثر ہو رہا تھا کہ آنسو میری آنکھون سے جاری تھے مین نے اپنے تاثر کو پیش نظر رکھکر دلمین کہا کہ جب مین عائشہ سے یہ باتین کہون گا اور احسان کی حالت بتلاؤن گا تو وہ ان سے اس قدر متاثر ہوگی کہ بچون کی طرح رونے لگے گی اور مجھ سے یہ خواہش کرے گی کہ مین دونون کے قلوب اور ہاتھون کو ملا دینے کا ذریعہ بنجاؤن۔

جب مین اُن الفاظ کی مشق کر چکا جو مجھکو احسان کی نسبت عائشہ سے کہنے تھے تو میرے دلمین پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ مین اس سے یہ بھی کہون گا کہ مین بھی ....

جونہین یہ خیال میرے قلب مین پیدا ہوا میرا دل زور زور حرکت کرنے لگا اور مین نے یہ فیصلہ کیا کہ اس خیال کو بس یہین ختم کر دینا چاہیے۔

شام ہوگئی تھی اور وادی کے اندر خیمون مین چراغ روشن تھے جگہ جگہ سپاہیون کی جماعتین بیٹھی

تھیں اور ان کے سیاہ حلقوں میں آگ جل رہی تھی یکایک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گھاس کو مخاطب کر کے جو الفاظ میں نے کہے تھے گھاس نے تاریکی میں غائب ہونے سے قبل ان الفاظ کے جواب میں بعض عجیب و غریب امور مجھکو بتلائے ہیں، میں اس عجیب تخیل پر ہنس پڑا اور مجھے دو لانگ فیلو، کا قصہ یاد آگیا۔

دو لانگ فیلو کا قصہ عجیب و غریب ہے جو امریکہ کے ایام توحش میں وقوع پذیر ہوا ہے اُس زمانہ میں امریکہ کی زمین خشک و غیر آباد تھی اور وادی سقاریہ کے پہاڑوں کی طرح اسمیں کثرت سے کالے کالے پہاڑ تھے جو لوگ اُن ایام میں وہاں بستے تھے اُن میں ایک حیادار اور غیر تمند نوجوان بھی تھا جو وفاتر اور کاغذات میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نوجوان کا ایک دوست تھا جو طاقتور جسیم اور جنگ آزما تھا اُس کا دل سونے کی طرح پاک و صاف اور فولاد کے مانند مضبوط تھا جو شخص اُسکو دیکھتا تھا تعجب کرتا تھا یہ دونوں دوست ایک خوبصورت عورت سے محبت رکھتے تھے، اس ملک کی عورتیں طاقتور اور شجاع مردوں کو بہت دوست رکھتی تھیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ خصوصیت امریکن عورتوں ہی کی نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں دنیا بھر کی عورتیں بہادر مردوں سے محبت کرتی رہی ہیں اور عورتوں کی یہی فطرت ہے۔

چھوٹے سے کاتب کو یہ حقیقت معلوم ہوگئی تھی وہ جب اپنی محبوبہ کے پاس جاتا تو خاموش اُس کے سامنے بیٹھا رہتا اسی طرح اُس کا بہادر و شجاع دوست بھی خاموش و خائف اپنی محبوبہ کے سامنے بیٹھا رہتا تھا اور یہ خاموشی اسوجہ سے نہ تھی کہ توحش کی فطرت کا اقتضا یہی تھا بلکہ اس کا سبب تھا کہ وہ اپنی محبوبہ کی خوبصورت آنکھوں سے خائف رہتا تھا، ایک روز اس بہادر نوجوان نے اپنے کمزور و نحیف دوست سے جو اُسوقت کاغذات کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے میں محو و مشغول تھا کہا۔

دوست! آج تم اُس محبوبہ کے پاس جاؤ اور میرے عشق کی کیفیت سے اُسکو آگاہ کر دو تم چونکہ نوجوان ہو اور لکھے پڑھے آدمی ہو اس لئے تم نہایت موثر الفاظ میں اُس سے میری حالت کو بیان کر سکو گے اور میری حالت کا نقشہ کھینچکر اُس کے سامنے رکھدو گے اور آخر اُسکو راضی کر لوگے۔

وہ نوجوان کاتب جو میری ہی طرح کاغذ و روشنائی کا مرد تھا اپنے دوست کی خواہش کے مطابق اُس عورت کے پاس گیا اور اُس کے سامنے اس طرح جوش و خروش سے اپنے دوست کے حالات اور داستان رنج و غم بیان کی جس طرح آتش فشاں پہاڑ پھوٹ نکلتا ہے یا تنور کے اندر شعلے بھڑکتے ہیں ہاں بالکل اُسی طرح جس طرح میں نے گھاس کو خطاب کیا تھا، نوجوان پُر اثر انداز میں اپنے دوست کی کیفیت

بیان کر رہا تھا اور وہ حسین عورت اپنی خوبصورت آنکھوں سے اُس کے قلب کی طرف دیکھ رہی تھی اور مبہم طریقہ پہ مسکرا رہی تھی آخر اُسنے ساری داستان سُنکر کہا۔

اچھا اب اپنی نسبت بھی کچھ کہو۔

یہ لانگ فیلو کا یہی وہ قصہ ہے جو مجھے اُسوقت یاد آگیا تھا لیکن میں ایسا بدباطن شخص نہ تھا کہ یہ خیال اپنے قلب میں پیدا ہونے دیتا بلاشبہ اگر ایسا خیال میرے دل میں پیدا ہوتا تو میں خوفزدہ ہوتا اسی طرح میں نے اپنے قلب میں یہ خطرہ بھی نہ پیدا ہونے دیا کہ جب ہم تاریکی میں خیمہ کے دروازہ کے سامنے پہنچینگے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہونگے تو عائشہ مجھ سے یہ سوال کرے گی۔

پیاری! ہاں اب اپنی نسبت بھی کچھ کہو۔

اس خیال نے میرے قلب میں نفرت پیدا کردی کیونکہ میں اس خیال کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور اتنا بدباطن نہ تھا کہ ایسا خیال قائم کرتا، آخر میں تھوڑی دیر کے لیے سفری شفاخانہ کے خیمہ کے پیچھے چھپ گیا تاکہ جس تاثر نے مجھے بیچین کردیا ہے وہ رفع ہوجائے اور سکون و اطمینان مجھ کو حاصل ہو جائے۔

اطمینان سے بیٹھکر میں نے اپنے دل میں کہا اگر میرے جسم میں وزارت خارجہ کے ایک معمولی عہدیدار کی روح دس برس سے سرایت کئے ہوئے نہ ہوتی تو کبھی میں اپنا قصہ اس طریقہ پہ نہ لکھتا بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ عائشہ اور میرے درمیان جو رابطہ تھا وہ بہن بھائی کا سا رابطہ و تعلق تھا یعنی عائشہ میری بڑی بہن تھی اور میں اُسکا چھوٹا بھائی، یا پھر یوں کہنا چاہئے کہ میں عائشہ کی پھوپی کا بیٹا تھا۔

جو ربط و تعلق میرے اور عائشہ کے درمیان اخوت کا تھا اُسپر مجھکو پورا اعتماد تھا اس لئے میں اس امر کا یقین رکھتا تھا کہ عائشہ میری باتوں کو سچائی کے ساتھ سنے گی مجھپر بھروسہ کریگی اور احسان کے پاس چلی جائے گی۔

آخر میں۔ عائشہ کے خیمہ کے دروازہ پہ پہنچ گیا اور الکحل و ٹنکچر آیوڈین کی بو میرے دماغ میں پہنچی خیمہ کے اندر بہت سی پالکیاں رکھی ہوئی تھیں جن کے اندر بعض وہ مریض اور مجروح تھے جن کی تیمارداری نگرانی عائشہ کے ذمہ تھی، عائشہ اسوقت خیمہ کی چوب کے ایک جانب بیٹھی ہوئی ایک حسیم سپاہی کے چہرہ پہ ٹکٹکی ڈال رہی تھی خیمہ میں اندر کوئی نہ تھا میں نے سُنا کہ ایک مجروح سپاہی لکنت کے انداز میں

عائشہ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔ بہن عائشہ کیا یونانی یہاں سے بھاگے جا رہے ہیں؟

عائشہ نے جواب دیا ہاں احمد وہ میدان چھوڑ کر جا رہے ہیں اور امید ہے کہ تین دن کے اندر علاقہ اُن کے ناپاک قدموں سے پاک ہو جائیگا۔ تمھارے سینہ میں جو زخم آیا ہے وہ رائیگاں نہیں گیا۔

دوسرا سپاہی۔ بہن عائشہ تھوڑا سا پانی دو۔

تیسرا سپاہی۔ میرے پاؤں میں بہت تکلیف ہے ڈاکٹر کب آئیگا۔

چوتھا سپاہی۔ آہ اماں ۔ ۔ ۔ ہائے اماں۔

پانچواں سپاہی۔ بہن کیا تم مجھ کو ایک لیموں دے سکتی ہو۔

میں نے چاہا کہ سپاہیوں کی ان درخواستوں میں۔ میں بھی حصہ لوں چنانچہ میں نے کہا۔

عائشہ کیا تھوڑی دیر کے لئے تم میرے پاس آسکتی ہو۔

عائشہ۔ اہا سپاہی تم ہو . . . . . تھوڑی دیر ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں۔

یہ کہکر عائشہ نے سارجنٹ مصطفےٰ کو حکم دیا کہ وہ مریضوں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرے اور پھر فوراً میرے پاس آئی اور ہم دونوں خیمہ کے دروازہ پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت عائشہ کے چہرہ پر گندمی نور تھا اور آنکھیں اور اُن کے حلقے سیاہی مائل تھے اُسنے مجھ سے دریافت کیا۔

یونانیوں کی واپسی و پسپائی یقینی ہے کیوں سپاہی کیا میرا خیال غلط ہے۔

میں۔ عائشہ تمھارا خیال درست ہے۔

عائشہ۔ کل حشمت بک اور جمال کے دستے جنگ میں شریک ہونگے۔

میں۔ اور احسان کی رجمنٹ بھی۔

عائشہ۔ سپاہی کیا تم مذاق کر رہے ہو۔

میں۔ عائشہ شاید تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ احسان کو رجمنٹ ۔۔۔ کی کمان دیدی گئی ہے۔

عائشہ۔ اب سے تین روز قبل میں احسان سے ملی تھی اُسنے مجھکو کوئی اطلاع نہیں دی اُسکا لشکر گاہ کہاں ہے۔

میں۔ اسی میدان میں۔

عائشہ۔ (ہنسکر) تو اب یوں کہنا چاہیے کہ کل تینوں سمرنا کے راستہ پر روانہ ہونگے۔

اس کے بعد عائشہ نے دریافت کیا۔

پیامی کیا تم بھی کسی دستہ مین شامل ہو گئے ہو۔

مین۔ احسان کا افسر اعلیٰ بنا دیا گیا ہون۔

یہ سُنکر حیرت سے عائشہ کی آنکھیں کھل گئین اور کہا۔

تو پھر تم بھی کل پروانون کی طرح آگ کے گرد چکر لگاؤ گے۔ اب مین تنہا رہ گئی اور سجز میرا اب کوئی باقی نہین رہا۔

عائشہ کے آخری الفاظ ختم نہ ہوئے تھے کہ خیمہ کے اندر سے یہ آواز سنائی دی۔

آہ میری بہن۔ ۔ ۔ آہ میری بہن۔

عائشہ نے یہ آواز سُنکر کہا۔

پیامی یہ آواز سارجنٹ حسن کی ہے جس کے بازو مین زخم آیا ہے اور باین ہمہ کہ وہ زخمی ہے لیکن محاذ جنگ مین واپس جانے پر اصرار کر رہا ہے عسکی شہر مین بھی اس کے جسم کی اندرونی جھلی مین زخم آیا تھا، مین اس کی تیمارداری اور مرہم پٹی کر رہی ہون اور اگرچہ زخم اچھا نہین ہوا ہے لیکن وہ خیال کرتا ہے کہ مین اچھا ہو گیا ہون اور اب کئی روز سے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ مین معرکہ جنگ مین شریک ہون گا اور جب تک کم سے کم تو زخم نہ کھالون گا واپس نہ آؤنگا۔

مین نے عائشہ کے پژمردہ چہرہ اور تیوری پڑی ہوئی پیشانی پر نظر ڈالی اور حرارت و برافروختگی کی علامتین محسوس کین چند منٹ تامل کے بعد آخر مین نے کہا۔

عائشہ کیا تم اس سے پہلے کہ کل احسان جنگ مین شریک ہو اُس سے ملنے کی خواہش نہین رکھتین، سقاریہ کی جنگ نے ہمارے بہت سے افسرون کو کھا لیا ہے اور وہ شہید ہو کر جنت کی طرف روانہ ہو گئے ہین۔

میرے الفاظ سُنکر عائشہ نے پُشت پھیر لی اور دیر تک دور دور افق کی طرف دیکھتی رہی، پھر میری طرف متوجہ ہوئی، اسوقت چونکہ غضب کی تاریکی تھی اس لئے مین اُس کے چہرہ کی حالت کو نہ دیکھ سکا البتہ یہ مین نے دیکھا کہ اُسنے اپنے دونون عریان بازو میری طرف پھیلائے اور پُرجوش لہجہ مین کہا۔ کل تم سب لوگ میدان جنگ مین جاؤ گے یعنی تم۔ جمال اور وہ اور شاید شادلیش (سارجنٹ)

حسن بھی یہ امر کسی طرح قرین صواب نہیں ہے کہ آجکل کسی کو جنگ میں شریک ہونے سے باز رکھا جائے کل سارا شہر سمرنا کی راہ میں آگے بڑھیگا اور میں بھی تمھارے ساتھ ہوں گی، اچھا بھائی اب تم جاؤ میں اماں میں زخمیوں کے پاس واپس جا رہی ہوں۔

میں نے کہا: عائشہ کیا میں تمھارا سلام احسان سے کہہ دوں۔

عائشہ۔ ہاں احسان سے میرا سلام کہنا میں دعا کر رہی ہوں کہ خدا اسلامی سپاہ کو فتح عطا فرمائیگا۔

رات بھر میں اس خیال میں محو رہا کہ عائشہ کی جیسی ستان ایک ایسی جیسی ستان پر جنبہ کا حال ڈالنا تکنیں سے آدھی رات گذر جانے پر احسان آ جاتا اور تمھیں کو آتے ہیں نیز اپنے بستر پر دراز ہو گیا اس وقت غضب کی سردی تھی، پہرہ دار خیمہ کے باہر برابر ادھر سے ادھر پھر رہا تھا اور ایک منٹ کے لئے بھی ٹھہرا نہ ہوتا تھا میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کیا میں عائشہ کے متعلق احسان سے گفتگو کروں اور عائشہ سے جو باتیں ہوئی تھیں اُن سے اُس کو آگاہ کر دوں لیکن جب میں نے احسان کے چہرہ کی حالت کو دیکھا تو مجھے اُس سے گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوئی اُسنے ٹوپی کو میز پر ڈالدیا تھا اور سر کے نیچے کہنی رکھے خیمہ کی چھت کو غور سے دیکھ رہا تھا، میں آدھے گھنٹے تک بالکل خاموش رہا پھر جرأت کر کے گفتگو شروع کرنیکا ارادہ کیا لیکن جونہیں کہ بات کرنے کے لئے میں نے لب کھولے کہ میں نے احسان کو نیند میں یہ کہتے سُنا۔

بہادر جوانو پہاڑی کی طرف فائر کرو۔ ہاں پہاڑی کی طرف وہ دیکھو دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور سراسیمہ بھاگا چلا جا رہا ہے۔

احسان یہ الفاظ کہہ رہا تھا اور تند و تند سانس لے رہا تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہانپ رہا تھا، میں نے محسوس کیا کہ وہ خواب میں بندوق اُٹھائے سپاہیوں کے ساتھ پہاڑی کی طرف جا رہا ہے احسان نے میرے قلب میں ایک عجیب و غریب احساس پیدا کیا میں غور کرنے لگا کہ کل میں بھی آگ و خون کے ایسے معرکوں میں پہلی مرتبہ شریک ہونگا اور فریق ممتاز میں میرا بھی شمار ہوگا ہاں سپاہیوں کی اُس جماعت میں۔ میں بھی گنا جاؤں گا جو موت کے روبرو کھڑی ہوتی ہے اور پھر اُس وقت عائشہ وغیرہ کی نظروں میں پست درجہ کے آدمیوں میں میرا شمار نہ ہوگا۔

صبح کو جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ احسان خیمہ کی چوب سے پشت لگائے بیٹھا ہے اور قہوہ پی رہا ہے۔ میں فوراً بستر سے اُٹھا اور اپنے قلب میں، میں نے وہ کیفیت سرور پائی جو عید کی صبح کو ہوتی

ہے اسوقت توپین آتشباری مین مصروف تھین اور خوفناک طریقہ پر گولہ باری جاری تھی، تمام لوگ خاموش تھے اور عام سکوت طاری تھا، احسان نے مجھ کو بیدار پاکر میری طرف دیکھا اور پہلی مرتبہ مجھ کو دیکھکر مسکرایا یہ مسکرانا اُس کا جس طرح پہلی مرتبہ تھا اُسی طرح آخری بھی تھا، احسان نے میری طرف دیکھکر کہا۔

پیارے آؤ یہ ہمارا اچھا پہرہ دار ہے۔

یونانی ہوائی جہازون کی پرواز کی آواز باہر سے آرہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان ہوائی جہازون نے لشکرگاہ کو معلوم کرلیا ہے، احسان جب خیمہ سے باہر نکلا اور مین نے دیکھا کہ وہ خیمہ کے باہر آسمان کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہے جس طرح بچے کھیل مین کنکوے کو اُڑتا دیکھتے ہین تو اُس کی جان کے خوف سے مین بے قرار ہوگیا۔

یونانی ہوائی جہازون نے چند گولے ادہر اُدہر گرائے لیکن کسی شخص نے ان کی پرواہ کی سپاہیونکی آمد و رفت جاری تھی اُن کے ہاتھون مین خوان تھے اور سپاہ کو وہ کھانا پہنچا رہے تھے، اس کے بعد توپون کی آتشباری بڑھ گئی اور گولے ہمارے قریب آکر گرنے لگے، گولے زمین پر گرتے تھے اور زمین کے اندر دھنس جاتے تھے اور پھر زمین شق ہوجاتی تھی۔ احسان اسوقت بہت مضطرب پریشان تھا جنگ اُن پہاڑی دامنون سے جو ہمارے سامنے تھے ”الکتہ الدعا“ مقام تک جو ہم سے تھوڑے فاصلہ پر تھا پہنچ چکی تھی ہم دیکھ رہے تھے کہ سپاہ کے دستے متحرک افواج سے جدا ہوکر اپنی خاکی وردیون مین آگے بڑھ رہے ہین اور جب وہ اُس میدان کے جو ہمارے سامنے تھا آخری خط پر پہنچ جاتے ہین تو تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتے ہین پھر اُن مین جوش پیدا ہوتا ہے اور جرأت اُن کی ہمت بڑھاتی ہے اور وہ آخری خط کو عبور کرکے آگے بڑھتے ہین یہان تک کہ وہ نظرون سے غائب ہوجاتے ہین کیونکہ آخری خط کے بعد آتشین خط یا محاذ جنگ تھا، مین اس ہولناک منظر کو دیکھ رہا تھا اور اپنے دلمین کہہ رہا تھا یہی وہ راستہ ہے جس سے ہم کو بھی گذرنا ہے لیکن گھنٹون اور منٹون کی آج کیا حالت ہے آج وہ گویا خاموش تھے یا اُن کی رفتار اتنی سُست تھی کہ ایک ایک لمحہ گھنٹون، دنون، مہینون بلکہ سالون کے برابر معلوم ہورہا تھا، خاموشی کا یہ عالم تھا گویا وہ مجسم کھڑی ہے اور ہمارے گرد محیط ہے اور ہم اُسکو اپنے ہاتھون سے محسوس کررہے ہین۔

جب سپاہ کھانا کھا چکی تو معرکہ کارزار میں گھسنے کے لئے تیار ہونے لگی حشمت بک نے احسان کو اپنے پاس بلایا اور دیر تک اُس سے مشورہ کرتا رہا، احسان ایک گھنٹہ کے بعد جب واپس آیا تو اُسنے تمام ماتحت افسروں کو جمع کیا اور تمام ضروری ہدایات و احکام اُن کو دئے اور ہم پھر میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار اور آگے بڑھنے کے لئے بالکل مستعد ہو گئے لیکن جمال کے ماتحت جو رجمنٹ تھی وہ ہم سے سبقت لے گئی ہم گھوڑوں کی پشت پر سوار کھڑے تھے اور جمال کی سپاہ ہمارے سامنے سے گذر رہی تھی جب جمال کی سپاہ کا آخری سپاہی اُس آخری خط سے گذر رہا تھا جو ہمارے سامنے میدان میں تھا تو احسان نے ہم سے اس امر کو مخفی رکھنے کی کوشش کی کہ وہ اسوقت سفری شفاخانہ کی جانب خاص توجہ سے دیکھ رہا ہے اُسنے جمال کے آخری سپاہی کو آخری خط سے گذرتے ہی اپنی نگاہوں کو سفری شفاخانہ کی جانب سے ہٹایا اور ایسے لہجہ میں جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو چھپا رہا ہے کہا۔

جمال کا دستہ سب سے سبقت لے گیا۔

مجھے اس امر کا یقین تھا کہ اگرچہ احسان میدان جنگ کی طرف بڑھنے کے لئے بالکل تیار ہے لیکن اُسکی نگاہیں سفری شفاخانہ کے کیمپ سے جدا نہیں ہوتیں اور وہ پوری توجہ سے سفری شفاخانہ کی طرف دیکھ رہا ہے اور اس کا سبب مجھے معلوم تھا یعنی وہ اُس تکلیف اور درد میں مبتلا تھا جو میری ہڈیوں، گوشت، قلب، اور دماغ میں ساری تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ آلام و مصائب جنکو ایک قلب برداشت کر رہا تھا یعنی وہ قلب جو فی الحقیقت ایک تھا لیکن دو جسموں میں منقسم تھا اور میرا خیال ہے کہ یہی وہ راز ہے جسنے مجھکو اور احسان کو یکجان دو قالب بنا دیا تھا۔

زمین پر پھر ایک موج پیدا ہوئی یعنی ہمارا لشکر حرکت میں آیا اور اپنے قدموں سے اُسنے زمین کی گرد اُڑانا شروع کی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا، لشکر کے دونوں جانب فولادی چہروں والے افسر گھوڑوں پر سوار تھے، جب ہماری سپاہ کا پہلا حصہ میدان کے آخری خط سے گذر کر میدان جنگ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا اُسوقت ہم وادی کے قلب میں تھے پھر لشکر کا دوسرا دستہ آخری خط پر پہنچا احسان ہمارے ساتھ تھا اور نہایت مضبوطی سے استقلال و ثبات قدمی کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر بیٹھا تھا اور دائیں بائیں تیزی کے ساتھ سپاہ کی رفتار کو دیکھ کر احکام صادر کر رہا تھا، ہم سواروں کے دستہ کے پیچھے چہار ان کے گرد کھڑے تھے اور گولوں کے پھٹنے کی آواز کے بعد دوسری آواز گھوڑوں کے ٹاپوں کی تھی جو فضا میں

گونج رہی تھی، کپتان محسن بیگ جو رجمنٹ کے افسر کا اڈیکانگ تھا تیزی کے ساتھ اگرچہ اپنی خدمات کو بجا لا رہا تھا لیکن میری طرف سے غافل نہ تھا وہ بار بار میرے پاس آتا اور مجھکو بحیثیت میرے ایک احتیاطی (ریزرو) افسر ہونے کے سہولتیں بہم پہنچاتا تھا حالانکہ میں اسوقت ان باتوں کی کوئی پروا نہیں کرتا تھا اور تیزی کے ساتھ سپاہ کو افسر کے احکام پہونچا رہا تھا۔

جسوقت ہم میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے اسوقت میں نے محسوس کیا کہ احسان میں اب کوئی انسانی صفت باقی نہیں رہی ہے اسوقت اس کو اپنے گرد و پیش کے آدمیوں کا مطلق کوئی خیال نہ تھا، اور وہ تیزی سے احکام صادر کر رہا تھا اس کی نگاہ اگرچہ میری طرف تھی لیکن وہ مجھکو دیکھتا نہ تھا جس وقت آخری دستے نے آخری خط کو عبور کر لیا تو احسان نے مجھکو رجمنٹ کے افسر کے پاس بھیجا میں اس مقام سے گذر رہا تھا اور میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ جیب سے رومال نکالکر میں سفری شفاخانہ کی طرف اشارہ کروں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور آخری خط سے گذر گیا، اسوقت میں اسقدر اپنے خیال میں محو تھا کہ مجھے کسی چیز کی پروا نہ تھی۔

آخر ہم اس وادی میں داخل ہوئے جسکو چاروں طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے تھے وادی کے وسط میں کسی قدر بلندی پر راستہ تھا جس پر سے ہم نے دیکھا کہ سپاہ وادی میں کالے کالے خطوط کی طرح پھیلی ہوئی ہے گولہ باری جاری تھی اور گولے ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر گر رہے تھے اور جہاں وہ گرتے تھے غبار کی ایک چادر اس کے اطراف میں فضا کے اندر پھیل جاتی تھی لوگ پہاڑی دامن میں جو وادی سے وابستہ تھا اس طرح پھیلے ہوئے تھے گویا وہ چیونٹیاں ہیں۔

جو خط ہمارے سامنے تھا وہ "پولا دلی" تک چلا گیا تھا پھر "پولا دلی" سے آگے بڑھ کر ایک چھوٹے سے درہ پر جاکر ختم ہو گیا تھا خط کے دائیں جانب "المتہ لبشرہ" اور بائیں جانب "آکام پولا دلی" تھے گولے ان کھیتوں میں گر رہے تھے جو درہ کے دائیں جانب تھے اور ایسے معلوم ہوتے تھے گویا وہ دھنکی ہوئی روئی ہے یا ابر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔

ہم ان کھیتوں کے اندر سے گذرنے پر مجبور تھے آخر ہم کھیتوں میں اس غبار کے درمیان داخل ہوئے جو ہمارے دائیں بائیں گولوں کے زمین پر گرنے سے اڑ رہا تھا، گھوڑے بھڑک بھڑک کر گولوں کی آواز سے بھاگ رہے تھے اور سپاہی خاموشی اور سکون کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

گولے ہمارے دائین بائین گر رہے تھے لیکن ہم بے پروا آگے بڑھنے مین مشغول تھے، یہان تک کہ ہمکو وہ بلند چوٹیان منارون کی طرح نظر آنے لگین جو اس کالے پہاڑ پر تھین جو بولا آدلی کی پشت پر واقع تھا ہمارا فرض یہ تھا کہ ہم اس پہاڑ پر پہنچکر اسپر قبضہ کرلین ہم مین سے ہر شخص کا ارادہ چونکہ فوجی نظام کے ماتحت افسر بالا کے ہاتھ مین تھا اسی وجہ سے کوئی شخص ہم مین سے اس امر کے لئے متفکر نہ تھا کہ کیونکر ہم ان آتشین کھیتون کو عبور کرینگے جن کے اندر ہم اسوقت جا رہے تھے۔ بلکہ فوج کے ہر حصہ پر جماعت اور ہر دستہ کا باہم ملنا۔ منتشر ہونا۔ اور ایک دوسرے سے ربط قائم رکھنا ان احکام کے ماتحت تھا جو افسرون سے مل رہے تھے، یہان تک کہ ان احکام کے ماتحت فوجون کے دستے میدان مین مخفی ہو جاتے تھے اور پھر یکایک نظرون سے غائب۔

یہ مسافت ہم نے ایک گھنٹہ مین طے کی ہم راستہ کو طے کر رہے تھے کہ ایک موٹر بجلی کی مانند تیزی سے ہمارے پاس سے گذری یہ موٹر سپہ سالار عام کی جانب سے فوجی افسرون کے نام احکام لیجا رہی تھی، پھر ایک فوجی افسر آیا اور احسان کے قریب پہنچکر اسکو فوجی سلام کیا اور احکام پہنچائے جتنی دیر ان احکام کو سننے مین لگی اتنی دیر مین ہم نے بمشکل اپنے گھوڑون کو آگے بڑھنے سے روکا، جب یہ افسر چلا گیا تو ہم پھر آگے بڑھے اسوقت احسان کے چہرے پر مسرت کی چمک تھی اُسنے مجھ کو مخاطب کرکے کہا۔

پیاری! ہمارا حملہ چونکہ قلب جیش سے ہوگا اس لئے سب سے پہلی گولی ہماری جانب سے چلے گی۔

مین نے کہا۔ اگر ایسا ہے تو ہمارے لئے آج کا دن عید کا دن ہے گویا ہم کو خوبصورت رومالون اور مٹھائیون سے خصوصیت بخشی گئی ہے۔

مین گھوڑے پر سوار تھا اور تیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ فسر کے احکام و ہدایات فوجی دستون کو پہنچا رہا تھا، یہ احکام آتشین کھیتون سے گذرنے کے متعلق تھے جن مین بیان کیا گیا تھا کہ جہان تک ممکن ہو بہت کم نقصان اٹھا کر اس مرحلہ کو طے کر لیا جائے ہم اُن بعض موانع کو جو راستہ کے دائین جانب تھے دُور کرکے آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ بولا آدلی کی چوٹیون سے ایک گولہ سرخ میدان مین آکر گرا جس سے دو سپاہی شہید ہوئے، میرا خیال ہے کہ اس معرکہ کی قربانیون مین یہ پہلی قربانی تھی، بہر حال جب ہم تنگنائے (درہ) کو طے کر چکے اور بولا آدلی کی پشت پر نشیب مین روانہ ہوئے تو ایک اور پہاڑی ہمارے سامنے آگئی اور ہم اپنے راستہ کو بدلنے پر مجبور ہوئے۔

مین اُن لوگون مین سے تھا جو بحری طوفان سے بہت ڈرتے ہین، ایک مرتبہ جب مین مارسیلز سے جہاز پر سوار ہوا تو حسن اتفاق سے ہولناک آندھی نے جہاز کو طوفان مین ڈال دیا اور جہاز پانی کی موجون مین اس طرح تھپیڑے کھانے لگا جس طرح کوئی چھوٹی سی کشتی بڑی بڑی موجون کا شکار ہو ایسی حالت مین۔ مین نے جہازران اور ملاحون کے چہرون پر نظر ڈالی اور اُن کو مطمئن پاکر اپنے دل مین کہا کہ جب تک ان لوگون کے چہرون پر خطرہ کی علامتین محسوس نہ ہونگی اُسوقت تک خوف کی کوئی وجہ نہین ہے اس خیال کے بعد جسقدر آندھی تیز ہوتی گئی اُسی قدر میرا خوف کم ہوتا گیا کیونکہ مین جہازران اور ملاحون کو خوش و مطمئن پاتا تھا اور اُن کی آواز مین طمانیت کا نغمہ مین سُن رہا تھا آخر یہ کہ میرا خوف بالکل جاتا رہا یہی حالت اسوقت بھی میری تھی۔

اسوقت بھی جبکہ خوفناک خاموشی اور سکون چھایا ہوا تھا اور سامعہ شکن توپین گرج گرج کر آتشباری کر رہی تھین میرے کان اُن جنگی احکام و ہدایات کی طرف لگے ہوئے تھے جو اجہان اور اُس کے ماتحت افسر فوجی دستون کو دے رہے تھے اور اُن کی آواز انسانی آواز کے بجائے فولادی گونج سے زیادہ مشابہ تھی، مین ان دلیرانہ احکام اور پُرجوش آواز کو سُنتا تھا اور عزم و ہمت کے مفہوم کو اُن مین پاکر مطمئن تھا اور مجھے اعتماد تھا کہ خطرہ کا وقت ابھی بہت دُور ہے اور پھر میری یہ حالت اُس وقت بھی جبکہ ہم اپنے اُن بھائیون کی نعشون پر سے گذر رہے تھے جن کی ہم نے جماعت درجماعت پیادہ اور سوار اُس زمین مین تخم ریزی کی تھی۔

جنگی حالات مین ایک عجیب بات یہ ہے کہ جنگ کے اندر خوفناک چیز صرف خوف کی اصل شخصیت ہے جب تک سپاہ کا ہزیمت یا پسپائی کی مصیبت سے سامنا نہ ہو وہ خوف کو جانتی بھی نہین اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جنگ بذات خود ایک نہایت سادہ اور معمولی چیز ہے۔

رات کی تاریکی نے دنیا کو گھیر لیا۔ سردی کی شدت بڑھنے لگی اور تیز ہوائین یا آندھی لشکر کی صفون کے یمین و یسار مین چلنے لگی یہ آندھی ہمکو ایسی محسوس ہوتی تھی گویا موت ہمارے سرون پر گذر رہی ہے۔

یکایک میری نظر ایک سپاہی پر پڑی جو لمبا کوٹ پہنے فرش زمین پر بھاری پتھر کی طرح پڑا تھا اُسکے پہلو مین سینہ کی زرہ تھی جو شام کی خفیف روشنی مین چمک رہی تھی، لشکر کی صفون کے پیچھے پالکیان

زخمیوں کو اُٹھا لے اور لیجانے میں مصروف تھیں، میں فوجی افسروں کی آوازوں کو سُن رہا تھا جو ماتحت سپاہیوں کو جنگی ہدایات دے رہے تھے رات کی تاریکی اور خاموشی میں یہ آوازیں بالکل فولادی گونج سے مشابہ تھیں برخلاف صبح کے کہ اسوقت آوازوں میں اس قسم کی گونج نہیں ہوتی۔

ہمارے اور دامن کوہ کے آخری خط کے درمیان ایک بہت بڑا سیاہ گڑھا تھا جو گولہ باری کی زد سے بالکل محفوظ تھا ہم نے اس گڑھے کو زخمیوں کی مرہم پٹی کا مقام بنالیا اور رجمنٹ کے افسر کا مرکز بھی یہیں منتقل کرلیا اور اب حقیقی حملہ یہیں سے شروع کیا گیا۔

میرے دماغ میں رات کی تاریکی پھیلنے سے قبل جنگی صورت کی تصویر منقش ہوگئی یعنی یہ کہ آخری حملہ کے بعد ہمارے اور کالے پہاڑ کے درمیان صرف ایک وادی رہ گئی تھی جو کسی قدر نشیب میں تھی یہ وادی اُن تمام گولوں کا نشانہ تھی جو "اکام الصخرہ" "اکام الوادی" اور کالے پہاڑ سے پھینکے جاتے تھے، ہماری اُس سپاہ کو جو دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے والی تھی اس وادی سے گزرنا ضروری تھا اور حالت یہ تھی کہ وادی پر ہر طرف سے آتشباری ہورہی تھی افسر سپاہ نے چاہا کہ تاریکی پھیلنے سے قبل وہ اس وادی کو اچھی طرح دیکھ لے چنانچہ اس خیال سے اُسنے ماتحت دستہ کو حکم دیا کہ وہ تھوڑی دیر پیشقدمی کو ملتوی رکھے یہ حکم دیکر افسر خود اور اُس کے اڈیکانگ ٹیلے پر چڑھے اور اُس کی چوٹی پر پہنچ گئے اسوقت شفق کی سُرخی زائل ہورہی تھی اور سیاہی پھیلتی جاتی تھی اُدھر ہم اِن کوششوں میں تھے اور اُدھر یونانی یہ کوشش کررہے تھے کہ رات کی تاریکی پھیلنے سے قبل وہ ہماری سپاہ کو وادی کیطرف بڑھنے اور وادی کو عبور کرنے سے روکدیں چنانچہ اس خیال سے یونانیوں نے وادی پر گولے برسانا شروع کیے یہ گولہ باری اتنی سخت تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دُنیا کی توپیں گولہ باری کررہی ہیں۔

ٹھیک اُسوقت جبکہ یونانیوں کی طرف سے شدید آتشباری جاری تھی میں نے غبار کے ایک بادل کو دیکھا جو اُس سارے راستہ پر چھایا ہوا تھا جس پر دو شخص سیاہ گھوڑوں پر سوار آخری خط کی طرف جارہے تھے پھر میں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا یہ کمانڈر .... کمانڈر

جب غبار کا وہ بادل جو راستہ پر چھایا ہوا تھا دُور ہوگیا تو میں نے دیکھا کہ دونوں گھوڑوں میں سے ایک آخری خط پر اپنے دو قدموں پر کھڑا ہے اور اُس کا سوار اُسکو تھپک تھپک کر تسکین دے رہا ہے پھر میں نے دیکھا کہ اُس گھوڑے نے پُشت کی طرف مُنہ پھیرا اور ایک منٹ کے وقفہ میں وہ پہاڑی

میدان میں پہنچ گیا معاً میں نے احسان کی آواز سنی جو دور سے مجھکو مخاطب کرکے کہہ رہا تھا۔

پیامی! محسن زخمی ہو گیا ہے فوراً شفاخانہ کے آدمیوں کو بھیجو۔

مختصر یہ کہ ہم کالے پہاڑ تک پہنچنے میں اس وقت تک کامیاب نہ ہوئے جب تک کہ ہم نے اسکی راہ میں کافی قربانیاں نہ دیں۔

احسان نے مختلف رجمنٹوں کے افسروں کو بلایا اور اس امر پر ان سے مشورہ لیا باہمی گفتگو سے یہ رائے قرار پائی کہ کالے پہاڑ تک رات کی تاریکی میں پہنچ جانا چاہیئے۔ احسان چونکہ ٹیلہ کی چوٹی پر چڑھ کر وادی کی طبعی حالت دیکھ چکا تھا اور ان گولوں کی روشنی میں جو وادی کے اطراف میں گر رہے تھے وہ وادی کے راستوں کو معلوم کر چکا تھا اس لئے رات کی تاریکی میں وادی سے گذرنا کچھ دقت طلب نہ تھا۔

اس قرارداد کے بعد ہم تاریکی پھیل جانے کا انتظار کرنے لگے یہ وقت میں نے جنگ کا مفہوم معلوم کرنے کی کوشش میں گذارا دیر تک میں اس بات پر غور کرتا اور دل میں کہتا رہا کہ جنگ میں خوفناک چیز صرف خوف ہی ہے۔

تاریکی پھیل جانے پر پھر ہمنے پیشقدمی شروع کی اور وادی میں داخل ہوئے اسوقت مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جنگ صرف افسر کے احکام پر موقوف نہیں ہے بلکہ بصیرت اور قوت کے دوسرے احکام ہیں جو جنگ کو معقول حد پر پہنچاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ آدھی رات تک ہم کالے پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے ہم نے دیکھا کہ کالا پہاڑ کسی جاندار چیز کی طرح متزلزل شکل میں ہمارے سامنے کھڑا ہے۔

یونانی جو روشنی میدان کی حالت معلوم کرنے کے لئے روشنی کے طپنچوں سے ڈال رہے تھے اُس نے میدان جنگ میں ایک عجیب منظر پیدا کر رکھا تھا فریقین کی توپیں جوابی آتشباری میں مشغول تھیں، گولیوں کی بارش دونوں طرف سے جاری تھی اور طرفین کے پیدل سپاہیوں کے درمیان دستی گولوں کی جنگ شدت اختیار کئے ہوئے تھی غرض یہ وقت نہایت سخت اور انتہا درجہ کا نازک تھا وہ شکلیں جو پہاڑی پر چڑھ کر قبضہ جمانے کی کوشش کر رہی تھیں کبھی توپوں کے اُن گولوں کی سبز و سرخ روشنی میں نظر آنے لگتی تھیں اور کبھی نظروں سے پنہاں ہو جاتی تھیں جو انسانوں کے اجسام کی کاشت کو کاٹ رہے تھے اور اُن کو پارہ پارہ کر کے درختوں کی ٹہنیوں اور شاخوں کی طرح زمین پر

بچھا دیا تھا غرض کہ جنگ شدت کے ساتھ برابر جاری تھی اور ایک لمحہ کے لئے بھی بند نہ ہوتی تھی۔

یونانی کالے پہاڑ پر پتھروں کے مضبوط مورچوں کے اندر تھے اور جوابی آتشباری میں پوری قوت سے کام لے رہے تھے بایں ہمہ تھوڑی دیر میں ہماری پہلی رجمنٹ اُن کے قریب تک پہنچ گئی اور دوسری رجمنٹ پہلے سے بھی آگے بڑھ گئی لیکن دونوں رجمنٹوں کے افسر شہید ہوگئے بعض اوقات میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ہمارے لشکر میں معنوی ضعف پیدا ہوگیا ہے اور اس کے حوصلے پست ہوگئے ہیں اور اس قسم کا خیال پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے لشکر کے نقصانات لشکر کی اصل تعداد کے نصف تک پہنچ گئی تھی آخر جب تاریکی اچھی طرح پھیل گئی تو توپیں خاموش ہوگئیں، میں نہیں جانتا کہ اُس وقت ہمارا لشکر برابر آگے بڑھ رہا تھا یا کسی ایک جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔

اس کے بعد چاند کی روشنی افق کی جانب سے نمودار ہوئی اور آہستہ آہستہ پھیلنے لگی اور تاریکی کی گہرائی میں داخل ہو کر حصۂ زمین کو منور کر دیا چونکہ گولیوں کی بارش شدت سے جاری تھی اس لئے احسان کی آواز بڑی مشکل سے سنائی دیتی تھی آخر یہ کہ احسان نے تیسری رجمنٹ کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسکو لے کر اُس دشوار گذار راستہ سے جس پر بھیڑ بکریوں کے چلنے کے قابل بھی جگہ نہ تھی آگے بڑھا، احسان اپنے تمام ماتحت سپاہیوں کے آگے تھا اور اس قدر استقلال و ثبات قدمی کیساتھ پہاڑی ٹیلہ پر چڑھ رہا تھا کہ اُس سپاہ کو جو اُس کے پیچھے تھی اُس کی تقلید کرنے میں کسی قسم کا تردد و تامل نہ ہوسکتا تھا، خاموشی چھائی ہوئی تھی اور بجز اُس سپاہی کے کراہنے کی آواز کے جو راستہ میں زخمی ہو جاتا تھا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ گولیاں احسان کے سر کے قریب سے گذر رہی ہیں اور دائیں بائیں گولے آکر گر رہے ہیں لیکن وہ بے پروا ہاتھ میں بندوق لئے برابر پہاڑی پر چڑھا چلا جا رہا ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ ہم پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ گئے ہیں اور احسان بلند آواز میں چوٹی کے قریب کھڑا ایسے لب لہجہ میں یونانیوں کو گالیاں دے رہا ہے جس سے انتہائی بغض اور غیظ و غضب ٹپک رہا ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یونانیوں کی اس جرأت سے بہت برافروختہ ہے کہ وہ اناطولیہ میں آئے اور اندرون اناطولیہ میں گھس کر ان کالے پہاڑوں تک پہنچے پھر میں نے سنا کہ احسان کی گالیوں کے جواب میں یونانی بھی اُسکو گالیاں دے رہے ہیں اور جب یونانیوں نے دیکھا کہ احسان برابر اُن پر حملہ کر رہا ہے اور اُن کو گالیاں دے رہا ہے تو انھوں نے "تورکوس" "تورکوس" (یعنی ترک) کا شور مچانا

شروع کیا اور احسان کے حملوں کو دستی گولوں۔ بندوق کی گولیوں، پتھروں اور کیچڑ سے روکنا شروع کیا۔

رجمنٹ کے بچے کھچے افسروں میں سے بعض پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے اور یونانیوں کے مورچوں پر پہنچنے نے حملہ شروع کردیا فریقین گتھم گتھا ہو گئے اور ایک نے دوسرے کی گردن کو پکڑ کر زور آزمائی شروع کی پھر اسکے بعد ہوئی اور تلواریں نکال لی گئیں دیر تک شمشیر زنی کا معرکہ جاری رہا ادھر یہ مقابلہ جاری تھا اور ادھر احسان سپاہیوں کو مخاطب کرکے کہہ رہا تھا۔

بہادر سپاہیو پہاڑ کی چوٹی کی طرف بڑھو ہاں پہاڑ کی چوٹی کی طرف تیزی سے بڑھو۔

روشنی کے پلیٹ سے روشنی پھیلانے والی گولی نکلی اور ساری پہاڑی کو اسنے روشن کردیا اس روشنی میں ہماری سپاہ نے اپنے افسر احسان کو دیکھا کہ ایک پتھر پر بیٹھا ہے اور کوشش کر رہا ہے کہ اچک کر پہاڑ کی دوسری بلند چوٹی پر پہنچ جائے، سپاہی جوش میں بھرے ہوئے اپنے مجروح اور شہید بھائیوں کے اجسام پر سے گذر رہے تھے تاکہ آگے بڑھ کر یونانیوں کی گردنوں کو پکڑ لیں، ہماری سپاہ کے آدمیوں کو جو بہت تھوڑی تعداد میں تھے اسوقت اسکا خیال بھی نہ تھا کہ وہ دشمنوں کی گولیوں اور بندوقوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور بڑے جوش سے وہ پہاڑ کی چوٹی کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے میں اسوقت ایسا محسوس کر رہا تھا کہ گویا میں نشہ میں ہوں اور اپنے سپاہیوں کی طرح میں بھی یونانیوں کو گالیاں دے رہا ہوں اور بہت زور سے چلا رہا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ہم نے دیکھا کہ احسان سب سے اونچی چوٹی کی ایک چٹان پر کھڑا ہے چاند بلند ہو کر قبۂ آسمان میں پہنچ گیا تھا اور کائنات میں اسنے سفید چاندنی کا فرش بچھا دیا تھا احسان چٹان پر مطمئن کھڑا تھا کہ یونانیوں نے اپنی بندوقوں کی نال اس کی طرف پھیری اور گولیاں برسانی شروع کیں احسان ان گولیوں سے محفوظ نہ رہ سکا اور زخمی ہو کر چوٹی سے گرا اور اس جگہ آ پڑا جہاں ہم کھڑے تھے گویا وہ ایک درخت تھا جسکو جڑوں سے کاٹ کر پھینک دیا گیا تھا، احسان کو گرتے دیکھکر ہمنے اپنے بازو پھیلا دیے اور جب وہ ہماری گود میں آ کر گرا تو میں نے بلند آواز میں کہا۔

میرے بھائی احسان .... پیارے بھائی احسان۔

احسان نے میرے الفاظ سنے اور بے اختیار اس کی زبان سے رہ رہ کر میرے رب میرے رب کے الفاظ

بکھل گئے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یونانیون نے اپنے مورچون کو خالی کر کے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسوقت گولیون کی بارش رک گئی تھی اور آتشباری موقوف ہو گئی تھی ہم نے احسان کو اپنے ہاتھون پہ اٹھا لیا اور سپاہیون نے اپنے بازوئنے ہم کو مدد دی، سپاہی احسان کو میرے ساتھ اٹھائے لئے چلے جا رہے تھے اور بے اختیار بلند آواز سے کہتے چلے جا رہے تھے۔

اے جناب افسر! یا حضرت قائد؟

سپاہیون کی یہ حالت تھی کہ احسان کو دیکھنے اور یہ معلوم کرنے کے لیئے کہ وہ زندہ ہے ایک دوسرے پہ گرے پڑتے تھے اور چارون طرف ایک حلقہ بنائے ہوئے تھے ان سپاہیون مین ایک سارجنٹ بھی تھا، جس کی بڑی بڑی اور کھڑی مونچھین تھین چھوٹی چھوٹی آنکھین چہرہ بارود کی سیاہی مین آلودہ اور خون اسکے سر اور سینہ سے بہ رہا تھا اُس نے احسان کو مجروح دیکھکر بلند آواز مین کہا۔

بھائیو میرے ساتھ آؤ ہم سب اپنے افسر کا انتقام ظالم یونانیون سے لین گے۔

ہم سب لوگ اللہ اللہ کرتے احسان کو ہاتھون پہ لئے پتھرون پہ چلے جا رہے تھے اور سپاہی دشمنون پہ گولیان برسا رہے تھے ہماری اللہ اللہ کی اور بندوقون کی آواز دیر تک فضا مین گونجتی رہی پھر بندوقون کی آواز کم ہوتی گئی اور آخر کچھ فاصلہ پہ جا کر بالکل منقطع ہو گئی۔ جب ہم احسان کو لے کر اصل چٹان پہ پہنچے تو مین نے اپنی زمزمی سے پانی نکالا اور احسان کے ہونٹون کو تر کیا، مین نے دیکھا کہ زخم سینہ پر آیا ہے اور اسکا کوٹ خون مین لتھڑا ہوا اور سر کاندھے کی جانب جھکا ہوا ہے، آنکھین تقریباً بند ہین اور کبھی کبھی کراہنے کی حالت مین اُس کی زبان سے یا الہی یا الہی کے الفاظ نکل جاتے ہین۔

مجھے یاد نہین اور نہ مجھے اُسوقت یہ معلوم ہوا کہ کب ہم نے احسان کو اُس گڑھے مین پہنچایا جسکو ہم نے مرہم پٹی کا مرکز بنا رکھا تھا اور نہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ کب ہم نے اسکو پالکی مین رکھا ہم کو پہاڑی میدان مین شفاخانہ کی ایک گاڑی ملی اور ہم نے احسان کو اُسمین رکھدیا اور اُسکو مخاطب کر کے کہا۔

احسان ..... بھائی احسان ...... بھائی احسان

احسان نے میرے الفاظ سنکر میری طرف متوجہ ہونے کی کوشش کی لیکن درد کی تکلیف نے اُسکو مجبور کر دیا۔ جسوقت ہم احسان کو لے کر بڑے شفاخانہ مین پہنچے صبح کے چار بج رہے تھے، مین تو راستہ کے

اندر داخل ہوا جہان ایک نوجوان ڈاکٹر اُن زخمیون کی جو خیمہ کے اندر پالکیون مین تھے دوبارہ مرہم لگاکر پٹیان باندھ رہا تھا مین نے اُسکو مخاطب کر کے کہا۔

ہم رجمنٹ کے افسر احسان بک کو لائے ہین کیا بہن عائشہ یہان نہین ہین۔

ڈاکٹر نے فوراً شفاخانہ کے آدمیون کو آواز دیتے ہوئے کہا شادیش مصطفے۔ اور تیار دارد؟ فوراً احسان بک کو بہن عائشہ کے خیمہ مین لیجاؤ ہمارے خیمہ مین بالکل جگہ نہین ہے۔

پھر ہمنے احسان کو فوجی پلنگ پر لٹایا تاکہ اُسکو تکلیف نہ ہو اور عائشہ کے خیمہ مین لے گئے ڈاکٹر نے فوراً نہایت نرمی اور قابلیت سے احسان کا کوٹ اُتارا اسوقت تک احسان کی آنکھین کسی قدر کھلی ہوئی تھین ہونٹون کا رنگ بنفشی تھا اور چہرہ پر عجیب غریب تبسم گویا وہ ہم کو ایک دوسرے عالم سے جو ہم سے بہت فاصلہ پر ہے دیکھ رہا ہے مین نے ڈاکٹر سے پوچھا بہن عائشہ کہان ہے۔

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ عائشہ حفظان صحت کے دستہ کے ساتھ گئی ہے تم اطمینان رکھو عائشہ کی جو تمکو کی ضرورت نہین ہے آدھ گھنٹہ کے بعد ہم تمام کامون سے فارغ ہو جائین گے۔

میرا ضبط و صبر رخصت ہو چکا تھا اسوقت مجھے سخت غصہ تھا اور مین عائشہ کو بہت برا بھلا کہہ رہا تھا اس لئے کہ اسوقت احسان کی حالت عائشہ کی موجودگی کو چاہتی تھی اور اُس کے پاس نہ ہونے سے وہ اس عزت سے محروم رہا جاتا تھا کہ آخری وقت مین عائشہ اُس کی آنکھون کو اپنے ہاتھ سے بند کرے آخر مین دوزانو احسان کے پلنگ کے برابر بیٹھ گیا اپنے سر کو مین نے پلنگ کے لوہے پر رکھ لیا اور بے اختیار رونے لگا آخر مجھے اس امر کا یقین ہو گیا کہ یہ نوجوان (احسان) اب چند ساعتون کا مہمان ہے اس خیال نے مجھے سخت صدمہ پہنچایا اور دنیا میری نگاہون مین تاریک ہو گئی احسان کے ہاتھ کو مین نے اپنے سرد ہاتھون مین لے لیا اور آہستہ آہستہ دبانے لگا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا احسان بھی میرے ہاتھ کو دبا رہا ہے احسان بار بار ادہر اُدہر دیکھتا تھا اور کان لگا کر کچھ سننا چاہتا تھا گویا وہ کسی چیز کا آرزومند ہے اور کسی کا انتظار کر رہا ہے مین نے اپنے دلمین کہا۔

آہ کاش اسوقت عائشہ کہین مجھے مل جاتی۔

جب مرغ سحر کی آواز آنے لگی تو مین نے سنا کہ آیندگان و روندگان کے قدمون کی آواز بڑھ رہی ہے اور سپاہی زور زور سے باتین کر رہے ہین صبح کے وقت جو سکون چھایا ہوا تھا وہ زائل ہو رہا تھا اور کائنات مین

گو نبج رہی تھی، ہوا اسوقت نہایت ہلکی تھی اور خوشگوار میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے۔

یونانی کالے پہاڑ سے پسپا ہو گئے اور اب وہ ہر جگہ سے بھاگ رہے ہیں۔

پھر میں نے ہولناک آواز میں کسی کو کہتے سنا۔

پالکی کو اٹھاؤ اور ایک کنارہ رکھو۔

میں اٹھا تاکہ واقعہ معلوم کروں اور کھڑے ہو کر دیکھا کہ لوگ ایک پالکی کو خیمہ کے اندر لا رہے ہیں، جونہیں میری نظر پالکی پر پڑی بے اختیار میں چلا اٹھا۔

آہ یہ تو عائشہ ہے ... کیا عائشہ بھی زخمی ہو گئی۔

جسوقت میں نے یہ الفاظ کہے احسان کا ہاتھ میرے ہاتھوں میں تھا اور میں اسکو حرکت دے رہا تھا۔ پھر میں نے احسان کی سرد انگلیوں کو دیکھا جو میرے ہاتھ کی گرفت میں تھیں اور خیال کیا کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ گئی ہیں، عائشہ کی پالکی پر جو لمبا کوٹ پڑا تھا، میں نے اسکو اٹھایا اور دیکھا کہ عائشہ کا دوپٹہ اس کے سر پر ہے اور اس کے نیچے سیاہ بال رومال کے اندر بندھے ہوئے ہیں اس کی سفید قمیص خون میں بھری ہوئی ہے اور وہ بائیں پہلو پر لیٹی ہوئی ہے اس کی بائیں بھوں پر ایک خوفناک بہت بڑا زخم ہے جس نے بھوں سے شروع ہو کر پیشانی کے ۲ ٹکڑے کر دیئے ہیں خون بہ بہ کر اس کی بند پلکوں پر گر رہا ہے اور پلکوں کے اوپر آنکھ کے حلقوں میں جم گیا ہے مجھے اسوقت اسکا چہرہ بچوں کی ان مورتوں سے مشابہ نظر آیا جو موم کی ہوتی ہیں ہونٹ اسوقت بالکل ساکن تھے۔

محکمہ حفظان صحت کے سپاہی سے جو عائشہ کو لایا تھا جب میں نے دریافت کیا کہ عائشہ کیونکر زخمی ہوئی تو اسنے ایسے لب لہجہ میں جس سے تاثر ٹپکتا تھا اور مترشح ہوتا تھا کہ عائشہ سے اسکو محبت تھی اور اس کی نظر میں عائشہ کی شخصیت عجیب غریب تھی میری طرف دیکھکر کہا۔

یہ عائشہ گولہ کے ایک ٹکڑے سے زخمی ہوئی اور فوراً شہید ہو گئی اسنے کام کرتے کرتے جب یہ سنا کہ جناب قائد شہید ہو گئے ہیں تو وہ محکمہ حفظ صحت کی پالکی لے کر دوڑی وہ تیزی سے جا رہی تھی کہ اس کی نظر ایک زخمی سپاہی پر پڑی اور وہ فوراً ٹھہر گئی اور اس کی مرہم پٹی کرنے لگی اسی حالت میں گولہ کا ایک ٹکڑا اس کی پیشانی پر آکر لگا وہ گری اور ایک حرف بھی اس کی زبان سے نہ نکلا کہ اسنے اپنی جان - جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ میں نے سپاہی سے کہا کہ بیٹا عائشہ کو قریب لے آؤ۔

میں نے عائشہ کی پالکی کو احسان کے پلنگ کے قریب رکھ دیا اور احسان کو مخاطب کر کے کہا۔

میرے بھائی ادھر دیکھو احسان دیکھو عائشہ تمہارے پاس ہے

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے الفاظ سنکر احسان نے حرکت کی لیکن جب میں نے احسان کے چہرہ پر جھک کر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ وہ عائشہ کے پاس پہنچ گیا ہے اور اب دونوں ایک خیمے کے اندر پہلو بہ پہلو سو رہے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ احسان اس وقت عائشہ سے خفا معلوم ہوتا ہے اس کے چہرہ پر غصہ کی شکنیں تھیں اور وہ گویا عائشہ کو برا بھلا کہہ رہا تھا، کیونکہ احسان کی پشت عائشہ کی طرف تھی اور عائشہ کا چہرہ اس کی ... نگاہوں سے دور تھا اور اس کے چہرہ پر رنج والم کے آثار تھے۔

عائشہ کا چہرہ اس وقت اس بچہ کی مانند تھا جو اپنے کسی قصور پر نادم ہو اور معصومیت کی جھلک اس کے چہرے سے نمایاں ہو جو خون عائشہ کے زخم سے بہ کر اس کی غلافی آنکھوں پر جم گیا تھا وہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سرخ آنسو ہیں اور عائشہ ان آنسوؤں سے احسان کو راضی کر رہی ہے۔ پھر یکایک میرے قلب میں یہ خیال گذرا کہ عائشہ پالکی سے اٹھ کر احسان کو گلے لگا لے گی اور اپنے ہاتھوں کو اس کی گردن میں ڈال دے گی اور جس بوسہ کا آغاز عکہ شہر میں ہوا تھا اس کا بقیہ حصہ وہ اس وقت احسان کو عطا کرے گی، میں نے دونوں کو مخاطب کر کے دردناک لہجہ میں کہا۔

بلاشبہ تم دونوں نے شادی کر لی ہے اور تم سمرنا میں داخل ہو گئے ہو۔

اس وقت میرا خیال واقعی یہ تھا کہ دونوں نے شادی کر لی ہے اس خیال نے مجھ پر جو کچھ اثر کیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ میں فوراً خیمہ سے باہر چلا گیا۔

صبح کے وقت میں نے دونوں کی نعشوں کو سرخ جھنڈوں کے سایہ میں دفن کرنے کے لئے دوسرے شہیدوں کے ساتھ گاڑی میں رکھا اور گاؤں کے چھوٹے سے قبرستان کی طرف لے چلے حشمت بک دونوں کی نعشوں پر جھکا کہ دونوں کے سرہانے کے پاس خاموش کھڑا تھا اور نعشوں کو ورم آلود آنکھوں سے جو رونے سے سرخ ہو گئی تھیں دیکھ رہا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اپنے فرض سے آج میں سبکدوش ہو گیا اور کیونکہ یہ احساس ہوتا تھا میں ہی وہ شخص تھا جس نے عائشہ کو احسان کی زوجیت میں دیکر عائشہ کا ہاتھ احسان کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اور اب وہ دونوں زرد مٹی کے نیچے پہلو بہ پہلو سو رہے ہیں اور دنیا کے مصائب سے نجات پا گئے ہیں۔ جب ہم دفن کر کے لوٹے تو میں نے محسوس کیا کہ میرے قویٰ کی قوت زائل ہو چکی ہے اور میں

زمین پر گر رہا ہوں، حشمت بک نے فوراً مجھ کو تھام لیا اور میں اُس کے سامنے کبھی آگے اور کبھی پیچھے جلنے لگا۔ حشمت بک اپنے فولادی ہاتھوں سے مجھے پکڑے ہوئے تھا اور میں اُس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جن سے شعلے نکل رہے تھے اور غور سے وہ میری طرف دیکھ رہا تھا آخر اُسنے مجھ سے ہاں اُس پیامی سے جو اپنے وجود سے غائب تھا کہا۔

پیامی یکساتم بحیثیت احکام پہنچانے والے افسر کے میرے پاس رہو گے ہم لڑنا ختم کر دیکھتے ہوئے اُنکے پیچھے ہونگے، یہان تک ہم سمرنا پان عائشہ کے شہر مین پہنچ جائینگے۔

ایک گھنٹہ بعد مین نے دیکھا کہ مین موضع "بصری" مین ایک مکان کے کمرہ کے اندر جمال اور حشمت بک کے درمیان بیٹھا ہوں جمال رو رہا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے بھائی میرے بھائی میرے ہوش اُڑ گئے تھے۔ نیز آگئے تھے اور میں بالکل اچھا تھا، مین نے حشمت بک کی طرف دیکھا وہ حجاب جو حشمت بک کی رخ پر پڑا ہوا تھا دور ہو گیا تھا اب مین حشمت بک کے مافی الضمیر سے واقف ہو گیا وہ چاہتا تھا کہ مجھ سے پہلے وہ عائشہ سے جا کر مل جائے لیکن اس سے اُسکو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ کیا اسوقت عائشہ اور احسان پہلو بہ پہلو نہیں سو رہے ہیں آہ میرے رب مین اسوقت اپنے دل مین احسان سے سخت بغض پاتا ہوں اُسنے محض اس لئے کہ عائشہ عالم اخری مین اُس سے آکر مل جائے کالے پہاڑ پر حیرت انگیز اور تعجب خیز کام کئے اور آخر اپنی جان دیدی۔ اُس کا دعویٰ کیا ہوا کہ وہ سمرنا مین سب سے پہلے داخل ہو گا؟ وہ تو سمرنا کی راہ مین پانچ قدم سے زیادہ نہیں چلا اور پھر اس طرح مر گیا جس طرح جانور مر جاتے ہیں۔

اسوقت میرے قلب مین ایک نہایت اچھا خیال پیدا ہوا جس سے میرا دل زور زور حرکت کرنے لگا، مین نے اپنے دلمین کہا مین اس امر کی کوشش کرونگا کہ سمرنا مین سب سے پہلے داخل ہوں اور پھر سمرنا سے واپس ہو کر "کوکجہ بنیار" مین عائشہ کی قبر پر جاؤنگا اور اُسکو خبر دونگا کہ سب سے پہلے سمرنا مین۔ مین داخل ہوا ہوں مجھے اس امر کا یقین ہے کہ عائشہ نے احسان سے اس امر کا وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ سب سے پہلے سمرنا مین داخل ہوا تو وہ اس کے صلہ مین اُس سے نکاح کر لے گی، عائشہ کا یہ وعدہ اسوجہ سے نہ تھا کہ وہ احسان سے محبت رکھتی تھی۔ نہیں۔ اُس نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی وہ صرف اُس شخص سے محبت کرنا چاہتی تھی جو سب سے پہلے سمرنا مین داخل ہو خواہ وہ کوئی ہو پھر مجھے یاد آیا کہ حشمت بک بھی اس فکر مین ہے اور سمرنا مین سب سے پہلے داخل ہونے کی جد و جہد کر رہا ہے حشمت بک

کی کوششون کا خیال کرکے مین ہنس پڑا اور کہا۔

مین حشمت بک پر سبقت لیجاؤنگا اور مجھ سے پہلے کوئی سمرنا کے ساحل پر سرخ جھنڈا نصب کریگا۔

---

۲۷ دسمبر ۱۹۲۱ء۔ وقت صبح

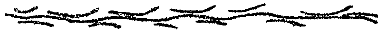
آج صبح میرے اور ڈاکٹر کے درمیان جھگڑا ہوگیا کیونکہ وہ منع کرتا تھا کہ اب مین لکھنا پڑھنا ترک کردون دیر تک اس امر پر مناقشہ جاری رہا پھر ڈاکٹر کی ہدایت سے شفاخانہ کے لوگون نے میرے سر پر ایک سرد رومال باندھ دیا اور مجھے میرے بستر پر لٹا دیا یہ ساری تیاریان اپریشن کی ہین جو کل کیا جائیگا، اگر عمل جراحی کامیاب رہا اور مین بچ گیا تو ایسی زندگی سے کیا فائدہ جبکہ دنیا مین میرا کوئی شناسا باقی نہین رہا ہے۔ جمال کو میری دونون ٹانگون کے ساتھ زمین مین دفن کیا جاچکا ہے اور حشمت بک کو مین نے اپنے ہاتھون سے کوچہ بنیار مین دفن کیا ہے اور وہ ہمیشہ سمرنا کی راہ مین رہیگا.......

اور تم اے میری عائشہ! ہان تم میری طرف دیکھو مین اسوقت بھی دو مضبوط بازوؤن کا مالک ہون اور مین نے قسم کھائی ہے کہ جبتک میرے جسم مین ایک عضو بھی صحیح وسالم باقی رہیگا اُسوقت تک مین سمرنا کے لئے لڑونگا۔

میری عائشہ! اپنی آنکھون سے ان خونین آنسوؤن کو پونچھ ڈالو، اگر تمھاری خوشی اسی مین ہو تو تم بے تکلف احسان سے محبت رکھو کیونکہ یہ بدنصیب نوجوان تم سے بہت محبت رکھتا ہے، احسان نے ہان اس غم نصیب نوجوان نے متواتر دو سال تک اپنے جسم پر آتشین پیراہن کو پہنے رکھا ہے اور آخر تمھارے بازوؤن کے درمیان سمرنا کی جانب اُترا ہے افلاس جیسے نوجوان کے لئے یہ سعادت کافی ہو اب رہا مین! میرے جسم سے کبھی آتشین پیراہن نہ اُتریگا مین ہمیشہ اس آتشین قمیص کو زندگی مین اور مرنے کے بعد بھی ابد تک اپنے جسم پر رکھونگا مین اس آتشین پیراہن کو بہت محبوب رکھتا ہون ہان ہمیں پیراہن کے اندر جو سوزش والم ہے اس سے مجھے بہت محبت ہے

عائشہ! اپنے قدمون مین بالشت بھر زمین میرے لئے بھی رکھنا تاکہ مین تم دونون کی دربانی کرون بلکہ یون کہنا چاہئے کہ تاکہ مین تمھارے پاس ہون۔ عائشہ اگر تم پسند کروگی اور مجھے اجازت دوگی تو مین احسان کے قدمون مین پڑا رہونگا اور جب تک وہ تمھارے ساتھ رہیگا اس کے قدمون مین پڑا سوتا رہونگا۔

عائشہ؟ مین وہ درد والم محسوس کر رہا ہون کہ جب سے خدا نے کائنات کو پیدا کیا ہو اسوقت سے کسی شخص نے محسوس نہ کیا ہوگا۔



۲۷ دسمبر ۱۹۲۱ء - وقت شام

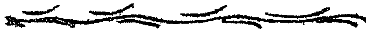
آج صبح مین نے اپنے خادم سالم کو تمام امور کے متعلق وصیت کردی ہو مین اسوقت ایسا محسوس کر رہا ہون گویا میرے سینہ کے اندر کسی میت کے سر کے چھوٹے ہوئے بالون کی ایک لٹ رکھی ہو۔

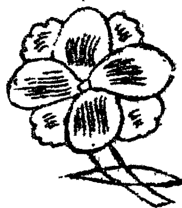
مین نے اپنی وصیت مین لکھدیا ہے کہ میری قبر انھین دونون کے قدمون مین بنائی جائے کیا میری یہ خواہش اُن لوگون کی خیانت تو نہین ہو آپکا کیا خیال ہو؟

میرے بھائی ہان میرے پیارے احسان تم غصہ نہ ہو تمھارے سینہ سے عمر بھر مین صرف ایک مرتبہ خون بہا ہے لیکن میرا سینہ تو ہمیشہ خون کا فوّارہ رہا ہے۔ ہان اب بھی میرے سینہ سے خون بہ رہا ہے اور قبر کے اُس طرف (عالم آخرت مین) بھی میرے سینہ سے خون جاری رہیگا . . . ہان مٹی کے اندر تمھارے قدمون کے نیچے بھی جاری رہیگا اور ابد تک جاری رہیگا۔

میرے بھائی احسان؟ تم خفا نہ ہو ادہر دیکھو مین تم دونون کے قدمون مین آکر سوؤن گا اور تم ہان تم...... ہان عائشہ اور تم دونون پہلو بہ پہلو خواب ابدی کا لطف اُٹھا رہے ہوگے۔

دیکھو...... دیکھو...... عائشہ وہ اپنی پالکی سے اُٹھی ہو اور احسان کی گردن مین اپنے بازو کو حمائل کر دیا ہے اور احسان کو ایسا بوسہ دیا ہے جسکی کوئی انتہا نہین ہو...... اب وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونگے... ہان کوئی حرج نہین ہو انھون نے ایک عمر اس بوسہ کی آرزو مین بسر کی ہو اور برسون تک اسکا انتظار کیا ہو۔





خاتمہ

دو ڈاکٹر جنبہ انگورہ کے شفاخانہ جبہ جبہ سے باہر نکل رہے تھے تو اُن میں سے ایک نے دوسرے کو مخاطب کر کے کہا۔

احتیاطی افسر پیامی آفندی نے اپنی یادداشتوں میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہے اُن کی کافی تحقیقات کر لی گئی ہے۔ دوسرے نے دریافت کیا۔

اور اس تحقیقات کا نتیجہ کیا نکلا

پہلے ڈاکٹر نے جواب دیا۔

ترکی سپاہ کی کسی رجمنٹ کسی پلٹن اور کسی دستہ میں عائشہ نامی نرس کا وجود نہیں پایا گیا اور نہ کسی رجمنٹ افسر احسان نام کا پتہ چلا۔

دوسرا ڈاکٹر۔ کیا پیامی آفندی کے کچھ عزیز و اقارب بھی ہیں۔

پہلا ڈاکٹر۔ ہاں اس کا ایک پھوپھی زاد بھائی جمال نامی تھا جو جنگ میں مارا گیا اور کہا جاتا ہے کہ جمال کی ایک بہن تھی لیکن نہ تو اسکا پتہ چلا اور نہ کسی کو اسکا نام معلوم ہوا۔

دوسرا ڈاکٹر۔ پھر

پہلا ڈاکٹر۔ پھر یہ کہ پیامی آفندی نے جو قصہ لکھا ہے وہ خیالی ہے جو اس گولی کے اثر سے جو اسکے دماغ میں پیوست ہو گئی تھی دماغ میں پیدا ہوا تھا۔

اس کے بعد دیر تک دونوں ڈاکٹروں میں طویل علمی بحث جاری رہی اور آخر دونوں نے اتفاق رائے سے اس مرض کا نام مشکل لاطینی زبان میں وضع کیا جو پیامی آفندی کو لاحق ہوا تھا اور جس کے اثر سے متاثر ہو کر اُسنے آتشیں پیراہن کی کیفیت بیان کی تھی۔

انگورہ۔ ۱۵ اپریل ۱۹۲۲ء

خالدہ ادیب

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی دمہ کی دوا

جس کی درد ہو وہی جانتا ہے — دمہ کیونکر جان سکتا ہے

یوں تو کوئی بھی ایسا مرض نہیں جس کی تکلیف سے مریض نالاں و پریشان نہ ہو لیکن افسوس بد قسمتی سے دمہ کے مریض خاصکر ناقابل برداشت تکلیف دمہ سے بہت ہی پریشان ہوتے ہیں اور رات دن سانس پھولنے کی وجہ سے دم نکلے جاتے ہیں اور نیند تک حرام ہو جاتی ہے۔ دیکھئے آج انکو کسقدر تکلیف ہے لیکن افسوس اس کا علاج مرض کی بازاری دوا جو زیادہ تر نقلی اشیاء دھتورہ۔ بھنگ بلادونا۔ پوٹاس اور ڈانڈ دیگر بنتی ہے۔ اس سے فائدہ ہونا تو درکنار مریض بے موت مارا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کیمیائی اصول سے بنی ہوئی دمہ کی دوا ایک انمول جوہر ہے۔ یہ صرف ہماری ہی بات نہیں بلکہ ہزاروں مریض اس سے شفا پاکر اس کے مداح ہیں۔ آپ نے بہت کچھ خرچ کیا ہوگا لیکن ایک مرتبہ اسے بھی آزما کر دیکھئے۔ اس میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے قیمت فی شیشی عـہ محصول ڈاک ۶ر اس دوا کے دو خاص فوائد ہیں (۱) ایک ہی خوراک میں دمہ دبتا ہے (۲) کچھ روز کے استعمال سے جڑ سے جاتا رہتا ہے۔ اور جب تک استعمال میں ہے دورہ نہیں ہوتا۔

روگ کا گھر کھانسی

یہ مثل بالکل درست ہے کیونکہ ایک کھانسی کی وجہ سے حلق سے لیکر سینہ تک مختلف مرض کے ہونے کا خوف رہتا ہے۔ سردی سے کھانسی کا آغاز ہوتا ہے اور فوراً ہی اگر معقول علاج نہ کیا گیا تو سانس کی نلیوں میں سردی جمع ہو جاتی ہے اور اس سے گذر کر دم کشی میں رکاوٹ پسلیوں میں درد بخار وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں اس لیے کھانسی کے شروع ہوتے ہی مناسب دوا ضرور کرنا چاہئے اور اس کی ترکیب بہت ہی آسان ہے اور وہ یہ کہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کف اور کھانسی کی دوا نہایت درجہ مفید ثابت ہوئی ہے اسکی ایک شیشی خرید کر گھر میں ڈال رکھیں قیمت فی شیشی کلاں عـہ ۸ر خورد ۱۰ر محصول ڈاک ۸ر وغیرہ

ڈاکٹر ایس کے برمن کا بنایا ہوا

لال شربت

اسکے ایک ہی شیشی کے پلانے سے بچے لال لال ہو جاتے ہیں قیمت فی شیشی عـہ محصول ڈاک ۸ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایجنٹ جگن ناتھ گپتا بجنور